خواتین کے لیے صاف ستھرا تفریحی ادب

ماہنامہ

آنچل

کراچی

Scan

aanchal.com.pk
info@aanchal.com.pk

رُکن آل پاکستان نیوز پیپرز سوسائٹی
رُکن کونسل آف پاکستان نیوز پیپرز ایڈیٹر
رُکن چیمبر آف کامرس

NAEY UFAQ PUBLICATION

ماہنامہ آنچل کراچی

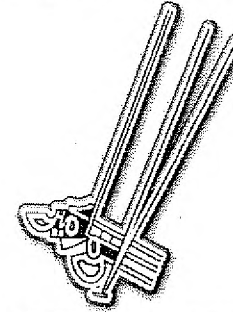
بانی ——— زیب النساء
بیاد ——— فرحت آراء
مدیر اعلیٰ ——— مشتاق احمد قریشی
مدیر خصوصی ——— طاہر احمد قریشی

جلد نمبر	33
شمارہ نمبر	04
جولائی	2011



پاکستان (فی پرچہ)............ 45 روپے
پاکستان (سالانہ)............ 600 روپے

اشتہارات اور دیگر معلومات
0300-8264242



پبلشر مشتاق احمد قریشی پرنٹر جمیل حسن مطبوعہ ابن حسن پرنٹنگ پریس ہاکی اسٹیڈیم کراچی

دفتر کا پتہ: 7 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ کراچی



سرورق: جویریہ..... آرائش: ماہ روز بیوٹی پارلر..... عکاسی: محمد ناصر

خط وکتابت کا پتہ: ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس نمبر 75 کراچی 74400 فون نمبرز 021-356203771/2

فیکس 021-356203773 کیلئے از مطبوعات نئے افق پبلی کیشنز ای میل Info@aanchal.com.ph

حدیث نبوی ﷺ

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان سلامت رہیں اور مومن وہ ہے جس سے لوگ اپنی جان و مال کے بارے میں امن میں ہوں اور مجاہد وہ ہے جو اللہ کی اطاعت میں اپنے نفس سے جہاد کرے اور مہاجر وہ ہے جو نافرمانی کی راہ ترک کردے۔“ (مشکوٰۃ)

سرگوشیاں

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

جولائی ۲۰۱۱ء کا آنچل حاضرِ مطالعہ ہے۔

کافی دیر سے کوشش کر رہا ہوں کہ میں آپ سے باتیں کرنے کے لیے قلم اُٹھالوں لیکن دل کی دھڑکن کسی طرح قابو میں آ ہی نہیں رہی۔ ابھی کچھ ہی دیر قبل اخبار دیکھ کر ایک طرف رکھا ہے۔ طبیعت اب اخبار کو دیکھنے کی حد تک محدود ہوگئی ہے۔ پڑھنے کی نوبت مشکل ہی نظر آرہی ہے۔ یوں تو پورے وطنِ عزیز میں ہی آگ و خون کی ہولی کھلی جارہی ہے لیکن خصوصاً کراچی جو اپنی آبادی کے امتزاج کے باعث منی پاکستان کی حیثیت اختیار کرچکا ہے ہر روز آٹھ دس اور کبھی تو بیس تیس افراد کو لقمہ اجل بنادینا کراچی پر قبضہ کرنے والے دہشت گردوں کا معمول بن گیا ہے۔ کون کس کو اور کیوں مار رہا ہے اس کی کسی کو بھی مرنے والے کو قطعی خبر نہیں ہوتی وہ غریب تو صرف اس لیے مارا جارہا ہے کہ اُس کی موت اُسے کھینچ کر قاتل کے نشانے پر لے آتی ہے۔ شاید خود قاتل دہشت گرد کو بھی یہ پتا نہ ہوتا ہو کہ وہ کس کو کیوں قتل کر رہا ہے۔ بس اُس کے نشانے پر جو بھی آجائے اُسے تو اپنے جنوں کو سر کرنا ہے۔ کچھ دانش وروں کا کہنا ہے کہ یہ کراچی پر اقتدار کے حصول کی جنگ ہے جس جماعت کو پہلے ہی عوامی خواہش کے مطابق کراچی میں اکثریت حاصل ہے اُسے بدل ڈالنے اور انہیں پیچھے ہٹا کر دیوار سے لگانے کی صاحبِ اقتدار اور اُن کے حواری کوشش کر رہے ہیں۔ جبکہ شاید ایسا ممکن نہ ہو عوام کی حمایت اور دل جیتنا شرط ہے۔ سہاگن ہے وہی جس کو پیا چاہے۔ عوام نے جن افراد' جس جماعت پر اعتماد کا اظہار کیا جسے [illegible] وہی سہاگن ہے۔ اللہ پاکستان کی اور اہلِ پاکستان کی اور خصوصاً ہم کراچی والوں کی حفاظت فرمائے دہشت گردی اور خون ریزی سے نجات عطا فرمائے' کراچی والوں کو اپنی خصوصی پناہ نصیب فرمائے آمین۔

بہت کوشش کی کہ کراچی کے موجودہ حالات سے ہٹ کر بہنوں سے اپنی آپ کے اس ماہنامہ کی کچھ باتیں کرسکوں [illegible] انشاء اللہ پھر کبھی سہی آئیں آپ سے اس ماہ کے آنچل کا تعارف کرائیں۔

قارئین کرام! ستمبر کا شمارہ عید نمبر ہوگا اس کے لیے اپنی اپنی نگارشات 15 جولائی تک ارسال کردیں۔

اس ماہ کے ستارے

☆ تم سے ملنے کے بعد — ثمینہ وسیم پہلی بار بہت خوب صورت مکمل ناول لے کر حاضر ہیں۔

☆ بجھ گئے دیپ سارے — ایم اے صدا بجھے دیپ کے فسانے سنا رہی ہیں۔

☆ پہنچی کہاں بہار — نزہت جبیں ضیاء اپنے مخصوص انداز کے ساتھ حاضر ہیں۔

☆ محبت چاندنی ہے — سباس گل محبت کی چاندنی بکھر رہی ہیں۔

☆ محبت ابر کی صورت — غزالہ عزیز کا خوب صورت انداز لیے ہوئے افسانہ۔

اگلے ماہ تک کے لیے اللہ حافظ۔

دعا گو مشتاق احمد قریشی

حمد

تیرے ہی جلووں کا آسماں پہ ظہور ہے
تیری ہی عبادتوں میں دنیا مخمور ہے
شہ رگ سے میری تُو کون سا دور ہے
پھر بھی ہوں تجھ سے غافل' یہ میرا قصور ہے
یہ جان کر بھی کہ دل میں تیرا ہی نور ہے
پھر بھی یہ کیوں گلہ ہے کہ روشنی دور ہے
میں نافرماں بھی ہوں تیری رحمتوں کا طالب
کیسی ہے میری عاجزی' یہ کیسا غرور ہے
اے پروردگار تو بہت رحیم و غفور ہے
عمیس جو ہے تیرا بندہ' بڑا بے حضور ہے

نعت

اے نورِ سراپا' اے نورِ دوام
سب سے عالی ہے تیرا مقام
تجھ پہ خدا کا درود و سلام
اے پیرانِ پیر کیا تیری نظیر
تو ہے سارے انبیاء کا امام
تجھ پہ خدا کا درور و سلام
ہے تیری تصویر' قرآن کی تفسیر
جاری ہے تیرا فیضِ عام
تجھ پہ خدا کا درور و سلام
ہے گھر گھر تشہیر' خلق ہے دامن گیر
ہر مومن ہے تیرا غلام
تجھ پہ خدا کا درور و سلام
بن گئی تیری خاکِ قدم اکسیر
ہے اس میں کس کو کلام
تجھ پہ خدا کا درور و سلام

(عمیس احمد...... جھنگ صدر)

درجواب آں

ادارہ

عائشہ خان......لاہور

عائشہ سلامت رہئے۔ آپ نے صحیح اندازہ لگایا ہے کہ آج کل ہماری قوم پر کچھ زیادہ ہی مایوسی سوار ہوتی جارہی ہے جبکہ مایوسی کفر ہے پتا نہیں کیوں ہم لوگ اتنی جلدی مایوس ہوکر اپنے رب کو بھول جاتے ہیں اور حد سے گزار جاتے ہیں۔ جبکہ ایسے موقع پر تو ہم کو اپنے رب سے توبہ و استغفار زیادہ سے زیادہ کرکے اُسے راضی کرنے کی فکر کرنی چاہیے جبکہ ہم نے اپنی یہ عادت بنالی ہے کہ اپنے سے اوپر والے کو دیکھ کر مایوس ہونا' رب کریم کا حکم ہے کہ اپنے سے نیچے والوں کو دیکھ کر شکر گزار بنوں جو ہم بھول گئے ہیں اور جو رب نے ہم کو اپنی بے تحاشہ نعمتیں عطا کی ہوئی ہیں ان کو بھول کر اُس سے شکوہ کناں ہوتے رہتے ہیں۔ ہم کو ہر حال میں شکر ادا کرنے والا ہونا چاہیے۔ بس دعا کی جاسکتی ہیں کیونکہ آج کل جو کچھ ہمارے پیارے ملک میں ہورہا ہے اس پر گہری نظر ڈالی جائے تو اندازہ یہی ہوتا ہے کہ یہ سب ہماری بداعمالیوں کا نتیجہ ہے اور کچھ نہیں اللہ سبحانہ عالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہم سب کو معاف فرما کر در گزر والا معاملہ فرمائے اور ہم کو ان حالات سے نجات عطا فرما آمین۔ دعاؤں کے لے اللہ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔

نائیلہ اشفاق......کوٹ غلام محمد۔

نائیلہ! جیتی رہو۔ ارے...... ارے...... اتنا غصہ اور جھنجلاہٹ اچھی نہیں ہوتی۔ ہماری مکمل کوشش ہوتی ہے کہ آنچل کی تمام پیاری پیاری قارئین کی شمولیت آنچل کے سلسلوں میں ہو۔ یہ سلسلے آپ سب ہی کے لیے تو ہیں۔ آپ یقین کریں کہ آپ کی نگارشات ہمیں موصول ہی نہیں ہوئی ہیں۔ لہٰذا دوبارہ 'بھیج دیجئے' مگر باری کا انتظار آپ کو کرنا پڑے گا۔ تمام سلسلوں میں شرکت کے لیے ایک کثیر ڈاک موصول ہوتی ہے۔ جس کی نمبر شمار کے حساب سے ہی اشاعت ممکن ہے اب تو خوش ہیں نا کہ آپ کے خط کا جواب ہم نے دے دیا۔ آپ نے جو دعائیں دی ہے اس کے لیے ربّ کریم آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آمین۔

شگفتہ کوثر......خیر پور ٹامیوالی۔

شگفتہ خوش رہو۔ لیجئے بھئی ہم نے آپ کے شہر کا نام آپ کی منشاء کے مطابق صحیح کردیا ہے امید ہے کہ اب آپ کا گلہ اور آپ کی دوستوں' بہنوں کا شک دور ہوگیا ہوگا۔ آپ کا ناول مل گیا ہے ابھی پڑھا نہیں۔ نئی مصنفات پہلے افسانوں پر طبع آزمائی کریں تو زیادہ بہتر رہتا ہے۔ طویل تحاریر رد کرتے ہوئے خود ہمیں افسوس ہوتا ہے کہ اس میں لکھاری کی زیادہ محنت صرف ہوتی ہے۔ مگر یاد رکھیے۔

گرتے ہیں شہسوار ہی میدان جنگ میں

تو کوشش جاری رکھنی چاہیے اور مایوس ہرگز ہرگز نہ ہوں۔ انسان کو اپنی محنت کا صلہ مل کر رہتا ہے۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

عائشہ سلیم......فیصل آباد

عائشہ دعائیں۔ افسانہ نگاری ایک فن ہے۔ بھرپور مطالعہ و مشاہدہ کے علاوہ عرق ریزی و محنت اس فن کو نکھارتی اور جلا دیتی ہے۔ آپ کے خط سے آپ کے شوق کا اندازہ ہوتا ہے لیکن آپ کو اس فن کی مہارت کے لیے بہت زیادہ مطالعہ کی ضرورت ہے۔ افسانہ نگاری کے لیے بہت زیادہ نہیں تو مناسب تعلیم تو درکار ہوتی ہے۔ آپ کی انتہائی محبت پر خط کا جواب دیا جارہا ہے۔ ہمارا مشورہ ہے کہ اچھی کتابیں پڑھیں اور بہترین انتخاب کے ساتھ آنچل کے سلسلوں میں شرکت کریں۔ لیکن جلد بازی سے کام نہ لیجئے گا۔ ہر سلسلے کے لیے باری کا انتظار کرنا پڑتا ہے۔

مریم منور گل......سندری۔

پیاری مریم' ہمیشہ ہنستی مسکراتی رہو۔ آپ نے یہ کیسے سوچ لیا کہ ہم آپ کا خط بناء پڑھے ردی کی ٹوکری میں ڈال دیں گے؟ آپ سب بہنیں ہمیں دل سے عزیز ہیں۔ خطوط کے صفحات محدود ہوتے ہیں۔ اس لیے جواب طلب خطوط خاص اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ لیکن ہم موصول ہونے والا ہر خط انتہائی توجہ سے نا صرف پڑھتے ہیں بلکہ آپ سب کے خلوص کے دل سے قدر دان بھی ہیں۔ آنچل کے توسط سے ہمارا اور آپ کا رشتہ اٹوٹ ہے پھر بھی آپ دل سے جو بھی رشتہ بنانا چاہے بناسکتی ہیں ہم کو وہ قبول ہوگا اور ایک اہم بات کہ آپ کے اسلوب میں لفظوں کا چناؤ ربط اور تسلسل لائق تحسین ہے۔ یقیناً اگر آپ کوشش کریں تو بہترین تحریر تخلیق کرسکتی ہیں۔

نجم انجم......کراچی۔

عزیزی۔ شاد و آباد رہو۔ آپ کا نام آنچل کے صفحات کے لیے نیا نہیں ہے۔ آپ کی تواتر کے ساتھ آمد آنچل سے آپ کی محبت و خلوص کی غماز ہے۔ آپ کے بیٹے کی بیماری کے بارے میں جان کر تشویش ہوئی۔ اللہ تعالیٰ صاحبزادے کو صحت کاملہ عطا فرمائے آمین۔ آپ کی گزارش پر تمام قارئین بہنوں سے بھی خاص الخاص دعا کی درخواست ان سطور کے ذریعے کی جارہی ہے۔ اللہ آپ کا حامی و ناصر ہو۔

تحسین انجم انصاری......اسلام آباد۔

تحسین سلامت رہیے۔ آپ کا نام آنچل کے صفحات کے لیے نیا نہیں ہے اور آپ کی تحریر کی تعریف سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہے۔ بلاشبہ آپ اچھا لکھنے والوں میں سے ہیں۔ آنچل اور اس کے سلسلوں کی پسندیدگی کا شکریہ۔ تجاویز نوٹ کرلی گئی ہیں۔ آپ کا افسانہ مل گیا ہے۔ باری آنے پر شائع کردیا جائے گا۔ دعاؤں کے لیے اللہ سبحانہ تعالیٰ آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

انا شاہ زاد......گجرات۔

انا سدا خوش رہو۔ شادی کی بے حد مبارک باد۔ ربّ کریم آپ کو کامیابی و کامرانی کے ساتھ نئی زندگی کی شروعات کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔ آپ کی گزارش پر یہ اطلاع تمام بہنوں تک پہنچائی جارہی ہے کہ اب انا احب (فیصل آباد) انا شاہ زاد (گجرات) ہوگئی ہیں۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

عشرت گوندل......منڈی بہاؤالدین۔

عزیزی سلامت رہو۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ ماشا اللہ بی اے کا امتحان دے چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کامیابی عطا فرمائے آمین۔ آپ نے خود بتایا کہ ناول ادھورا ہے۔ تو آپ ہی بتائیں ادھورا ناول شائع کرنا کیسے ممکن ہے۔ آپ ضرور لکھیں لیکن پہلے افسانوں پر طبع

آزمائی کریں۔ اچھی تحریروں کے ہم منتظر رہتے ہیں۔ اور ایک تحریر رد ہونے کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا کہ آئندہ نہ لکھیں یا پھر کوئی تحریر شائع نہیں ہوسکے گی۔ کوشش جاری رکھو۔ ان شاء اللہ کامیابی آپ کا نصیب بنے گی۔ دعاؤں کے لیے جزاک اللہ۔

منیرہ عبدالنبی بروہی..... کراچی۔

منیرہ شادو آباد رہو۔ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ آنچل کی پرانی مگر خاموش قاری ہیں۔ لیکن تعلیم پر توجہ رکھنی بھی ضروری ہوتی ہے۔ شاید اسی لیے آپ کی تحریر میں لاتعداد املا کی غلطیاں ہیں تاہم تحریر میں پختگی بہت ہے۔ ان شاء اللہ باری آنے پر شائع ہوجائے گی۔ جب آپ کی کہانی شائع ہوجائے تو اس کو بغور پڑھیے گا تاکہ آپ کو اندازہ ہوسکے آپ کی اغلاط کا۔ امید ہے کہ غلطیوں کی درستگی سے آپ کو بہت کچھ سیکھنے کو ملے گا اور آپ ان غلطیوں نہ دہراؤ گی۔ قلمی تعاون برقرار رکھنا۔

افراء تاج..... گاؤں بکڑالہ۔ جہلم

افراء۔ خوش رہو۔ آپ کی کہانی مل گئی ہے۔ ابھی پڑھی نہیں گئی۔ پڑھنے کے بعد اس کے بارے میں رائے دے سکیں گے۔ گزشتہ افسانہ کے لیے معذرت۔ آپ کے قلم میں روانی اور بہتری ہے امید ہے کہ آگے چل کر بہت کامیابیاں حاصل کریں گی۔ اللہ تمہارا حامی وناصر ہو۔

ڈاکٹر تنویر انور خان..... کراچی۔

عزیزی خوش رہیے۔ آپ جیسے دیرینہ ومشاق مصنفین کا قلمی تعاون ہمارے سفر کو سہل بناتا ہے۔ یہ جان کر خوشی ہوئی کہ آپ کا مزاج تواتر سے لکھنے کی جانب مائل ہے۔ ناولٹ مل گیا ہے۔ ابھی پڑھا نہیں گیا۔ ان شاء اللہ پرچے سے فارغ ہوکر پڑھیں گے۔ دعاؤں کے لیے رب کریم آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین۔

پلوشہ عروج..... مقام نامعلوم۔

پلوشہ جیتی رہو۔ آنچل میں خط لکھنے کے لیے گھبراہٹ کیسی؟ آنچل آپ کا اپنا ہے۔ ہمارے دل کے دروازے تمام قارئین کے لیے کھلے ہیں۔ خواہ وہ پرانے ہوں کہ نئے۔ آپ کو لکھنے کے لیے ابھی بہت محنت کی ضرورت ہے۔ مطالعہ وسیع رکھیں اور پہلے افسانے پر طبع آزمائی کریں۔ افسانہ کے لیے معذرت امید ہے کہ اچھی تحریر کے ساتھ جلد حاضری دیں گی۔ اللہ آپ کا حامی وناصر ہو۔

فوزیہ سعید سردار..... ملتان۔

فوزیہ دعا۔ یہ جان کر دلی مسرت ہوئی کہ آپ دینی رسائل میں لکھتی رہی ہیں۔ آپ کا اسلوب بہتر ہے۔ مگر کچھ محنت کی ضرورت بھی ہے۔ مطالعہ وسیع رکھیں۔ ماہ اگست کے لیے آپ کی کہانی منتخب کرلی گئی ہے۔ مگر کہانی کی درستگی پر غور کرنے سے آپ کو بہت کچھ سیکھنے کو ملے گا۔

شہناز راجپوت..... گوجرانوالہ۔

شہناز سلامت رہو۔ آپ کا ناول مل بھی گیا اور منتخب بھی ہوگیا ہے۔ ان شاء اللہ باری آنے پر شامل اشاعت کرلیا جائے گا۔ آپ کا انداز تحریر رواں اور بہترین ہے مگر تحریر کو نکھارنے کی ضرورت ہے۔ بہتر لکھنے کے لیے شرائط کی بھرپور پاسداری کیا کریں۔ یہ ضروری ہوتا ہے۔ امید ہے قلمی تعاون برقرار رہے گا۔

انیسہ مجید..... لاہور۔

انیسہ جیتی رہو۔ افسانہ مل گیا۔ انداز تحریر بہتر اور رواں ہے لکھنے میں پختگی بھی ہے مگر افسانہ اسکرپٹ کے انداز میں لکھا گیا ہے۔ آپ کو آنچل کے بھرپور مطالعہ سے بہت کچھ سیکھنے کو ملے گا۔ امید ہے جلد ہی اپنی نئی اور اچھی تحریر کے ساتھ حاضری دو گی۔ ہم منتظر رہیں گے۔

شازیہ ذکی عثمانی..... کراچی۔

شازیہ خوش رہو۔ جان کر خوشی ہوئی کہ ماشاء اللہ آپ ادبی گھرانے سے وابستہ ہیں اور والد محترم کا شمار معروف شعراء میں ہوتا ہے۔ افسانہ مل گیا ہے۔ ابھی پڑھا نہیں گیا۔ پڑھنے کے بعد رائے دے دی جائے گی۔

مہوش ملک..... گنگاپور۔

مہوش! جیتی رہو خوش رہو۔ تمہیں کسی بھی سلسلے میں شرکت کے لیے اجازت کی ضرورت ہے؟ بس قواعد وضوابط کی پابندی کیجیے گا۔ نئی کہانی ضرور بھیجیں۔ مناسب ہوئی تو باری آنے پر شائع کردی جائے گی۔ اللہ آپ کو امتحان میں کامیابی نصیب فرمائے آمین۔

اوراب کچھ خطوط کے مشترک جوابات۔

سلمیٰ فہیم گل لاہور۔ آپ کی ”ایک اور عنایت“ ہم نے قبول کرلی ہے۔ عنقریب شامل اشاعت کردی جائے گی۔ ثوبیہ افضل سیالکوٹ۔ آپ اپنے افسانے ”نام ونشان“ کے لیے آفس کے نمبر پر فون کرلیں۔ محمد مہربان، جہلم۔ محترم! ”ہمارا آنچل“ کے سلسلے میں مرد حضرات کے تعارف شامل نہیں کیے جاتے معذرت۔ مقدس دلدار، گوجرانوالہ اور عفیفہ افضل عفی ڈسکہ۔ آپ دونوں نے افسانے کی فوٹو کاپی بھیجی ہے۔ جو قابل قبول نہیں ہوتی معذرت۔ سونیا اللہ رکھا، کوٹ غلام محمد۔ آپ بال پین کا استعمال کریں اور ذرا صاف وخوش خط لکھیں تب ہی آپ کی نگارشات مستقل سلسلوں کا حصہ بن سکتی ہیں۔ یہ سب تو ضائع ہوگئیں۔ نیر رضوی، کراچی۔ آپ کی شاعری باری آنے پر شائع ہوجائے گی۔ ارم عروج، خوشاب۔ ہم آپ کی گزارش پر ضرور غور کرتے اگر کہانی مکمل ہوتی۔ لہٰذا معذرت قبول فرمائیں۔

تہمینہ وسیم، ایم جے صدا مقام نامعلوم براہ مہربانی آپ دونوں دفتر کے نمبرز پر فوری رابطہ کرلیں۔

ناقابل اشاعت:۔

دل ایک لوتھڑا، تم کیسی محبت کرتی ہو، آخر کب تک، قسمت کے کھیل، چراغ بجھ گئے، تیرا سایہ جہاں ہو، پل پل جسے ہم نے چاہا، پیارے رشتے، تیرا ساتھ جو مل گیا، محبت ایک سچا جذبہ، پیار کی رم جھم برسے، دو افسانے، یہ وطن ہمارا ہے، دھنک کے رنگ، واہ ری قسمت، نازک تتلی، پاگل۔

مصنفین سے گزارش

☆مسودہ صاف خوش خط لکھیں۔ حاشیہ لگائیں صفحہ کی ایک جانب اور ایک سطر چھوڑ کر لکھیں اور صفحہ نمبر ضرور لکھیں اور اس کی فوٹو کاپی کرا کر اپنے پاس رکھیں۔

☆فوٹو اسٹیٹ کہانی قابل قبول نہیں ہوگی۔

☆قسط وار ناول لکھنے کے لیے ادارہ سے اجازت حاصل کرنا لازمی ہے۔

☆نئی لکھاری بہنیں کوشش کریں پہلے افسانہ لکھیں پھر ناول یا ناولٹ پر طبع آزمائی کریں۔

☆ مسودے کے آخری صفحہ پر اپنا مکمل نام پتا خوشخط تحریر کریں۔

شیطان کی حقیقت قرآن کی روشنی میں

مولف: مشتاق احمد قریشی

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

ابلیس یا شیطان

ابلیس، شیطان ہی کا نام ہے یعنی اس کی شخصیت کا پہلا رخ ابلیس جس کے لغوی معنی مایوسی' ناامیدی کے باعث غمگین ہوکر ششدر و متحیر ہوجانے کے ہیں' چونکہ شیطان رحمت حق سے ناامید ہے اس لئے اس کا نام ابلیس ہوا' شیطان کی وہ خاصیت یا خصوصیت جس کے سبب انسان میں غصہ' سرکشی' بغاوت' انحراف واشتعال کی کیفیت پیدا ہو ایسی وسوسہ اندازی کو شیطان یا شیطانیت کہا گیا ہے۔ جب قانونِ الٰہی یا نظام حیات کے قوانین شکنی کے نتائج سامنے آتے ہیں تو انسان میں افسردگی اور مایوسی کے جذبات پیدا ہوتے ہیں یہ کارنامہ بھی چونکہ شیطان کی وسوسہ اندازی کا ہی ہوتا ہے اس لئے اس کیفیت کو ابلیسیت ہی کہا گیا ہے۔

اصطلاحاً ابلیس اس جن کا نام ہے جس نے اللہ کے حکم کی نافرمانی کرکے آدم اور بنی آدم کے لئے مطیع و مسخر ہونے سے انکار کردیا اور اللہ سے قیامت تک کے لئے مہلت مانگ لی' اللہ تعالیٰ نے اسے نسل انسانی کو بہکانے اور گمراہیوں کی طرف راغب کرنے کا موقع دیا' اسی کو اللہ تعالیٰ نے ابلیس کے نام سے پکارا' ابلیس اور شیطان کسی مجرد (یعنی کسی غیر مادی یا غیر محسوس) قوت کا نام نہیں ہے بلکہ وہ بھی دوسرے جنوں کی طرح ایک صاحب تشخص ہستی ہے' نیز کسی کو یہ غلط فہمی بھی نہیں ہونا چاہئے کہ وہ فرشتوں میں سے تھا۔ اس کی تشریح قرآن نے کی ہے جس کی تفصیل آئندہ باب میں آپ پڑھیں گے کہ وہ جنوں میں سے ہے۔ ابن جریر نے حضرت ابن عباسؓ سے روایت کی ہے کہ ابلیس کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ اللہ نے اس کو ہر بہتری سے مایوس کردیا ہے' ابن عسکر نے کہا کہ ابلیس کا ایک نام قرۃ بھی بیان کیا گیا ہے جبکہ الخطابی کے قول کے مطابق ابلیس کی کنیت ابوبکر دوس ہے اور ''ابوقرۃ'' بھی اور ''اُبومرّہ'' اور ایک اور قول کے مطابق ''اُبومرّہ'' اور ایک اور قول کے مطابق ''ابولبینی'' بھی بیان کیا گیا ہے۔ (الاتقان جلال الدین سیوطی)

ابلیس کا مادہ بلس اور ابلاس ہے جو کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے' حیرت کی وجہ سے دنگ رہ جانا۔ خوف ودہشت کے مارے دم بخود ہوجانا' رنج وغم کے مارے دل شکستہ ہونا' ہر طرف سے ناامید ہوکر ہمت ہارنا اسی کا ایک پہلو مایوسی ونامرادی ہے جس کی وجہ سے انسان میں اشتعال برافروختگی پیدا ہوتی ہے اسی وجہ سے شیطان کو ابلیس بھی کہا گیا ہے۔ درحقیقت' یاس ونامرادی کی بنا پر اس کا زخمی تکبر اس قدر مشتعل' برانگیختہ ہوا ہے کہ اب وہ جان کی بازی لگا کر ہر جرم کا ارتکاب کر گزرنے پر تلا ہوا ہے۔ آج اکثر

لوگ اپنی کم عقلی' کم فہمی کی وجہ سے اپنی بات پر اڑ جاتے ہیں چاہے وہ کتنی ہی غلط ہو اور سمجھتے ہیں کہ جو وہ کررہے ہیں وہ ہی درست ہے۔

ابلیس یا شیطان کو اللہ تعالیٰ نے صرف اس حد تک قدرت دی ہے کہ وہ انسان کو بہکائے اور بہکنے والوں کو جو خود اس کی پیروی کرنا چاہیں اپنے پیچھے لگالے یہ قدرت یا طاقت اسے قطعی نہیں دی گئی کہ کسی انسان کا ارادہ تو اللہ کی فرمانبرداری کرنے کا ہو' صراط مستقیم پر چلنے کا ہو نبی مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع وپیروی کرنے کا ہو اور شیطان زبردستی اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے نافرمانی کی راہ پر کھینچ لے جائے۔

ابلیس کو اللہ تعالیٰ نے اپنے وسواس کے حربے سے انسان کو بہکانے اور اغوا کرنے کی اجازت اس لئے دی کہ نیک' متقی لوگوں' آخرت پر یقین رکھنے والوں اور آخرت پر شک کرنے والوں اور اسے نہ ماننے والوں کے درمیان فرق کھل کر سامنے آجائے۔

اسے یوں بھی سمجھا جاسکتا ہے' جو اس حقیقت ارشاد ربانی کو واضح کرتا ہے کہ عقیدہ آخرت کے سوا کوئی دوسری چیز ایسی نہیں جو انسان کو راہ راست پر قائم رکھ سکے اور اس کی ضامن ہو' اگر کوئی شخص یہ نہ مانتا ہو کہ اسے مر کر دوبارہ اٹھنا ہے اور اللہ تعالیٰ کے حضور اپنے تمام اچھے برے اعمال کا احساب دینا ہے ان کی جواب دہی کرنی ہے تو وہ یقیناً گمراہ و بدراہ ہو کر ہی رہے گا' کیونکہ اس طرح اس کے اندر نہ احساس ذمہ داری پیدا ہوگی اور نہ خوف الٰہی۔

جو لوگ آخرت پہ یقین رکھتے ہیں' وہ یقیناً اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں اور ہر برائی' برا کام جس کے کرنے سے روکا گیا ہے اسے نہیں کرتے' اس سے رکے رہتے ہیں اور اللہ کی اطاعت وبندگی ویسے ہی کرتے ہیں جیسا کہ حکم ہے جبکہ شیطان کا کام ہی یہ ہے کہ وہ انسان کو اس کی آخرت سے غافل کردے اور دنیا کے عارضی مفادات پر آخرت کی زندگی کے دائمی مفادات کو قربان کرادے' دنیا میں جو شخص بھی شیطان کے ورغلانے میں آکر گمراہ ہوا ہے وہ اسی نقطہ، انکارِ آخرت یا شک فی الآخرۃ کی وجہ سے ہی ہوا ہے اور جس نے راست روی اختیار کی اس کے صحیح طرز عمل کی بنیاد ہی ایمان بالآخرۃ ہے۔

قرآنی احکام وآیات کے برخلاف جدید محققین جو قرآن اور آیات قرآنی کی تشریح وتفصیل جدید اور مغربی دانشوروں کی دانش مندی سے مرعوب ہوکر اپنے خیالات کا برملا اظہار کرتے ہوئے قطعی نہیں ہچکچاتے' بلکہ ان جدید نظریات کی بنیاد پر آیات قرآنی کی نفی کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔

قرآن کریم میں جہاں تخلیق آدم علیہ السلام اور مسجود ملائکہ کے بارے میں ارشاد باری تعالیٰ ہے وہیں ابلیس کی سرکشی وتکبر کو بھی کئی جگہ بیان کیا گیا ہے۔ اس کے باوجود دورِ جدید کے جدت پسند محققین کی تحقیقِ جدید کے مطابق ابلیس یا شیطان انسان سے الگ اس کے خارج میں موجود کوئی الگ ہستی نہیں ہے بلکہ یہ خود انسان کے اندر کی ایک خصلت کا نام ہے ان کے خیال کے مطابق انسان میں تین بنیادی عناصر ہوتے ہیں۔ (۱) جذبات۔ (۲) عقل (۳)۔ انسانی ذات کی خودی۔

دور جدید کے مفکرین ومحققین کے مطابق انسان محض اُن طبعی اور دماغی قوتوں کا ہی نام نہیں ہے بلکہ اس کے اندر موجود روح جسے روح الٰہی کہا گیا ہے بھی ہے جسے انسان کی انا Ego ایگو یعنی خودی کہا

گیا ہے جب انسان ”میں“ کہتا ہے تو اس کا مفہوم اس کا طبعی پیکر یعنی جسم نہیں ہوتا اس کے ماورا اس کی خودی اور اُس خودی کا استحکام وارتقاء ہوتا ہے جو شرف انسانیت خودی کے استحکام کے عروج کا تقاضا ہے اس کے مدمقابل جو بھی قوت جس سے اس کا تصادم اور کش مکش ہوتی ہے اسی قوت کا نام ابلیس ہے۔ اس لئے ہی ان کے خیال میں ابلیس انسان سے الگ خارج میں کوئی ہستی نہیں ہے جبکہ انسان کی خصلت ذات یا خودی‘ عقل وجذبات کا نام ہے جس کی تشریح اوپر کی سطور میں آ چکی ہے۔

دراصل دور جدید کے یہ تمام مفکرین ومفسرین جو جدید سائنسی اور مغربی افکار سے روشنی حاصل کرتے ہیں اور قرآنی احکام وآیات کے خلاف اپنی من مانی تشریحات کر کے خود ابلیس کے معاون و مددگار کا کردار ادا کرتے ہیں۔ قرآن حکیم میں خود رب کائنات سورۃ **القیامۃ** میں نفس کی قسم کھا رہا ہے ”**ولا اقسم بالنفس اللوامۃ**“ ”اور نہیں میں قسم کھاتا ہوں ملامت کرنے والے نفس کی (**القیامۃ ۲**)۔ یہاں اگر ہم اس بات کو سمجھ لیں کہ انسانی نفس کیا ہے؟ اور یہ نفس لوامہ کیا ہے؟ جس کی قسم اللہ تبارک وتعالیٰ نے کھائی ہے تو بات سمجھنا آسان ہو جائے گی۔

دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں جو اپنے اندر ضمیر نام کی چیز نہ رکھتا ہو۔ اس ضمیر میں اللہ تعالیٰ نے برائی اور بھلائی کی تمیز کرنے کا احساس رکھا ہے۔ انسان چاہے کتنا ہی برا اور بگڑا ہوا کیوں نہ ہو اس کا ضمیر اسے برائی کرنے اور بھلائی نہ کرنے پر ضرور ٹوکتا ہے۔ قطع نظر اس کے کہ اس نے اپنے لئے بھلائی اور برائی کرنے کا جو بھی معیار مقرر کر رکھا ہو‘ چاہے وہ غلط ہو یا صحیح۔ یہ اس بات کی صریح دلیل ہے کہ انسان نرا حیوان نہیں ہے۔ اللہ نے اس میں اخلاقی وجود رکھا ہے‘ اس میں برائی اور بھلائی کی فطری تمیز پائی جاتی ہے‘ وہ خود کو اپنے اچھے برے فعل کا ذمہ دار سمجھتا ہے‘ اور جس برائی کا ارتکاب اُس نے دوسرے کے ساتھ کیا ہو اس پر اُس نے ضمیر کی ملامت کو اگر دبا بھی دیا ہو مگر جب وہی برائی اگر کوئی دوسرا اس کے اپنے ساتھ کرتا ہے تو اس کا دل اندر سے یہ تقاضا کرتا ہے کہ اپنے ساتھ ہونے والی زیادتی کا اسے بدلہ لینا چاہئے اور زیادتی کرنے والے کو سزا دینی چاہئے۔ یہی اس کا احساس نفس ہے۔ اسی کو انسان کا نفس شیطان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ کیونکہ انسان کے دل میں وسوسہ اندازی باہر سے صرف شیاطین جن وانس ہی نہیں کرتے بلکہ اندر سے خود انسان کا اپنا نفس بھی کرتا ہے۔ اس کے اپنے غلط نظریات اور قوت ارادی اس کی قوت فیصلہ کو گمراہ کرتی ہے اور اس کی ناجائز اغراض وخواہشات اور اس کے اپنے اندر کا شیطان بھی اسے بہکاتا ہے جسے اللہ تعالیٰ نے نفس سے تعبیر فرمایا ہے۔ اس لئے بہتر ہے کہ پہلے یہ سمجھ لیا جائے کہ نفس ہے کیا؟ اور قرآن حکیم میں رب کائنات نے کیا ارشاد فرمایا ہے۔

نفس:۔ نفس کی تشریح اہل لغات کے نزدیک سانس‘ گھڑی‘ ساعت اسم مفرد ومعرفہ منسوب جان، مراد شخص، نفس کے معنی جان ہے، لیکن اس سے مراد کبھی متنفس ہوتا ہے۔ نفس کا عمومی استعمال شخص کے لیے ہوتا ہے، قرآن حکیم میں نفس سے جنس اور نوع مراد ہے، اردو لغت کے اعتبار سے، مذکر، جان، روح آتما، ذات، وجود ہستی اصلیت، اصل ہے، ان کی جمع انفاس اور نفوس ہے اور لغوی معنی کسی چیز کے وجود‘ اس کی حقیقت اور ذات کے ہیں جبکہ مختلف معنوں میں روح‘ مروت اور ضمیر کے ہیں۔ کچھ کے

نزدیک یہ مادی ہے اور کچھ کے نزدیک یہ روحانی ہے۔ نفس اپنے دعویٰ میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی ضد ہوتا ہے‘ کیونکہ اس میں اپنے وجود کا ذکر کرتا ہے اور یہ اپنے مطالبہ میں اللہ تعالیٰ کا ہمسر کہتا ہے جبکہ اللہ تعالیٰ کہتا ہے کہ صرف اس کی حمد وثناء بیان کی جائے اس لیے نفس کو ’شیطان‘ سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ نفس میں انا‘ خود پرستی ہوتی ہے‘ اس کی خواہش ہوتی ہے کہ اس کی تعریف وتوصیف کی جائے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں نفس کشی کا حکم دیا ہے۔ اصطلاح میں نفس کو مارنا نفس کشی کہلاتا ہے۔ اس کے علاوہ مختلف اصطلاحوں میں اسے سانپ کہا گیا جو انسان کے وجود کو ڈستا رہتا ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اصلاح کے لئے دعا فرمائی ہے۔ ”اے حقیقی زندہ‘ اے حقیقی سنبھالنے والے۔ میری ہر حالت کو درست کر دیجئے اور مجھے پلک جھپکنے کے وقفے تک بھی میرے نفس کے حوالے نہ کیجئے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے کسی بندے کا بھلا چاہتا ہے تو اسے عیوب نفس دکھلا دیتا ہے“۔ ایک اور مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد پاک ہے ”مجاہد وہ ہے جس نے اللہ کے لئے اپنے نفس سے جہاد کیا“۔

قرآن حکیم میں نفس کی تین اقسام بیان کی گئی ہیں۔ (۱) نفس لوامہ۔ (۲) نفس امارہ۔ (۳) نفس مطمئنہ۔ یہی تین اقسام کے نفوس زیادہ مشہور ہیں۔ جس طرح انسانوں کو مختلف بنایا ہے ایسے ہی ان کے نفس بھی مختلف ہوتے ہیں۔ قرآن حکیم میں نفس کی انہی تین اقسام کا خصوصاً ذکر کیا گیا ہے۔

سورۃ الشمس میں بھی اللہ رب العزت نے نفس انسانی کی قسم کھائی ہے اور خود اپنی ذات عظیم کی اور اسے ہی پاکیزگی اور فلاح پانے کا ذریعہ بھی قرار دیا ہے۔

ترجمہ:۔ قسم ہے نفس انسانی کی اور اس ذات کی جس نے اسے ہموار کیا (بنایا) پھر اس کو سمجھ دی بدی کی اور اس سے بچ نکلنے کی‘ جس نے تزکیہ کیا وہ کامیاب ہوا اور جس نے اُسے دبا دیا وہ نامراد وناکام ہوا۔ (الشمس۔ ۷ تا ۱۰)

سورۃ الشمس کی ابتدائی آیات مبارکہ میں سات چیزوں کی قسم الگ الگ کھائی ہے۔ سورج کی قسم‘ چاند کی قسم‘ دن کی قسم‘ رات کی قسم‘ آسمان کی قسم‘ زمین کی قسم اور سب سے آخر میں انسانی نفس کی قسم کھائی ہے۔ ان سب کا تعلق انسان اور انسانی زندگی سے بہت اہم اور زیادہ ہے۔ یہ تمام چیزیں انسان کی زندگی سے ایسے ہی جڑی ہوئی ہیں جیسے اس کا نفس اس سے جڑا ہے۔

نفس لوامہ۔ یہ انسان کو اس وقت لعنت ملامت کرتا ہے جب اس سے کوئی گناہ کبیرہ یا صغیرہ سرزد ہو جاتا ہے۔ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں سورۃ القیمۃ کی دوسری آیت میں کیا ہے۔ اسی کو ضمیر بھی کہا جاتا ہے۔

(جاری ہے)



سارہ وحید

ملیحہ احمد

سویٹ سے قارئینِ آنچل! آپ سب کو میرا بھرپور سلام۔ کہیئے کیسے مزاج ہیں آپ لوگوں کے؟ یقیناً اچھے ہوں گے۔ پہلی بار کسی رسالے میں لکھنے کی ہمت اور جسارت کر رہی ہوں۔ امید ہے آپ لوگ جگہ دیں گے۔ میرا نام سارہ وحید بخاری ہے۔ کبھی گھر والے خوشی سے، غصے سے اور پیار سے سارہ ہی کہہ کر بلاتے ہیں۔ میرا کوئی نک نیم نہیں ہے۔ ہاں البتہ کبھی کبھار بھیا لاڈ سے گڑیا کہہ کر بلاتے ہیں جو کہ مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔ پاکستان کے خوب صورت شہر گجرات سے تعلق رکھتی ہوں۔ ہم تین بہن بھائی ہیں۔ دو بھائی اور ایک بہن۔ بھائی دونوں ہی مجھ سے بڑے ہیں۔ سب سے بڑے بھیا قاسم جو کہ بی۔ایس۔سی فورتھ ایئر کے اسٹوڈنٹ ہیں۔ انہیں غصہ بہت زیادہ آتا ہے۔ ویسے بہت ذہین اور محنتی ہیں۔ سنجیدگی ان کی طبیعت کا خاصہ ہے۔ ان سے چھوٹے عاصم بھائی ہیں۔ جو اپنی دنیا میں مست رہتے ہیں۔ ان کا مزاج بڑے بھیا کے بالکل برعکس ہے۔ وہ بہت نرم مزاج اور بے تکلف ہیں۔ ان سے میری کافی دوستی ہے۔ اگر کچھ منگوانا ہو یا فرمائش کرنی ہو تو بلا جھجک کہہ دیتی ہوں۔ بھیا فوراً پوری کر دیتے ہیں۔ ہمارے درمیان صرف ایک سال کا فاصلہ ہے۔ وہ آئی کام پارٹ ٹو کے اسٹوڈنٹ ہیں۔ آخر میں، میں یعنی سارہ وحید ایف ایس سی فرسٹ ایئر کی طالبہ ہوں۔ میری خواہش ہے کہ میں بہت زیادہ پڑھوں اور تعلیم میں اپنا ایک نام ایک مقام بناؤں جو کہ دوسروں کے لیے قابل رشک ہو۔ اس لیے دل لگا کر پڑھتی ہوں اور ہمیشہ پہلی یا دوسری پوزیشن حاصل کرتی ہوں۔

8 ستمبر کو اس خوب صورت اور پُر رونق دنیا میں قدم رکھا۔ اس لحاظ سے میرا اسٹار سنبلہ بنتا ہے۔ مجھے کائنات کی خوب صورتی بہت متاثر کرتی ہے۔ مگر اس کائنات میں بسنے والے لوگوں کے حالاتِ زندگی دیکھ کر بہت دکھ اور رنج ہوتا ہے۔ میرا بس نہیں چلتا کہ سارے لوگوں کے دکھ سمیٹ کر اپنے دامن میں بھر لوں اور اپنے حصے کی تمام خوشیاں ان لوگوں کے نام کر دوں۔ میں چوں کہ حساس طبیعت کی مالک ہوں اس لیے جہاں کہیں بھی ظلم و ستم ہوتا دیکھتی ہوں۔ رونا شروع کر دیتی ہوں۔ اب آتے ہیں اپنی خوبیوں اور خامیوں کی جانب۔ خوبیاں یہ ہیں کہ میں پانچ وقت کی نماز باقاعدگی سے پڑھتی ہوں۔ وقت کی بہت پابند ہوں۔ کسی کی دل آزاری نہیں کرتی۔ کسی بھی معاملے میں ضد کبھی نہیں کی۔ خوش اخلاق اور خوش مزاج ہوں۔ خامیوں میں، بہت زیادہ انا پرست ہوں اور اکثر اس انا کے ہاتھوں کافی نقصان اٹھاتی رہتی ہوں۔ اپنا دکھ کسی سے شیئر نہیں کرتی حالاں کہ دکھ کہنے سے ہلکا ہو جاتا ہے پھر بھی اپنے مسائل اپنے دکھ کسی سے نہیں کہتی۔ گھر کے کاموں میں بالکل بھی دلچسپی نہیں رکھتی۔ ہر ایک پہ بہت جلد اعتبار کر لیتی ہوں۔ یہ جانتے ہوئے بھی کہ ہر کوئی قابلِ اعتبار نہیں ہوتا۔ اخلاص بہت کم لوگوں میں ہوتا ہے۔ یہ تو تھیں خامیاں۔ اب کچھ پسند و ناپسند کے بارے میں۔ میری پسند میں بہت کچھ شامل ہے۔ سب سے پہلے لباس میں شلوار قمیص پسند ہے۔ جینز وغیرہ پہننے کا شوق بھی رکھتی ہوں مگر چوں کہ سید گھرانے سے تعلق ہے اس لیے اپنی خواہش کی تکمیل ناممکن سی بات لگتی ہے۔ ہماری فیملی بہت مذہبی اور سخت ہے (خصوصاً بڑے بھائی) کھانے میں دال چاول، کڑھی پکوڑے اور بھنڈی پسند ہے۔ گلابی، سیاہ اور سفید رنگ پسند ہیں۔ لباس تقریباً ہر رنگ میں بنوا لیتی ہوں۔ مجھے تنہائی سے بہت خوف آتا ہے وہیں پر تشست جمانا پسند کرتی ہوں جہاں پر بہت سارے لوگ موجود ہوں۔ مجھے سردیوں کا موسم بہت متاثر کرتا ہے۔ برستی بارشیں، ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں اور دھند دل کو لبھاتی ہے۔ پرفیوم وغیرہ زیادہ پسند نہیں ہے۔ کوئی سی بھی خوشبو لگا لیتی ہوں۔ مجھے گھومنے پھرنے اور سیر و تفریح کرنے کا بہت شوق ہے۔ (دوستوں کے ساتھ) مگر یہ خواہش حسرت کے سوا کچھ نہیں۔ میری دو سہیلیاں ہیں۔

دونوں بہت اچھی ہیں۔ آپ لوگ سوچ رہے ہوں گے کہ سارہ اپنی ذات کے اوپر ہی بات کیے جا رہی ہے۔ آنچل کے متعلق کچھ نہیں کہا تو جناب آنچل میری جان ہے۔ آنچل کو پڑھتے ہوئے مجھے نو ماہ کا عرصہ ہو گیا ہے اور اس مختصر سے عرصہ میں، میں نے آنچل کو اپنے بے حد قریب پایا۔ جب میری دوست نے کہا کہ جب تک رزلٹ نہیں آ جاتا، تم آنچل ڈائجسٹ پڑھو۔ اس میں بہت اچھی اچھی کہانیاں ہیں۔ میں نے آنچل پڑھا اور واقعی اس نے مجھے بہت متاثر کیا۔ میری دوست کے پاس دو سال پرانے آنچل موجود تھے۔ میں نے وہ سارے کے سارے پڑھ ڈالے۔ ہمارے گھر میں امی کے سوا کسی کو بھی معلوم نہیں کہ میں آنچل رسالہ پڑھتی ہوں۔ ”ہمارا آنچل“ میں بہت ساری لڑکیوں کے تعارف پڑھے جیسا کہ مائرہ ملک، طاہر ملک، مدیحہ شاہ، ملیحہ اوجھی، مہک انصاری، نازیہ کنول نازی، اناالحب، امیمہ ریاح، سامیہ عالم اور خصوصاً شمائلہ اکرم جس کے تعارف نے مجھے بہت متاثر کیا۔ شمائلہ جی کیا آپ مجھ سے دوستی کرنا پسند کریں گی۔ مجھے آپ کے تعارف نے اتنا متاثر کیا کہ میرا بھی دل چاہا کہ اپنا تعارف بھیجوں۔ میں ہر روز آپ کا تعارف پڑھتی ہوں اور بار بار پڑھنے کو دل کرتا ہے۔ آپ جو کچھ بھی لکھتی ہیں بہت اچھا لکھتی ہیں خصوصاً ”ہم سے پوچھئے“ میں آپ کے سوال بہت مزے کے ہوتے ہیں۔ بے تکلفی لیے۔ پلیز مجھ سے دوستی ضرور کیجیے گا۔ اللہ آپ کو صحت دے۔ (آمین) میں آنچل کی رائٹرز کو زیادہ تو نہیں جانتی پھر بھی یہ کہنا چاہوں گی کہ وہ رائٹرز جن کی کہانیاں مجھے بہت زیادہ پسند آتی ہیں اور میرے دل کو چھو گئیں ان میں سعدیہ امل کاشف، سمیرا شریف طور اور اقراء صغیر احمد شامل ہیں۔ میرے پسندیدہ ناولز میں یہ چاہتیں یہ شدتیں، شہرِ چارہ گراں، محبت جھک نہیں سکتی، تیری جستجو میں نکھر گئے، جب وہ پتھر موم ہوا اور اے محبت تیری خاطر شامل ہیں۔ پسندیدہ ممالک میں پاکستان، دبئی اور سعودی عرب شامل ہیں۔ میرے دل کی سب سے بڑی خواہش ہے کہ میں حج کروں اور روضہ رسول ﷺ کی زیارت کروں۔ اللہ کرے سب کی یہ جائز اور نیک تمنا پوری ہو۔ (آمین) میری زندگی کالج سے گھر اور گھر سے کالج تک محدود ہے۔ کہیں آنا جانا نہیں ہوتا۔ سارا دن بور ہوتی ہوں۔ اس سے پہلے کہ آپ مجھ سے بور ہونے لگیں۔ میں جلدی جلدی اپنا تعارف ختم کر دوں۔ ہاں لیکن اپنا پیغام دینا چاہتی ہوں۔ وہ یہ کہ پلیز زندگی کی دل سے قدر کریں۔ یہ خدا کا ہم پر بن مانگا احسان ہے اور ایک بہت بڑا تحفہ ہے۔ زندگی سے خوشیاں کشید کریں کہ یہ ہمیں صرف ایک بار ملتی ہے۔ مجھ سے ملاقات کر کے آپ لوگوں کو کیسا لگا۔ رائے ضرور دیجیے گا۔ اللہ حافظ۔

صدف سلیمان

السلام علیکم! میرا نام صدف سلیمان ہے۔ ہماری کاسٹ جھنگ ہے اور میں ضلع جھنگ کے شہر شورکوٹ میں رہائش پذیر ہوں۔ عمر میری 19 سال ہے۔ تعلیم جتنی قسمت میں تھی اتنی حاصل کی ہے۔ ہم آٹھ بہن بھائی ہیں جن میں میرا نمبر پانچواں ہے۔ ایک بہن اور دو بھائی مجھ سے چھوٹے ہیں۔ ہم پانچوں بہنیں آنچل شوق سے پڑھتی ہیں۔ دو بہنیں شادی شدہ ہیں۔ بڑی باجی کی شادی کو چھ سال ہو گئے ہیں۔ ابھی تک ان کی کوئی اولاد نہیں۔ پلیز دعا کیجیے کہ اللہ انہیں اولاد دے۔ چھوٹی باجی کی ایک بیٹی ہے مریم۔ جس میں ہماری جان ہے۔ رنگوں میں اورنج رنگ میرا پسندیدہ تھا لیکن سیاہ رنگ اب میرا پسندیدہ ہے۔ کھانے میں پھول گوبھی بہت زیادہ پسند ہے۔ گھر میں اور کسی کو نہیں پسند اس لیے لڑ کر یہ سبزی پکاتی ہوں۔ اس کے علاوہ چاول بھی بہت پسند ہیں۔ میٹھے میں گاجر کا حلوہ کسٹرڈ بغیر کسی میوے کے پسند ہیں۔ پھل سارے ہی کھا لیتی ہوں۔ آم کچے اور پکے اچھے لگتے ہیں۔ مشروب میں پنک ایپل پسند ہے اور چائے تو زندگی ہے۔ تحفہ دینا اور لینا بہت پسند ہے۔ ڈائری باقاعدگی سے لکھتی ہوں۔ میک اپ میں آئی لائنر اور جیولری میں سادہ کانچ کی چوڑیاں پسند ہیں۔ اداس شاعری کی دیوانی ہوں۔ پسندیدہ شاعر احمد فراز، محسن اور وصی شاہ ہیں۔ اس کے علاوہ نازیہ جی اور پروین شاکر پسند ہیں۔

مدھم اور دکھی گانے اچھے لگتے ہیں۔ اداکاروں میں آفتاب اور ایشا پاٹیل، وحید مراد پسند ہیں۔ کپڑوں میں شلوار قمیص پسند ہیں لیکن دوسروں کے ڈریس ہر قسم کے ڈیزائن کرلیتی ہوں۔ جو ڈیزائن ایک بار دیکھ لیتی ہوں وہ بغیر پوچھے بنالیتی ہوں کیوں کہ ڈریس ڈیزائنر کا کورس کیا ہے۔ پسندیدہ رائٹر عمیرہ احمد، سمیرا شریف اور نازیہ جی ہیں۔ پسندیدہ ہستی حضورﷺ کے بعد میری ماں ہیں جو دنیا کی عظیم ماں ہے۔ ہر بات اپنی ماں سے کہہ لیتی ہوں۔ مجھے دوستی کرنے کا بہت شوق ہیں خوب صورت اور خوب سیرت لڑکیوں سے۔ عنبرین، پروین، سبین، شمینہ اور حمیرا، شبانہ میری اچھی دوستیں ہیں لیکن وہ بہت کم ملتی ہیں۔ اس لیے اب بہترین دوست اللہ کی ذات ہے جس سے ہر بات شیئر کرلیتی ہوں پر ایک بات اپنی فرینڈز کے لیے، I miss you so much. سرد راتیں، پورا چاند اور تنہائی پسند ہیں۔ اب خوبیاں اور خامیاں بتادوں؟ خوبیاں تو جاننے والے زیادہ اچھی طرح بتاسکتے ہیں۔ پہلی خوبی تو یہ ہے کہ نماز شروع سے پانچ وقت پڑھتی ہوں۔ جان بوجھ کر کبھی قضا نہیں کرتی۔ کسی کو تکلیف میں نہیں دیکھ سکتی۔ نہ ہی کسی کا دکھ برداشت کرسکتی ہوں حتیٰ کہ کسی اسٹوری یا فلم میں ٹریجڈی سین ہو تو سچ میں روتی ہوں۔ جس سے محبت کرتی ہوں اسے کبھی دھوکہ نہیں دیتی ہمیشہ کوشش کرتی ہوں کہ کسی کو مجھ سے شکایت نہ ہو۔ ہر کسی پر اعتبار جلدی کرلیتی ہوں جس کا بہت بڑا خمیازہ بھگت رہی ہوں لیکن آج تک کبھی شکوہ نہیں کیا۔ خامی یہ ہے کہ غصہ بہت جلدی آتا ہے اور غصے میں بہت کچھ بول جاتی ہوں تو بعد میں بہت افسوس ہوتا ہے۔ ایک خامی یہ ہے کہ انسانوں کو پرکھنے کی حس مجھ میں بالکل نہیں ہے جو میٹھا بول دے وہ اچھا لگتا ہے۔ خواہ وہ اندر سے کتنا ہی کڑوا ہو۔ محبت کے نام پر دھوکہ دینے والے لوگ بالکل پسند نہیں ہیں۔ سوری فرینڈز! اگر کوئی بات بری لگے تو پلیز معاف کردیجیے گا۔ آخر میں ایک اچھی بات کے ساتھ اجازت چاہوں گی۔

جو تکلیف دے اسے چھوڑ دو۔ اور جسے چھوڑ دو اسے تکلیف نہ دو۔ فی امان اللہ۔

سمیرا ازکریا

ادھر دیکھیں قارئین! آج آپ کی محفل میں کون آیا ہے؟ ارے اِدھر نہیں اُدھر۔ ارے اُدھر بھی نہیں بلکہ میں سامنے ہوں۔ جی جناب! بالکل ادھر ہی...... پیارے پیارے آنچل فیملی ممبرز! السلام علیکم۔ کیسے ہیں آپ لوگ؟ پہلے آپ لوگ بتائیں کہ آپ کیسے ہیں پھر میں بتاؤں گی کہ میں کیسی ہوں۔ بہت مزے میں ہیں نہ آپ لوگ۔ میں بھی آپ لوگوں کی دعاؤں سے بالکل ٹھیک ہوں۔ آپ لوگوں کو کیا پتا کہ میں کون ہوں۔ اویں خوش ہورہے ہیں۔ اچھا چلو اب میں اپنا تعارف کرواہی دیتی ہوں۔

نام ہے میرا سمیرا ازکریا۔ ویسے کہنے والے سمرن بھی کہتے ہیں۔ سوچا لکھتے تو اور بھی بہت ہیں ہم کیوں نہیں۔ آنچل سے وابستہ ہوئے زیادہ عرصہ تو نہیں گزرا مگر یہ مطالعہ میں ضرور رہتا ہے اور اب ہم نے باقاعدہ شمولیت بھی اختیار کرلی ہے۔ اب جب آنچل میں شمولیت اختیار کر ہی لی ہے تو آپ کو اپنی خوبیوں اور خامیوں کے بارے میں بھی بتادیں۔ جیسے خوبیاں بہت ہیں ویسے خامیاں بھی بہت ہیں۔ ویسے خامیاں کم ہیں سمجھا کریں (آہم) تعلیمی قابلیت صرف میٹرک ہے۔ اسکول لائف کو بہت انجوائے کیا۔ اسکول کی غیر نصابی سرگرمیوں میں بہت آگے آگے ہوتے تھے۔ خاص کر میں اور میری کزن نبیلہ مجید۔ میں باتونی بہت ہوں۔ بولتی رہوں تو گزارا ہوتا ہے۔ میری شخصیت کی سب سے اہم بات یہ ہے کہ میں بے حد حساس ہوں۔ میری باتوں سے تو نہیں لگ رہا ہوگا کہ میں حساس ہوں۔ ناراضگی کسی سے ہو تو غصہ کسی اور بات پر نکال دیتی ہوں پھر تسلی ہوتی ہے۔ کتنی بری بات ہے نا۔ میں پھر بھی یہ عادت نہیں چھوڑتی۔ ویسے تو میں چلتے پھرتے مذاق کرتی رہتی ہوں۔ کیا کروں ہنسے اور ہنسائے بغیر گزارہ نہیں ہوتا۔ نہ بھی ہنساؤں تو کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور نکل جاتی ہے منہ سے کہ اگلا بندہ ہنسنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ ہے نا کمال کی بات، اگر نہیں لگتی تو آپ لوگ ایسے ہنسا کر دکھاؤ۔ دیکھا کوشش ناکام ہوئی! خیر برا نہ مانیں اور کوشش جاری رکھیں۔ مجھے کھانا پکانے کا بے حد شوق ہے۔ میں بہت کچھ پکا لیتی ہوں اور بہت کچھ سیکھنے کی کوشش میں رہتی ہوں۔ کھانوں میں مجھے پلاؤ بہت پسند ہے اور خاص کر جب میں خود پکاؤں۔ اب کہہ دیں اپنے منہ میاں مٹھو۔ آنا آپ لوگ ہماری طرف پھر پکا کر کھلاؤں گی۔ سبزیوں میں مجھے صرف کریلے اور بھنڈی پسند ہے۔ میں دوسروں پر بہت جلد اعتبار کرلیتی ہوں۔ اکثر عورتوں کی رنگ برنگی باتوں سے تو میں نے دھوکا بھی بہت کھایا ہے پھر بھی انسان نہیں بنتی۔ آئس کریم مجھے بہت پسند ہے خاص کر اگر چمن والوں کی ہو تو بات ہی کیا ہے۔ اگر مجھ سے موسم کا پوچھیں تو مجھے گرمیوں کا موسم بہت پسند ہے۔ سردیوں میں بس سارا دن کمروں میں ہی بند رہو۔ مجھے سیاہ اور نیلا رنگ بہت پسند ہے۔ جیولری میں مجھے رنگ اور بریسلیٹ بہت پسند ہے اور وہ بھی بس سادہ سے ڈیزائن کے ہوں۔ انگوٹھی مجھے صرف سیاہ نگ والی پسند ہے جس میں چھوٹا سا نگ ہو۔ ویسے تو آج کل میں نے سیاہ نگ والی پہنی بھی ہوئی ہے۔ یہ دیکھیں ہوگئی تسلی۔ یہ تو مجھے پہلے ہی پتا تھا کہ دیکھے بغیر کہاں تسلی ہوگی۔ عادت سے جو مجبور ہوئے۔ میری دوستوں کی تعداد بہت زیادہ ہے۔ ہر چھوٹے بڑے سے دوستی کرلیتی ہوں۔ بہت زیادہ باتونی جو ہوں۔ خاص کر میری بہن حمیرا سے بہت دوستی ہے۔ میں اس دوستی کا بہت ناجائز فائدہ اٹھاتی ہوں۔ دراصل میں چائے بہت زیادہ پیتی ہوں جتنی دفعہ مل جائے اتنی دفعہ۔ تو جب میں حمیرا کو دو چار باتیں سناتی ہوں تو پھر اس کو کہتی ہوں کہ چلو اب مجھے چائے بنا کر پلاؤ تو بے چاری کو مجبوراً بنانی پڑتی ہے۔ ویسے تو ہم تین بہنیں ہیں۔ بڑی بہن جس کا نام ارم شہزادی ہے۔ وہ بہت کم بولتی ہے لیکن ڈائجسٹ بہت زیادہ پڑھتی ہے۔ اس کے ماشاء اللہ دو بیٹے ہیں۔ چھوٹا والا عمیر تو بہت ہی پیارا ہے۔ باتیں بہت پیاری کرتا ہے۔ ایک بات بتاؤں آپ لوگوں کو، ویسے بتانی تو پہلے چاہیے تھی لیکن میری مرضی میں جب بتاؤں۔ میں شادی شدہ ہوں۔ میری شادی کو چار سال ہوگئے ہیں۔ میرا ایک بیٹا ہے جو کہ بہت ہی پیارا ہے۔ اس کا نام محمد یحییٰ ہے اور میرے میاں کا نام زکریا ہے۔ ہے نا پیارا۔ میرا بیٹا تین سال کا ہے لیکن بولتا بہت زیادہ ہے۔ بہت آگے کی بات کرتا ہے۔ ابھی بھی وہ میرے پاس بیٹھا ہے اور کہہ رہا ہے کہ ماما مجھے بھی پنسل دو میں بھی لکھوں گا۔ بندہ پوچھے جب ماں لکھ رہی ہے تو بیٹے کو لکھنے کی کیا ضرورت ہے؟ میرے میاں ایمرائیڈری ڈیزائنر ہیں اس لحاظ سے میری تو بڑی موج ہے۔ جتنا آپ لوگ سوچ رہے ہیں۔ اب اتنی بھی نہیں۔ وہ مجھے اپنی فیکٹری سے ایمرائیڈری کیے ہوئے سوٹ لا کر دیتے ہیں۔ پھر ہوئی نا موج۔ ہماری جوائنٹ فیملی ہے۔ بہت مزا آتا ہے خاص کر جب کوئی تہوار ہو۔ ایک اور بات میرے میاں بہت خوب صورت ہیں اور ان کی آواز بھی بہت سریلی ہے۔ اس لیے کہہ رہی ہوں کہ وہ اکثر گنگناتے ہیں تو پھر میری ساری توجہ ان کی آواز پر ہوتی ہے۔ ویسے میں کبھی کبھی بہت غرور کرنے لگ جاتی ہوں کہ میرے شوہر بہت اچھے ہیں۔ مجھے مہندی لگوانے کا بہت شوق ہے۔ اچھا کیا خیال ہے اب آپ لوگوں کی جان چھوڑ نہ دی جائے۔ اب آپ لوگوں نے بھی سکھ کا سانس لیا ہوگا۔ ویسے سکھ کا سانس لینا حق بنتا بھی ہے۔ چلیں ٹھیک ہے۔ اپنا خیال رکھیے گا اور مجھے اپنی دعاؤں میں یاد رکھنا۔ اللہ حافظ۔



آنچل کے ہمراہ

ادارہ

آنچل کے ہمراہ کے گزشتہ ماہ کے سوالات:۔

سوال:۔آنچل سے وابستگی کب اور کیسے ہوئی؟

سوال:۔آنچل کی کس خوبی یا سلسلے نے آپ کو متاثر کیا؟

سوال:۔آنچل سے وابستہ کوئی خوش گوار یاد یا واقعہ؟

سوال:۔کوئی ایسی دوست جو آنچل کے توسط سے ملی ہو اور آپ آنچل کے توسط سے ہی اسے پکارنا چاہتی ہوں؟

سوال:۔اپنی پسندیدہ رائٹرز کے لیے کوئی اچھی سی بات جو آپ آنچل کے توسط سے کہنا چاہتی ہوں؟



شمع شکیل ... کراچی

ا:۔آنچل سے میرا رشتہ گزشتہ 4 سال سے ہے۔جب میں 15 سال کی تھی تو عفت سحر طاہر کا ناول ''محبت دل پہ دستک'' نے مجھے آنچل سے متعارف کروایا۔

۲:۔آنچل کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں صرف معیاری کہانیاں ہی ہوتی ہیں۔سب ہی سلسلے مجھے بے حد پسند ہیں۔

۳:۔اس سوال کا جواب لکھتے ہوئے بیشتر واقعات میرے ذہن میں آئے۔جب میں ساتویں کلاس میں تھی تو مجھے ڈائجسٹ پڑھنے کی اجازت نہیں تھی۔میں آنٹی سے لے کر اور گھر سے چھپ کر آنچل پڑھتی تھی۔ایک دفعہ میں آنٹی کے گھر گئی اور جاتے ہی آنچل لے کر پڑھنے لگی۔تو اچانک میری امی نے دیکھ لیا اور پھر مجھے بہت ڈانٹ پڑی۔اس واقعے کے بعد میں جب بھی آنٹی کے گھر جاتی ہوں' وہ آنچل چھپا دیتی ہیں۔

۴:۔اقراء صغیر احمد میری پسندیدہ رائٹر ہیں اور میں ان کو اپنا دوست مانتی ہوں۔آنچل کے ذریعے اقراء آپ کو پیغام دینا چاہتی ہوں کہ میں آپ کی بہت بڑی (عمر میں بہت چھوٹی) پرستار ہوں۔آپ مجھے بہت پسند ہیں۔آپ میری شہزادی ہیں۔

۵:۔میں عفت سحر طاہر سے کہوں گی کہ جلدی سے اپنے نئے ناول کے ساتھ آنچل کی رونقیں مزید بڑھانے آجائیں۔اللہ آپ کو ڈھیروں خوشیاں عطا فرمائے۔آمین۔

شاکرہ بشیر..... قلعہ کلار والا نارووال

ا:۔آنچل سے وابستگی میری پیاری دوست راحیلہ کی وجہ سے ہوئی اور ایسی ہوئی کہ اب آنچل چھوڑنے کو دل ہی نہیں چاہتا ہے۔

۲:۔آنچل کی سب سے اچھی خوبی یہ ہے کہ یہ ہر ماہ 26 تاریخ کو مل جاتا ہے۔حالانکہ پورے ایک ماہ بعد ملتا ہے پھر بھی یوں لگتا ہے کہ جیسے جلدی مل گیا۔یہ الگ بات ہے کہ 26 تک انتظار کرنا کتنا مشکل ہوتا ہے۔اس کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں سمیرا شریف طور اور عشنا کوثر لکھتی ہیں کیونکہ دیگر پرچوں میں یہ نہیں لکھتی ہیں۔

۳:۔خوش گوار یادیں تو بہت سی ہیں کیونکہ جب نیا نیا پڑھنا شروع کیا تھا تو ہم کالج میں ہوتے تھے تو کلاس کے دوران میں ٹیچر سے چھپا کر پڑھنا بہت مشکل ہوتا تھا لیکن ہم پھر بھی جیسے تیسے کر کے تھوڑا بہت پڑھتے ضرور تھے اور ایک بہت ہی خوش گوار واقعہ یہ ہے کہ ہماری شکایت کسی ہم جماعت نے لگا دی تھی کہ یہ چاروں یعنی میں' راحیلہ' صبا اور فرح کلاس کے دوران رسالہ پڑھتی ہیں اور مس نے آکر ہمارے بیگ کی تلاشی لی لیکن اچھا یہ ہوا کہ آنچل ہم نے پہلے ہی چھپا دیا تھا۔

۴:۔میری سب سے اچھی اور پیاری دوست راحیلہ عنایت اس کو میں یہ پیغام دینا چاہوں گی کہ میں اس سے بہت زیادہ پیار کرتی ہوں اور بہت زیادہ یاد کرتی ہوں۔اس لیے اتنے اتنے دن تک غائب نہ رہا کریں۔میرا دل اداس ہو جاتا ہے۔

۵:۔میری پسندیدہ رائٹرز سمیرا اور عشنا آپی ہیں۔یہ آنچل کی شان ہیں۔سمیرا آپی سے کہنا چاہوں گی کہ آپ پلیز قلم سے رشتہ مت توڑیے گا اور عشنا آپی! آپ بہت خوب صورت لکھتی ہیں۔آپ کے الفاظ واقعی میں کسی الگ دنیا میں لے جاتے ہیں جہاں پیار ہے۔نہ کوئی جھگڑا' نہ کوئی غم' نہ مہنگائی' نہ لوڈ شیڈنگ اور میں شہناز راجپوت کی بات سے اتفاق کرتی ہوں کہ سوذہن مرے ہوں گے۔جب آپ نے اس دنیا کو رونق بخشی ہوگی۔آخر میں یہ دعا ہے اللہ آنچل کو ترقی دے اور میری بہت اچھی پیاری خوب صورت دوست فرح ناہید کا شکریہ جو میرے الفاظ آپ تک پہنچائے گی میل کے ذریعے۔کیونکہ ہمارے گاؤں میں نیٹ نہیں ہے۔خوش رہیں۔اللہ حافظ۔

تانیہ تنزیل..... حافظ آباد

ا:۔میری آنچل سے وابستگی اچانک مئی 2007ء میں ہوئی جب میں بازار سے گزر رہی تھی کہ اچانک میری نظر بک شاپ پر رکھے ہوئے آنچل پر پڑی اور میں نے فوراً ہی اس کو خرید کر گھر لے آئی اور پانچ سال سے یہ وابستگی اسی طرح قائم ہے۔

۲:۔میں جس تحریر سے بہت متاثر ہوئی ہوں' وہ سلسلے وار ناول ''دشتِ آرزو'' ہے۔مصنفہ نے اس کہانی میں حقیقت کے رنگ بھر دیے ہیں۔

۳:۔ایک دفعہ میں جب آنچل کو اپنی نصابی کتاب کے اندر رکھ کر پڑھ رہی تھی کہ اچانک میری امی نے آ کر کہا کہ میں اتنی بے وقوف نہیں ہوں کہ مجھے یہ بھی پتا نہ چلے کہ میری اولاد کیا پڑھ رہی ہے مگر پھر کبھی امی نے نہیں روکا اور تب سے اسے اپنی امی کے سامنے ہی بیٹھ کر پڑھتی ہوں۔

۴:۔ایسی کوئی دوست نہیں جو آنچل کے توسط ملی ہو لیکن ہاں۔میں سمیرا شریف' سعدیہ اہل کاشف اور نازیہ کنول نازی سے دوستی کرنا چاہتی ہوں۔

۵:۔جی ہاں! میں سمیرا شریف طور کو بیسٹ آف لک کہنا چاہتی ہوں تاکہ وہ آئندہ بھی بہترین کہانیاں لکھ سکیں۔

ساجدہ زید..... ویروالا چیمہ

ا:۔تقریباً ڈیڑھ سال پہلے آنچل سے وابستگی ہوئی اور کیسے ہوئی.....؟ طالبہ سے کلاس میں آنچل چھینا (جی ہاں مابدولت گورنمنٹ ملازم یعنی کہ ٹیچر ہیں) اس کو خوب ڈانٹا اور خود گھر آ کر پڑھنا شروع کیا۔پورا آنچل پڑھا اور پھر تو یہ تھا کہ اگلے ماہ سے باقاعدگی سے خریدنا شروع کر دیا اور اب تک یہ سلسلہ جاری ہے۔

۲:۔خوبی تو اس کی سب سے بڑی یہ ہے کہ 27 تاریخ سے بھی پہلے مارکیٹ سے مل جاتا ہے۔جب کہ باقی ڈائجسٹ کے لیے کتنے ہی چکر لگانے پڑتے ہیں۔سلسلہ جس نے زیادہ متاثر کیا' وہ ہے۔ ''بیاض دل'' اور ''آپ کی پسند'' شعر و شاعری سے چونکہ زیادہ لگاؤ ہے' اسی لیے یہ دونوں سلسلے آنچل میں میری پسندیدگی کا سبب بنتے ہیں۔

۳:۔مجھے تو تقریباً ڈیڑھ سال ہوا ہے اس سے وابستہ ہوئے اور تقریباً ہر ماہ یہی ہوتا ہے کہ چھینا

چھپٹی ہوتی ہے پڑھنے کے لیے چونکہ یہ رسالہ سب سے پہلے آ جاتا ہے تو ہر ایک کی یہی خواہش ہوتی ہے کہ وہ سب سے پہلے پڑھے۔ ابھی مارچ کی بات ہے 27 یا 28 تاریخ تھی۔ مارکیٹ کا چکر لگایا۔ آنچل خریدا اور بڑی خوشی خوشی واپسی ہوئی کہ جا کر سارا پڑھ کے پھر دوسرے لوگوں کو بتانا ہے کہ آنچل آ گیا ہے۔ جب گھر آ کر سامان کھولا تو آنچل غائب۔ سارے تھیلے دیکھ ڈالے لیکن ناجی! کہیں نہ ملا۔ تحقیق پر پتا چلا کہ آنچل صاحب نے چاند گاڑی سے اترنے سے انکار کر دیا تھا اور وہ چاند گاڑی والا بھی اجنبی تھا پھر تو سوائے صبر کے کوئی چارہ نہ تھا اور پھر چار پانچ دن کے انتظار کے بعد دوبارہ خرید کر اپنی باری آنے پر ہی پڑھا۔

۴۔ ایسی تو کوئی دوست ابھی نہیں ملی کیونکہ میں نے پہلے ہی کہا ہے کہ مجھے تھوڑا ہی عرصہ ہوا ہے اس کی مستقل قاری بنے ہوئے۔ ہاں البتہ کوئی دوستی کرنا چاہتی ہو تو خوش آمدید! دل و جان سے حاضر ہوں۔

۵۔ میں کہانیاں زیادہ نہیں پڑھتی اور دوسرے یہ کہ کبھی کسی خاص رائٹر کو پیش نظر رکھ کر نہیں پڑھا۔ سب رائٹرز ہی اچھا لکھتی ہیں اسی لیے تو ان کی کہانیاں آنچل میں جگہ حاصل کرتی ہیں۔ تمام رائٹرز کے لیے دعا ہے کہ خدا ان کے ہاتھ اور قلم میں اور زیادہ طاقت و برکت دے اور وہ اسی طرح معیاری ادب تخلیق کرتی رہیں۔ بے شک یہ تمام رائٹرز ہمارے معاشرے کا گراں قدر سرمایہ ہیں۔

امن.....گجرات

۱۔ آنچل سے وابستگی میری اس وقت ہوئی جب "اور کچھ خواب" شروع ہوا تھا اور اب تک قائم ہے۔

۲۔ دوستوں کے نام خط مجھے بہت پسند ہے کیونکہ اس میں دوستیں اپنی یادیں سب سے شیئر کرتی ہیں۔

۳۔ جب پہلی بار میں نے آنچل منگوایا تھا تو وہ میری آپی کا سسرال تھا' انہوں نے کہا تم اتنے رسالے پڑھنے کے بجائے اچھی کتابیں پڑھو لیکن میں نے مسکرا کر ان کا سوال ٹال دیا لیکن اب وہ میرا بھی سسرال بن گیا ہے اور وہ میری لائبریری آنچل سے بھری دیکھ کر ہنستے ہیں۔

۴۔ ایک نہیں بلکہ مجھے تو ڈھیر ساری دوستیں اس کے ذریعے ملی ہیں اور میں چاہتی ہوں کہ وہ سب مجھے بھی اپنی دوست بنالیں۔

۵۔ میری پسندیدہ رائٹر عشنا کوثر ہیں ان کے لیے بس یہ شعر۔

زیاں میں بھی ہے فائدہ کچھ نہ کچھ
تمہیں مل کر رہے گا صلہ کچھ نہ کچھ
ہر اک بات میں ہے گہرائی کچھ نہ کچھ
کبھی تو ہمیں لگے گا پتا کچھ نہ کچھ

کیے جاؤ کوشش "اور کچھ خواب" پر میری دوست۔
اللہ حافظ۔

رابعہ اکرم.....فیصل آباد

۱۔ چار سال پہلے میں ایک دن بور ہو رہی تھی تو چھوٹے بھائی کو کہا کہ کوئی رسالہ لا دو۔ اس وقت تک میں آنچل سے واقف نہ تھی۔ بھائی گیا اور آنچل لے آیا میں نے کہا یہ کون سا رسالہ لے آئے۔ خیر آنچل پڑھنا شروع کیا۔ پھر شاید نازی کی کوئی کہانی تھی' نام یاد نہیں لیکن اتنی پسند آئی کہ اس کا اگلا حصہ اگلے ماہ کے آنچل میں آنا تھا مگر اس ماہ نہ آیا پھر 3 ماہ وہ بقیہ حصہ شائع ہوا اور وہ دن اور آج کا دن ایک بھی رسالہ آنچل کا مس نہیں ہوا۔

۲۔ آنچل کے معیار نے متاثر کیا اور اجازت مل گئی کوئی پابندی نہ لگی آنچل پڑھنے پر۔

۳۔ کوئی خاص تو نہیں ہاں مگر جب اکثر کوئی لڑکی یا عورت پوچھے آپ آنچل والی رابعہ اکرم ہو تو مجھے خوشی ہوتی ہے اس پہچان پر۔

۴۔ ہاں ملی تو بہت سی دوست ہیں مگر سب سے بڑھ کر میری پیاری دوست انجم بلال اور عائشہ ملک۔ یہ دونوں لڑکیاں بہت پیار کرتی ہیں مجھ سے۔ عائشہ تو خود کو میری پرستار کہتی ہے۔ دعا ہے میری دوستو! تم سب ہمیشہ خوش رہو آمین۔

۵۔ پسندیدہ رائٹرز تو سب ہی ہیں۔ کسی ایک کا نام لوں تو دوسری سے زیادتی ہوگی۔ میں سب سے کہنا چاہتی ہوں پلیز بڑی بڑی قسط لکھا کریں۔

شگفتہ خان.....بھلوال

۱۔ 1996ء میں کراچی گئے وہاں پر آنچل ملا جس میں "بہاروں کے سنگ سنگ" پڑھا اور بس ایسے دل میں اترا کہ وہ دن ہے اور آج کا دن ہے یہ تعلق گہرے سے گہرا ہوتا جا رہا ہے۔

۲۔ آنچل کا ہر سلسلہ قابل تعریف ہے اور خوبیاں ان گنت ہیں آنچل ایک ایسا دوست ہے جو دکھ سکھ یا مصیبت میں ہر لحظہ آپ کے ساتھ ہوتا ہے اور ہر رشتہ نبھاتا ہے کبھی بہن' کبھی بھائی' کبھی ماں' کبھی باپ اور کبھی ہمدرد اور غم گسار۔

۳۔ آنچل کی ہر خوب صورت تحریر میرے لیے ایک خوش گوار یاد ہی ہے اور مجھے آنچل پڑھنے سے نہ کوئی روکتا ہے اور نہ ہی منع کرتا ہے۔ واقعہ ایسا کوئی نہیں ہے سوائے اس کے کہ آنچل میں میرا نام میری شاعری آنے لگی۔

۴۔ بہت سی دوستیں آنچل کے توسط سے ملی ہیں۔ میں نازیہ کنول نازی' امیمہ' سمعیہ مریم' نوشین اقبال' بشریٰ باجوہ' سدرہ اسلم' عطرو بہ سکندر' دعا' غزالہ ہادیہ' سحر' نادیہ جہانگیر' سائرہ شازیہ اور چندا امثال اور یہ میرے پاس ہیں اور خدا کرے ہمیشہ رہیں اور پکاروں گی ان کو جو میرے پاس نہیں ہیں۔ مطلب باقی آنچل فرینڈز کو اپنے اس حلقۂ احباب میں شامل کرنا چاہوں گی۔ اگر وہ چاہیں تو۔

۵۔ سب رائٹرز بہت اچھا لکھتی ہیں بس اتنا کہنا ہے کہ کسی کو مارا مت کریں جو کردار ہمارے درمیان رہتے ہیں ان کا مرنا بہت تکلیف دیتا ہے اور زندگی میں پہلے ہی بہت دکھ ہیں اس دوست کو تو صرف خوشی دینے والا بنا رہنے دیں پلیز۔

تصویر الیقین.....اوکاڑہ

۱۔ اس سوال کا جواب تھوڑا مشکل ہے کیونکہ میں نے آنچل کو شروع سے اپنے گھر آتے دیکھا ہے۔ ہاں یہ ضرور بتا سکتی ہوں کہ آنچل میں پہلی کہانی جو پڑھی تھی وہ آسیہ مرزا کی "اے جنوں وحشت ہے کہ منزل ہے" کی دوسری قسط تھی۔

۲۔ ویسے تو آنچل کی ہزاروں خوبیاں ہیں جو بیان کی جا سکتی ہیں لیکن نمبر ون یہ کہ آنچل ایک فیملی میگزین ہے۔ اسے گھر کا تقریباً ہر فرد ہی پڑھ سکتا ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ تفریح کا اچھا ذریعہ ہے جو ہمیں گھر بیٹھ کر حاصل ہوتی ہے اور اس کی کہانیاں سب سے اچھی ہوتی ہیں خصوصاً قسط وار ناولز۔

۳۔ جب آنچل میں پہلا خط شائع ہوا کیونکہ آنچل ہی وہ رسالہ ہے جس میں' میں نے پہلی دفعہ پہلی بار خط لکھا تھا۔ وہ خوشی میرے ایک حیرت انگیز چیز تھی اور اب میں روانی سے کسی بھی ڈائجسٹ کے لیے خط لکھ سکتی ہوں تو اس تعریف کا مستحق آنچل ہی ہے۔

۴۔ یہ سوال واقعی میں مزے دار ہے کیونکہ میرے ساتھ ایسا ہو چکا ہے۔ جب میں نے میٹرک کے بعد کالج میں داخلہ لیا تو اقصیٰ میری

دوست بن گئی۔ مجھے بہت خوشی ہوئی پھر ہماری دوستی مضبوط ہوگئی۔ اب اگر وہ مجھے نہ ملے یا ٹیلی فون نمبر تبدیل کرے تو میں اسے آنچل کے ذریعے ہی بات کرتی ہوں۔

۵:۔ میں اپنی پسندیدہ رائٹرز عفت سحر طاہر' اقراٗ صغیر احمد' آسیہ مرزا سے یہی گزارش کرنا چاہتی ہوں کہ میں آپ لوگوں سے بے انتہا محبت کرتی ہوں۔ آپ لوگ ہمیشہ میری دعاؤں میں شامل رہتی ہیں۔ پلیز اب اپنی غیر حاضری کو ختم کریں اور ایک اچھے اور نئے ناول کے ساتھ آنچل میں شریک ہوں۔ میں شدت سے منتظر ہوں۔ اقراٗ آپی! آپ نے تو اپنی غیر حاضری کو ختم کردیا' میں دل سے شکر گزار ہوں اس کی اور میں آپ کو بتانا چاہتی ہوں کہ جتنی محبت میں آپ سے کرتی ہوں کوئی نہیں کرسکتا۔ پلیز میں آپ سے دوستی اور بات کرنا چاہتی ہوں اور پلیز آپ اتنی دیر تک غیر حاضر مت رہا کریں۔ خدا تمام رائٹرز کو ہمیشہ خوش اور آباد رکھے۔ آمین۔

سعدیہ نعیم......خانیوال

ا:۔ آنچل سے وابستگی تقریباً آٹھ سال پہلے اپنی پھوپو کے ساتھ ان کی کولیگ کے گھر گئی تھی۔ وہاں پر ان کی بیٹی سے لے کر آنچل پڑھا اور آنچل آج تک ساتھ ہے اور خدا کرے ہمیشہ رہے۔

۲:۔ آنچل کی تحریر عفت سحر طاہر کا ''تیری الفت میں صنم'' میرا ابھی تک کا پسندیدہ ناول ہے۔

۳:۔ آنچل سے وابستہ خوش گوار یاد یہ کہ دو سال پہلے انگلینڈ سے میری پھوپو آئی ہوئی تھیں' میں صوفے پر بیٹھ کر آنچل پڑھ رہی تھی۔ ان کا بیٹا عقیب پاس بیٹھ گیا۔ میں کسی کام سے اٹھی اور آنچل کو صوفے پر رکھ دیا۔ عقیب کے وزن سے صوفے کا توازن خراب ہوا اور آنچل اس کے اندر دھنس گیا اور میں پریشان آنچل کو زمین نگل گئی یا آسمان کھا گیا۔ تقریباً 4 ماہ بعد آنچل کا سراغ لگا۔ یہ واقعہ آج بھی مزا دیتا ہے۔

۴:۔ میری دوستیں ریحانہ یاسمین' روحی تبسم اور ریحانہ اقبال' عظمت کمال۔ ہم ہمیشہ کالج میں اکٹھے آنچل پڑھتے تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ خریدتی ہمیشہ تھی۔

۵:۔ ''سمیرا شریف طور'' اور ''عفت سحر طاہر'' میری پسندیدہ رائٹرز ہیں۔ ان دونوں کے لیے بہت سی نیک تمنائیں۔

نجم انجم......کراچی

ا:۔ آنچل سے وابستگی 1995ء میں ہوئی تھی۔ غلطی سے کزن آنچل لے کر آ گیا تو اس سے خوب لڑائی ہوئی تھی کہ پیسے ضائع کردیے مگر جب پڑھنا شروع کیا تو بس نہ پوچھو اس وقت سے اب تک آنچل ہی ہمارے گھر آتا ہے۔ سمجھو کہ آنچل کا مقام دل کے اندر ہے۔

۲:۔ آنچل ہر لحاظ سے اچھا ہے ''در جواب آں'' کی باجی ''فرحت آراء'' مرحومہ نے ہمیں بہت متاثر کیا ہے اور ''ہم سے پوچھیے'' بہت ہی زیادہ پسند ہے۔

۳:۔ آنچل کے ساتھ خوش گوار واقعہ یہ ہے کہ 1997ء میں ہم دونوں بہنیں آنچل پڑھتے پڑھتے لڑ پڑی تھیں کہ پہلے کہانی میں پڑھوں گی۔ باجی (جو کہ اب دنیا میں نہیں ہیں) کا کہنا تھا کہ آدھے پیسے میں نے دیے ہیں لہٰذا میں پڑھوں گی۔ اس بات پر جھگڑا بڑھ گیا اور آخر میں آنچل بے چارا ہم دونوں کے ہاتھوں تقسیم ہوگیا۔ یعنی آدھا میری طرف اور آدھا باجی کی طرف ہوگیا۔ اس کے بعد میں اپنا آنچل الگ لیتی تھی۔

۴:۔ آنچل کے توسط سے کوشش بہت کی' کئی

بہنوں کو پیغام بھی روانہ کیا مگر کسی نے اپنا دوست نہیں بنایا۔ افسوس!

۵:۔ پسندیدہ رائٹر نازیہ کنول نازی سے کہنا چاہوں گی کہ امامہ کو شجاع کی بیوی ہی رہنے دیں تو اچھا ہوگا۔ اپنے گھر کو ٹھوکر مار کر امامہ جارہی ہے۔ ارسلان اس کو دھوکا دے اور اس کے بعد واپس اسے شجاع کی بیوی بن کے رہنا پڑے تاکہ ہماری نئے انداز میں سوچنے والی لڑکیوں کو سبق ملے۔ اب اللہ حافظ۔

سدرہ اسلم......کھروڑپکا

ا:۔ آنچل سے وابستگی تب ہوئی تھی جب میں آٹھویں کلاس میں تھی۔ گھر میں عاشی آپی اور نازیہ آپی آنچل پڑھتی تھیں اور مجھے اجازت تھی کہ میں صرف سلسلے پڑھ سکتی ہوں۔ تو بس پھر پڑھتے پڑھتے میں نے کہانیاں پڑھنا بھی شروع کردیں۔

۲:۔ ''ہمارا آنچل'' اور ''دوست کا پیغام آئے'' نے بہت متاثر کیا۔ کیونکہ میں نے آنچل کے علاوہ ایسا سلسلہ کسی اور رسالے میں نہیں دیکھا ہے۔

۳:۔ خوش گوار واقعہ ہے نا! جب ہم میٹرک میں تھے تو میں اور میری دوستیں بڑے مزے سے بیٹھی آنچل پڑھ رہی تھیں۔ ہمیں پتا بھی نہ لگا کہ کب پیریڈ کا وقت ہوا اور کب ٹیچر انجم کلاس میں آئیں حالانکہ پیچھے سے ہماری ہم جماعتیں ہمیں کہہ بھی رہی تھیں کہ مِس کلاس میں آچکی ہیں لیکن وہ ہم ہی کیا جن کو آنچل پڑھتے وقت کسی چیز کا ہوش رہے تو بس پھر کیا تھا' مِس انجم نے سب سے پہلے ہم سے آنچل لیا اور اس کے بعد خوب ''عزت افزائی'' کی لیکن ہم لوگ بھی ایک نمبر کی ڈھیٹ۔ اتنا کچھ ہونے کے بعد بھی پیریڈ کے درمیان کتاب میں آنچل رکھ کے پڑھنا نہ چھوڑا۔ آج بھی جب یہ واقعہ یاد آتا ہے تو بہت سی یادیں تازہ ہوجاتی ہیں۔

۴:۔ کسی ایک کا نام لکھنا ناانصافی ہوگی کیونکہ آنچل نے مجھے بہت سی دوستیں دی ہیں جو کہ مجھے اپنی جان سے بھی زیادہ پیاری ہیں۔ مئی کے آنچل میں سب دوستوں کے نام تو لکھ چکی ہوں خط میں لیکن فرح طاہر اور اُمید چوہدری کا نام لکھا تھا لیکن وہ چھپنے سے رہ گیا اس لیے یہاں لکھ رہی ہوں۔

۵:۔ پسندیدہ رائٹرز تو بے شمار ہیں۔ نازیہ کنول نازی! میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں اور آج جب میں نے اور ارم گل مہرہ نے آپ سے کانفرنس کال میں بات کی تو مجھے بہت مزا آیا یہ کال میرے لیے بہت یادگار رہے گی ہمیشہ! نادیہ جہانگیر! آپ تو میری جان ہیں لیکن نادیہ! شاید آپ اپنی سدرہ کو بھولتی جارہی ہیں۔ سمیرا شریف طور جی! کبھی تو میسج کا جواب دے دیا کریں۔

ظلِ ہما......فیصل آباد

ا:۔ پہلا سوال مجھے 2004ء میں لے گیا۔ جب میں نویں کلاس میں تھی اور کیمسٹری کے فارمولا کو یاد کر کرکے دماغ دُکھنے لگتا تھا۔ میں نے حفظ کیا ہے تو قرآن پاک سنانے نزدیکی مدرسے میں جاتی تھی۔ وہاں آپی زرش کے پاس آنچل دیکھا تو بوریت سے بچنے کے لیے پڑھنے لگی۔ آنچل سے وابستگی کا سبب ''صرف ایک بار'' جو کہ اریشہ غزل کا ناول تھا اور عفت جی کا ناول ''محبت دل پہ دستک'' بنے پھر اس کے بعد کبھی یہ رشتہ ٹوٹ نہ سکا۔

۲:۔ آنچل کی جس خوبی نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا وہ یہ ہے کہ آنچل میں نئے لکھاریوں کی بہت حوصلہ افزائی کی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ مجھے ''آپ کی شخصیت'' اور ''دوست کا پیغام آئے'' کے سلسلے بہت پسند ہیں کیونکہ اسی کے ذریعے مجھے ہادیہ اور

کرن شاہ جیسی دوستیں ملیں اور سمیعہ مریم جیسی بہن جسے لگتا ہے کہ میں کچھ لوگوں کے لیے بہت خیال رکھنے والی ہوں اور کچھ کے لیے بہت ہی بے پرواہ۔ آنچل کی ایک بہت بڑی خوبی فرحت آپا تھیں' جو اتنے پیار سے جواب دیتی تھیں کہ انسان خود کو خوش قسمت سمجھنے لگتا تھا۔

۳:۔ یہ سوال مجھے اس آنچل کی یاد دلا گیا ہے۔ جس میں "محبت دل پہ دستک" کی آخری قسط تھی۔ ہمارے اخبار والے انکل ساڑھے آٹھ بجے آتے تھے جبکہ میں آٹھ بجے کالج کے لیے نکل جایا کرتی تھی۔ اخبار والے نے آنچل پاپا کو دیا تو وہ یوں ہی ہاتھ میں لیے فیکٹری چلے گئے۔ ان کے آفس سے انکل اقبال لے گئے۔ اس دن کافی سارا روئی تھی میں۔ پھر اگلے دن نیا آنچل منگوالیا اور جب فروری 2008ء کے آنچل میں میرا تعارف چھپا تھا تو میری ہم جماعتوں نے پورے کالج میں یہ خبر پھیلا دی تھی اور دوستوں نے ٹریٹ لی تھی۔

۴:۔ آنچل کے ذریعے مجھے بے تحاشا دوستوں کا خلوص ملا۔ غزل' عطروبہ' چندا' حجاب' سائرہ مریم' سائرہ مشتاق' اریبہ شاہ' عفت قریشی' عائشہ ملک' رابعہ اکرم' فرح طاہر' سمیعہ مریم' سدرہ اسلم' نوشی ارم نوریہ سب دوست آنچل کی عنایت ہیں (کسی کا نام رہ گیا تو معذرت) آنچل کے ذریعے پکارنے کی بات ہو تو میں چند امثال کو پکاروں گی۔ چندا کہاں ہو؟ میں بہت پریشان ہوں تمہارے متعلق' اپنی خیریت کی اطلاع ہی دے ڈالو پلیز۔

۵:۔ سمیرا شریف طور اور عفت سحر یہ دونوں شروع سے میری پسندیدہ رائٹرز ہیں۔ اس کے علاوہ اقرأ صغیر بھی بہت اچھا لکھ لیتی ہیں۔ نازیہ کنول نے تو آنچل میں بہت زیادہ لکھا ہے۔ سمیرا جی آپ کی تمام تحریریں بہت زبردست رہیں۔ مجھے ایک بات کی سمجھ نہیں آئی' اتنا کچھ سمجھانے والی' سادہ سے لفظوں میں فلسفۂ زندگی بیان کردینے والی سمیرا کے لہجے میں اتنی تھکن کیوں ہے؟ "یہ چاہتیں یہ شدتیں" کے اختتام پر لکھا گیا آپ کا خط مجھے لگا جیسے رائٹرز نے بھی دوروپ رکھے ہوتے ہیں۔ تحریروں کے ذریعے دلوں کو باندھنے والی خود زندگی کی بساط پر تھکنے لگتی ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ نازیہ! مجھے آپ کے کردار بہت حد تک ایک جیسے لگتے ہیں۔ کچھ مختلف کریں ان کو۔ اقرأ جی امید ہے کہ آپ کا نیا ناول بھی "شہر چارہ گراں" اور "بہاروں کے سنگ سنگ" کی مانند زبردست ہوگا۔ سباس گل! کیسی ہیں آپ؟ آپ کی تحریروں کا بھی بے چینی سے انتظار رہتا ہے اور چاندنی کی اداسی آج بھی اداس کردیتی ہے۔ اللہ آپ سب کو ڈھیروں خوشیوں اور محبتوں سے نوازے۔ آمین۔ دعاؤں میں یاد رکھیے گا۔ اللہ حافظ۔

ثناء ارتج..... شرقپور شریف

۱:۔ وابستگی تو 2004ء میں اور ایسے مژگان محبت کہانی سے ہوئی۔ سچ اس نے بہت رلایا۔ تب سے اب تک میں آنچل ہر ماہ پڑھتی ہوں۔

۲:۔ آنچل کی سب سے بڑی خوبی تو یہ ہے کہ یہ بہت جلدی مل جاتا ہے۔ اس کے سلسلے وار ناول تو سب ہی بہترین ہوتے ہیں۔ آنچل میں "آپ کی صحت" بہت اچھا ہے۔ ہم بہت سی بیماریوں کا علاج گھر بیٹھے کرلیتے ہیں۔ آپ کی صحت پڑھ پڑھ کر میں آدھی ڈاکٹر بن گئی ہوں۔ حالانکہ میں آرٹس کی طالبہ ہوں اور غزلیں' نظمیں بھی بہت اچھا سلسلہ ہے۔ اس سے وہ شاعر جن کی شاعری کو گھر پڑے پڑے زنگ لگ جاتا ہے ان کی حوصلہ افزائی ہوتی ہے۔

۳:۔ میری ایک دوست مجھ سے آنچل مانگ کر لے گئی تھی لیکن اس بدتمیز نے مجھے واپس نہیں کیا۔ کیا بتاؤں اس شمارے کو کہاں کہاں نہیں ڈھونڈا۔ شرقپور کی کوئی دکان نہ چھوڑی لیکن اس نے نہ ملنا تھا نہ ملا۔ پھر میرا راولپنڈی جانا ہوا۔ وہاں کے بازار کھنگالے تب جاکر آنچل ملا۔ اب میں کسی کو بھی آنچل نہیں دیتی۔ میرے پاس 2004ء سے لے کر اب تک آنچل کے سارے شمارے ہیں۔ یہ کوئی خوش گوار واقعہ تو نہیں ہے لیکن واقعہ تو ہے نا۔ یاد بھی سمجھ لیں۔

۴:۔ دوست تو کوئی نہیں ملی لیکن آنچل ہی دوست بن گیا اور اب تک ہے۔ دوسری بار اس دوست سے بات کررہی ہوں۔

۵:۔ عشنا جی' اقرأ صغیر احمد' نازیہ کنول ان کے تو کیا ہی کہنے ہیں۔ ان سے کہنا تو بہت کچھ ہے لیکن ملتے تو ہی اچھا تھا۔ میں یہ کہنا چاہتی ہوں کہ آپ سب ہمیشہ اچھا لکھتی رہیں اور ہم پڑھنے والوں سے تعریفوں کے ٹوکرے سمیٹتی رہیں۔ آپ اپنے گھروں میں ہمیشہ خوش رہیں۔ اللہ آپ کے ہر خواب ہر خواہش کو پورا کرے اور زندگی کے دکھوں سے بچائے آمین۔ معافی چاہتی ہوں مجھے اچھی اور خوب صورت باتیں نہیں آتی۔

جس بھی فنکار کے شاہکار ہو تم
اس نے صدیوں تمہیں سوچا ہوگا

آنچل کے ہمراہ

۱) گزشتہ 64 برسوں میں آپ کیا سمجھتی ہیں ہم نے آزادی سے کیا پایا' کیا کھویا؟
۲) آج پاکستان کو جو مسائل درپیش ہیں' آپ کی نظر میں اُس کا سب سے بڑا ذمہ دار کون ہے؟
۳) آپ کی رائے میں وہ کیا چیز ہے جس سے ملکی ترقی اور خوشحالی کو فروغ دیا جاسکے؟
۴) پاکستان کے لیے کچھ کرنے کا موقع ملے تو کیا کرنا چاہیں گی؟
۵) پیارے وطن پاکستان سے دلی جذبات کے اظہار کا موقع ملے تو کن الفاظ میں اظہار کریں گی۔

آپ ان سوالات کے جوابات 10 جولائی تک بذریعہ ڈاک یا ای میل ارسال کرسکتی ہیں۔

ادارہ

تم ملے بعد آئے دیر سے

تہمینہ وسیم

ماحول کی تپش کا تقاضہ ہے بس یہی
سائے کو دیکھ' یوں نہ تناور شجر کو دیکھ
ہاں یہ ضروری شرط ہے منزل کے واسطے
راہِ سفر نہ دیکھ' شریک سفر کو دیکھ

"وہ دیکھو' وہ اس کے پیچھے ہے۔ وہ اسے مارے گا' وہ بہت خوفناک ہے۔ ارے ارے..... یہ لڑکی کیوں اس کی طرف جارہی ہے۔ یہ تو گئی کام سے..... وہ اسے ماردے گا۔ دیکھو..... مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ اسے بند کردو۔" زوناب نے تکیہ سینے پر رکھ کر اس میں منہ چھپاتے ہوئے کہا۔ عمر اور عمیر' زوناب کے اسی قسم کے جملے جب سے انہوں نے ہارر فلم لگائی تھی' اس وقت سے سن رہے تھے۔ زوناب کو ان کی آنٹی ہونے کا شرف حاصل تھا اس لیے بے چارے خاموشی سے سن رہے تھے۔ زوناب کو اس طرح تکیے میں منہ چھپاتا دیکھ کر دونوں بھائیوں کو شرارت سوجھی اور جب سین میں بھوت لڑکی پر جھپٹنے والا تھا' عین اسی وقت عمر نے بڑی سنجیدگی سے کہا۔

"آنٹی! لڑکی بچ گئی۔ وہ دیکھیں' وہ بھاگ رہی ہے۔" زوناب نے جیسے ہی ٹی وی اسکرین کی طرف دیکھا تو خوف سے اس کی چیخ نکل گئی کیونکہ بھوت لڑکی پر جھپٹ چکا تھا اور اب اسکرین پر اس کا چہرہ بڑے قریب سے دکھایا جارہا تھا۔ زوناب ایک مرتبہ پھر چیخ پڑی جبکہ عمر اور عمیر' زوناب کے اس طرح ڈرنے پر قہقہہ لگا رہے تھے۔ دادی جان جو اپنے کمرے میں مصلّے پر بیٹھی وظیفہ پڑھ رہی تھیں' زوناب کی چیخ سنتے ہی اس کے کمرے کی طرف لپکیں۔ رابعہ بیگم (زوناب کی امی) بھی زوناب کی چیخ سن کر اس طرف دوڑیں۔ عمر اور عمیر نے ان لوگوں کے کمرے میں پہنچنے سے پہلے ہی ٹی وی بند کردیا تھا اور نہایت شرافت کا مظاہرہ کرتے ہوئے دونوں ایک طرف کھڑے ہوگئے تھے۔

"کیا ہوا زوناب! کیوں چیخ رہی ہو؟" دادی جان نے فکرمندی سے پوچھا۔ جواب میں وہ عمر اور عمیر کو غصے سے گھور رہی تھی۔ زوناب کی امی بھی وہاں پہنچ چکی تھیں۔

"دادی جان! مجھ سے کیا پوچھ رہی ہیں۔ ان سے پوچھیں۔ ایک تو بغیر بتائے اتنی خوف ناک فلم لے آئے اور زبردستی مجھے بھی اپنے ساتھ بٹھا کر دکھانے لگے۔ میں کب سے کہہ رہی ہوں' مجھے ڈر لگ رہا ہے۔ بجائے اس کے کہ فلم بند کریں' یہ دونوں مجھے بھوت کی شکل دکھا رہے ہیں' اب ایسے میں چیخ تو نکلے گی۔" زوناب نے ساری بات عمر اور عمیر پر ڈالتے

ہوئے کہا۔
”جب اتنا ہی چھوٹا دل ہے تو کیا ضرورت ہے اتنی خوفناک فلم دیکھنے کی؟ اب انہوں نے تمہیں رسی سے باندھ کر تو بٹھایا نہیں ہوگا۔ ضرور تمہاری مرضی بھی ہوگی۔“ دادی جان نے اسے ڈانٹا۔
”نہیں دادی جان! وہ...... میں تو بس ایسے ہی ان کے ساتھ بیٹھ گئی تھی۔“ زوناب نے اپنا سر کھجاتے ہوئے کہا۔
”اور تم دونوں، یہ تمہاری کوئی عمر ہے اتنی خوفناک فلمیں دیکھنے کی؟“ دادی جان کے کہنے پر دونوں ہی بھائی اپنا اوپر سے نیچے تک جائزہ لینے لگے۔ ماشاء اللہ دونوں ہی دس سال کے تھے۔ دادی جان کی یہ بات ان کی سمجھ سے باہر تھی۔
”سوری اماں بی، لیکن ہمارا خیال تھا کہ ہماری یہی عمر ہے ایسی فلم دیکھنے کی۔ اب آپ کی عمر میں تو ہم فلم دیکھتے اچھے نہیں لگیں گے اور ویسے بھی میں نے سنا ہے اس عمر میں دل بہت کمزور ہو جاتا ہے۔ کہیں ہمیں خوف کے مارے ہارٹ اٹیک ہو گیا تو......؟“ عمیر نے اپنے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے معصومیت سے کہا۔
”تو یہ ہے، ان بچوں سے تو کوئی نہیں جیت سکتا۔ امریکا کے آزاد ماحول نے ان کا ستیاناس کر کے رکھ دیا ہے۔“ دادی جان ہمیشہ سے جو راگ الاپتی آرہی تھیں اب بھی وہی الاپ رہی تھیں۔
”اور زوناب! تم سے میں نے کتنی بار کہا ہے یہ اپنی اوٹ پٹانگ حرکتیں بند کرو اور کچھ گھر داری کے کام سیکھو۔ یہ آگے تمہارے کام آئیں گے لیکن تمہارے کانوں پر تو جوں تک نہیں رینگتی۔ شادی کے لیے تم راضی نہیں ہو۔ کوئی لڑکا تمہیں پسند ہی نہیں آتا۔ ہر لڑکے میں تمہیں کیڑے نظر آتے ہیں۔ اب کیا کوئی آسمان سے شہزادہ اتر کر آئے گا تمہارے لیے؟“ دادی جان گھوم پھر کر پھر اس کی شادی پر آ گئی تھیں اور شادی کے ذکر سے زوناب چڑ سی جاتی تھی۔ اس نے بے بسی سے ماں کی طرف دیکھا۔ آخر لاڈلی جو ٹھہری ماں باپ کی...... بیٹی کی بے بسی دیکھ کر رابعہ بیگم سے رہا نہ گیا۔
”ارے اماں جان! آپ کیوں اتنی فکر کرتی ہیں۔ ابھی کون سی اس کی عمر نکلی جا رہی ہے۔ شادی بھی ہو جائے گی۔“ رابعہ بیگم انہیں بہلاتی ہوئی کمرے سے لے گئی تھیں اور زوناب ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے بیڈ پر ڈھے سی گئی تھی۔
”ویسے ڈیئر آنٹی! اماں بی ٹھیک ہی تو کہہ رہی ہیں۔ آخر آپ کو کس آسمانی مخلوق کا انتظار ہے؟“ عمر نے اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے شرارت سے کہا۔
”مجھے کسی آسمانی مخلوق کا انتظار نہیں ہے۔“ زوناب نے تپ کر جواب دیا۔
”ارادے تو یہی بتا رہے ہیں۔“ عمیر بھی کہاں پیچھے رہنے والا تھا، جھٹ بول پڑا۔
”یہ تم دونوں میرے پیچھے کیوں پڑ گئے ہو اور ویسے بھی تم دونوں ان باتوں کے لیے چھوٹے ہو۔“ زوناب نے ڈانٹ کر کہا۔
”جسے دیکھو وہی ہمیں چھوٹا کہہ کر دبا دیتا ہے۔ چل یار عمر، ہماری تو کوئی حیثیت ہی نہیں ہے۔“ عمر، عمیر کے گلے میں ہاتھ ڈالے منہ بنا کر کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

✣⌘❖✣⌘❖

سعود زیدی، نور جہاں بیگم کے اکلوتے بیٹے تھے۔ ان کی پیدائش کے چند سالوں بعد ہی ان کے والد کامران زیدی کا انتقال ہو گیا تھا۔ کامران زیدی اپنا چلتا ہوا بزنس چھوڑ کر گئے تھے۔ ان حالات میں نور جہاں بیگم کے بھائیوں نے ان کا ساتھ دیا اور ان کا بزنس سنبھال لیا۔ سعود زیدی نے اپنی پڑھائی مکمل ہوتے ہی اپنے والد کا بزنس سنبھال لیا تھا۔ نور جہاں بیگم کو اب اپنے بیٹے کی شادی کی فکر تھی اس لیے وہ ان کے لیے کسی اچھی لڑکی کی تلاش میں جت گئیں اور آخر کار ان کی کوشش رنگ لائی اور رابعہ بیگم ”آشیانہ نور جہاں“ میں بہار بن کر آ گئیں۔ رابعہ بیگم زیادہ اونچے گھرانے کی نہیں تھیں۔ ان کے والد وکیل تھے۔ والدہ حیات نہیں تھیں اس لیے انہوں نے کبھی اپنی ساس کو ساس نہیں سمجھا، ہمیشہ ماں سمجھا۔ بدلے میں وہ بھی نور جہاں بیگم کی آنکھ کا تارا بن گئیں۔ رابعہ بیگم کی ایک ہی بہن تھیں، عذرا۔ وہ بھی شادی شدہ تھیں۔ شادی کے تین سال بعد اللہ نے رابعہ بیگم کو بیٹے جیسی نعمت سے نوازا جس کا نام انہوں نے نعمان رکھا۔ نعمان کی پیدائش کو دس سال کا عرصہ گزر چکا تھا لیکن اب تک ان کی کوئی دوسری اولاد نہ ہو پائی تھی۔ کبھی کبھی رابعہ بیگم بہت اداس ہو جایا کرتی تھیں کہ اللہ نے ان کی قسمت میں صرف ایک ہی اولاد لکھی ہے لیکن نور جہاں بیگم انہیں ہمیشہ اپنی مثال دے کر سمجھاتیں تاکہ ان کا دکھ کچھ کم ہو جائے لیکن سب کچھ بے سود ثابت ہوتا تھا۔ آخر اللہ نے رابعہ بیگم کی سن ہی لی اور وہ ایک بار پھر امید سے ہو گئیں۔
اور ایک دن انہوں نے ایک بچی کو جنم دیا جس کا زوناب نام رکھا گیا اور سعود اور رابعہ جلد ہی بچی کو اپنے ساتھ گھر لے آئے۔ زوناب گھر میں کیا آئی گویا چمن میں بہار آ گئی تھی۔ وقت گزرتا گیا۔ سعود اور رابعہ اس کے لاڈ اٹھاتے نہیں تھکتے تھے۔ نعمان کی تو گویا جان تھی زوناب۔ البتہ زوناب کی دادی ان کے اتنے لاڈ اٹھانے پر تھوڑا احتجاج کرتی تھیں۔ ان کا کہنا تھا کہ ”لڑکیوں کو اتنا لاڈ پیار نہیں کرنا چاہیے اور نہ ہی ان کی اتنی بے جا ضدیں پوری کرنی چاہئیں۔ لڑکی تو پرایا دھن ہوتی ہے۔ ابھی تو تم لوگ اس کے اتنے ناز نخرے اٹھا رہے ہو لیکن اگر خدانخواستہ سسرال میں اس کے یہ ناز نخرے نہ اٹھائے گئے تو وہ سسرال چھوڑ کر گھر آ بیٹھے گی۔“
ان کا کہنا بھی ٹھیک تھا لیکن سعود زیدی ہمیشہ اپنی ماں کو یہ کہہ کر چپ کرا دیتے کہ ”اماں جان! جب تک زوناب ہمارے پاس ہے بس اس وقت تک ہی ہم اس کے ناز نخرے اٹھا سکتے ہیں۔ اس کے بعد تو اسے اپنے سسرال چلے ہی جانا ہے۔ پھر اس پر ہمارا اتنا حق تھوڑی ہوگا جتنا اس کے سسرال والوں کا ہوگا۔“ اور نور جہاں بیگم ہمیشہ یہ کہہ کر رہ جاتیں کہ ”اس گھر کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے۔“ اور سعود زیدی مسکرا کر رہ جاتے۔
وقت تیزی سے پر لگا کر اڑتا رہا۔ سعود زیدی نے نعمان کو اعلیٰ تعلیم کے لیے امریکا بھیج دیا تھا۔ اس لیے اس کے حصے کی بھی ساری توجہ زوناب کے حصے میں آ گئی تھی۔ نعمان نے وہیں تعلیم حاصل کی اور اپنا بزنس بھی وہیں سیٹ کر لیا۔ رابعہ بیگم اور ان کی ساس نے نعمان کے امریکا میں بزنس کرنے پر احتجاج کیا تھا لیکن نعمان نے انہیں اپنی محبت سے منا لیا تھا لیکن رابعہ بیگم اور ان کی ساس نے یہ شرط رکھی کہ وہ اکیلے امریکا نہیں جائے گا بلکہ اس کی بیوی بھی اس کے ساتھ جائے گی۔ ماں اور دادی کی اس خواہش پر نعمان نے سر تسلیم خم کیا اور اس طرح فریحہ ان کی زندگی میں شامل ہو گئیں۔ شادی کے ایک سال بعد ہی فریحہ نے دو جڑواں بیٹوں کو جنم دیا جن کا نام انہوں نے عمر اور عمیر رکھا۔ نعمان اور فریحہ ہر سال اپنے بچوں کو لے کر پاکستان آتے تھے لیکن اس دفعہ عمر اور عمیر اکیلے ہی پاکستان چلے آئے تھے۔ نعمان بزنس پرابلم کی وجہ سے ان کے ساتھ نہیں آئے تھے لہٰذا فریحہ کو بھی نعمان

کے پاس ہی رکنا پڑا تھا۔

✤⌘+✤⌘+

"آنٹی! آپ فری شو دیکھنے کے چکر میں ہمارا جلوس کیوں نکال رہی ہیں؟ پچھلے پون گھنٹے سے ہم اسی طرح سیڑھی پکڑے کھڑے ہیں۔ خدارا اب تو نیچے اتر آیئے۔ کسی کے گھر میں یوں تاک جھانک کرنا اچھی بات نہیں ہے۔" عمیر نے دبی دبی آواز میں احتجاج کیا۔ زوناب جو اپنے برابر والی کوٹھی میں ہونے والی ساس بہو کے جھگڑے سے لطف اندوز ہورہی تھی' اس کی باتوں کو نظر انداز کیے اب بھی بڑی دلچسپی سے ان ساس بہو کی لڑائی سن رہی تھی۔

"آنٹی! آپ ہمیں لان میں کرکٹ کھیلنے کا لالچ دے کر لائی تھیں اور اب خود فری شو دیکھنے کھڑی ہوگئی ہیں۔ ہم اندر جارہے ہیں۔" اب کی بار عمر نے بہت زوردار احتجاج کیا تھا۔

"اے چپ چاپ سیڑھی پکڑے یہیں کھڑے رہو۔ خبردار جو کہیں گئے۔" زوناب نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا تو وہ دونوں معصوم سی صورتیں بنا کر وہیں کھڑے ہوگئے۔ زوناب ان ساس بہو کی لڑائی سنتی بھی جارہی تھی اور ساتھ میں تبصرے بھی کرتی جارہی تھی۔

"زوناب بی بی' آپ سیڑھی پر کھڑی کیا کررہی ہیں؟" بدر نے اچانک وہاں پہنچ کر چیخ کر پوچھا تو زوناب سیڑھی سے گرتے گرتے بچی۔

"میں بہری نہیں ہوں جو اتنا گلا پھاڑ پھاڑ کر چلا رہے ہو۔ جب دیکھو کسی بھٹکتی ہوئی بدروح کی طرح آٹپکتے ہو۔" زوناب نے سیڑھی سے اترتے ہوئے ناگواری سے منہ بنا کر کہا۔

زوناب' بدر کو اکثر بدروح کہہ کر ہی مخاطب کرتی تھی۔ اس کا صحیح نام وہ صرف دادی جان کے سامنے ہی لیتی تھی کیونکہ اس کا نام بگاڑنے پر اسے دادی جان سے جھاڑ پڑ جاتی تھی۔ بدر کافی سالوں سے "آشیانہ نور جہاں" میں ملازم تھا لیکن نور جہاں بیگم کے لیے وہ ملازموں سے بڑھ کر تھا۔ بدر کا آگے پیچھے کوئی نہیں تھا اس لیے دادی جان نے اسے اپنے پاس ملازم رکھ لیا تھا۔ بدر کو دیکھ کر زوناب سیڑھی سے نیچے اتر آئی تھی۔

"شکریہ بدر بھائی! جو کام ہم پون گھنٹے سے نہیں کرپائے وہ آپ کی بھیانک آواز نے ایک لمحہ میں کر دکھایا۔" عمر نے اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے کہا تو زوناب' عمر کو آنکھیں دکھانے لگی۔

"کیا بات ہے' کیوں چلا رہے تھے؟" زوناب فوراً ہی بدر کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

"آپ کو بڑی بیگم بلا رہی ہیں اور انہوں نے مجھ سے کہا ہے کہ آپ کو اپنے ساتھ ہی لے کر آؤں۔" انداز اہمیت جتانے والا تھا۔

"یہ چوکیداری کا عہدہ تمہیں دادی جان نے کب دیا؟" زوناب نے مصنوعی حیرانگی سے پوچھا۔

"میری فکر چھوڑیے اور اپنی فکر کیجیے۔" یہ کہتے ہوئے بدر نے آگے قدم بڑھا دیے تھے۔

"کیا مطلب؟" کچھ نہ سمجھتے ہوئے زوناب بھی اس کے پیچھے تیز قدموں سے چلنے لگی تھی۔

"مطلب یہ کہ پھر ایک رشتہ اور پھر ایک بے چارے کی شامت۔ بڑی بیگم کے ارادے تو یہی بتارہے ہیں کہ اس دفعہ وہ رشتہ کرا کے ہی دم لیں گی۔ خدا ان کو ان کے مقصد میں کامیاب کرے۔ آمین۔" بدر نے ہاتھ اٹھا کر دعا کرتے ہوئے کہا۔ زوناب جو یہ خبر سن کر پہلے ہی غصے میں آچکی تھی' بدر کی اس دعا نے اس کے غصے کو اور ہوا دے کر بھڑکا دیا تھا اور وہ دو ٹکے بے چارے بدر کی پیٹھ پر جڑ چکی تھی۔

"شکل اچھی نہیں تو بات تو اچھی کرلیا کرو۔ یقیناً

تم نے ہی دادی جان کو بھڑکایا ہوگا۔ آخر ان کے لاڈلے جو ہو۔ کان کھول کر سن لو بدر! اگر یہ رشتہ ہوا تو تیری تو خیر نہیں ہے۔" زوناب نے مکا لہراتے ہوئے اسے دھمکی دی۔

"نن...... نن...... نہیں زوناب بی بی! قسم لے لیں جو میں نے بڑی بیگم سے کچھ کہا ہو۔ آج صبح ہی کسی صاحب کا فون آیا تھا۔ سعود صاحب ان سے جس طرح بات کررہے تھے' ایسا لگ رہا تھا جیسے وہ صاحب ان کے دوست ہوں۔ ان صاحب نے ہی سعود صاحب سے بات کی تھی۔ میں ناشتا بنا رہا تھا اس لیے میں نے یہ بات سن لی۔ آپ اندر جا کر انہیں کچھ مت بتائیے گا۔ ان لوگوں کو نہیں پتا کہ یہ بات مجھے معلوم ہے۔" بدر نے روہانسی آواز میں کہا تو زوناب جو بدر کی باتیں سن کر نرم پڑ چکی تھی' اس کے خاموش ہوتے ہی بول اٹھی۔

"صرف ایک شرط پر میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گی۔"

"شرط! کیسی شرط؟" بدر کے دماغ میں خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگی تھیں۔ اس نے چونک کر پوچھا۔

"میں تم سے جو کہوں گی تم وہی کرو گے۔" زوناب نے کسی گہری سوچ سے باہر آتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"مجھے کیا کرنا ہوگا؟" بدر نے ڈرتے ڈرتے پوچھا۔

"وہ میں تمہیں بعد میں بتاؤں گی۔" مسکرا کر کہتی ہوئی وہ دروازہ کھول کر اندر چلی گئی۔

✤⌘+✤⌘+

"سونیا! احزم بہت اچھا لڑکا ہے اور سب سے بڑی بات یہ کہ وہ میرے بہت عزیز دوست کا بیٹا ہے۔ تم اس سے ایک بار مل لو۔ وہ ایک ہفتے بعد جرمنی سے واپس آرہا ہے۔ اس کے بعد ہم رشتے کی بات فائنل کردیں گے۔ مجھے یقین ہے' اس سے اچھا شوہر تمہیں اور کہیں نہیں ملے گا۔ آج صبح ہی کاشف ضیاء نے سونیا سے اس رشتے کے بارے میں سرسری سی بات کی تھی اور سونیا نے یہ سوچ لیا تھا کہ وہ ہمت کرکے پاپا سے کہہ دے گی کہ وہ احزم سے شادی نہیں کرسکتی کیونکہ وہ اپنا شریک سفر یوسف جلیل کو چن چکی ہے لیکن جب دوبارہ پاپا نے اس سے کھانے کی میز پر یہ بات کہی تو وہ باوجود کوشش کے ان سے کچھ نہیں کہہ پائی۔ وہ انہیں کیسے منع کرتی۔ وہ تو پوری پلاننگ کیے بیٹھے تھے۔ بڑی مشکلوں سے اس نے منہ میں پڑا نوالہ پانی پی کر حلق سے نیچے اتارا۔

"پاپا! اتنی جلدی کیا ہے؟" سونیا نے ہلکا سا احتجاج کیا۔

"کیا مطلب جلدی...... یہ جلدی ہے؟ تم چاہتی ہو کہ میں تمہارے بالوں میں سفیدی آنے کا انتظار کروں؟" کاشف ضیاء کا لہجہ تھوڑا سخت ہوگیا تھا۔

"نہیں پاپا! میرا مطلب یہ نہیں تھا۔" سونیا نے بات بنانی چاہی۔

"تمہارا مطلب جو بھی تھا لیکن میں اب اس فرض سے جلد از جلد سبکدوش ہوجانا چاہتا ہوں۔" کاشف ضیاء کرسی دھکیل کر کھڑے ہوچکے تھے۔ "پچھلے سال احزم صرف ایک ماہ کے لیے پاکستان آیا تھا لیکن اب وہ ہمیشہ کے لیے پاکستان آرہا ہے۔ میں یہ سب تمہیں اس لیے بتارہا ہوں کہ تم اپنے آپ کو اس رشتے کے لیے تیار کرلو۔" کاشف ضیاء تو فیصلہ سنا کے جاچکے تھے اور وہ ہمیشہ کی طرح ایک بار پھر اپنے ارمانوں کا خون ہوجانے پر رونے کے علاوہ اور کچھ نہیں کہہ پائی تھی۔

"اگر میری ماں ہوتی تو وہ میرے ساتھ یہ زیادتی کبھی بھی نہیں ہونے دیتی۔ اب میں کیا کروں؟ یوسف بھی تو ایک مہینے سے دبئی گیا ہوا ہے۔" سونیا کا دماغ اس وقت بڑی تیزی سے کام کررہا تھا۔ سونیا'

کاشف ضیاء کی واحد اولاد تھی۔ اس کی پیدائش کے چند گھنٹوں بعد ہی اس کی والدہ اس جہان فانی سے کوچ کر گئی تھیں۔ کاشف ضیاء کے لیے یہ بہت بڑا صدمہ تھا جسے قبول کرنے میں انہیں کافی وقت لگا۔ انہوں نے اپنے آپ کو بس اپنے بزنس تک ہی محدود کرلیا تھا۔ وہ کسی سے نہیں ملتے تھے۔ سونیا کی دیکھ بھال کے لیے انہوں نے ایک آیا کو رکھ لیا تھا۔ وہ سونیا کو زیادہ ٹائم نہیں دے پاتے تھے۔ سونیا کی خالہ اور پھوپی تو تھیں لیکن آخر وہ بھی کب تک اسے دیکھتیں۔ ان کا اپنا گھر بار تھا۔ کاشف ضیاء نے اپنی بیوی کے گزر جانے کے بعد یہ معمول بنالیا تھا کہ وہ صبح آفس کے لیے نکلتے اور رات گئے واپس آتے۔ جب سونیا نے تھوڑا ہوش سنبھالا تو اسے اپنے پاپا کی کمی شدت سے محسوس ہوئی۔ ماں تو تھی ہی نہیں لیکن پاپا کے ہوتے ہوئے بھی وہ ان کی محبت سے محروم تھی۔ وہ اکثر اس بات کا اظہار اپنی آیا کوثر سے کیا کرتی تھی۔ اب وہ بھی کیا کہتیں۔ وہ تو صرف ایک ملازمہ تھیں۔ اس لیے سونیا کو بہلا دیا کرتیں۔ سونیا یوسف کو پچھلے ایک سال سے جانتی تھی۔ ایک میوزک کنسرٹ میں ان کی ملاقات ہوئی بس اسی ایک ملاقات نے ان دونوں کی زندگیوں میں ہلچل مچادی۔ یوسف، عباس جلیل اور زینت کا اکلوتا بیٹا تھا۔ ان کا اپنا ذاتی بزنس تھا۔ اسی کے سلسلے میں یوسف ایک مہینے سے دبئی گیا ہوا تھا۔ سونیا سوچ ہی رہی تھی کہ وہ پاپا کو یوسف کے بارے میں بتائے لیکن اس سے پہلے ہی یوسف نے یہ دھماکا کردیا کہ وہ دبئی جارہا ہے کسی بزنس ڈیلنگ کے سلسلے میں کیونکہ بہت بڑی ڈیل ہے اس لیے ایک ماہ بھی لگ سکتا ہے۔ چنانچہ سونیا نے یہ فیصلہ کیا کہ یوسف کے دبئی سے واپس آنے کے بعد وہ پاپا کو یوسف سے ملوائے گی اور اپنی پسند کا اظہار بھی کردے گی لیکن پاپا کے اتنے اچانک فیصلے نے اس کی سوچنے سمجھنے کی ساری صلاحیتیں سلب کردی تھیں۔

✤⌘✤⌘✤

"جی دادی جان! آپ نے مجھے بلایا؟" دادی جان جو اسی کی راہ دیکھ رہی تھیں، زوناب کے کمرے میں داخل ہوتے ہی اس کا اوپر سے لے کر نیچے تک جائزہ لینے لگیں۔

"یہ کیا حلیہ بنا رکھا ہے تم نے اپنا؟"

جینز پر گھٹنوں سے اوپر تک کا کرتا اور کمر پر کس کر ڈوپٹا بندھا ہوا تھا۔ شولڈر کٹ بالوں کو اس نے بڑی بے دردی سے جوڑے کی شکل دے کر کیچر میں پھنسایا ہوا تھا۔ دادی جان کے ٹوکنے پر اس نے بھی اپنے حلیے کا جائزہ لیا اور جلدی سے کمر پر بندھا دوپٹا کھول کر اپنے شانوں پر پھیلا لیا۔ دادی جان کی گھورتی نگاہوں سے بچنے کے لیے زوناب کو ایسا کرنا پڑا۔

"اب تم بچی نہیں رہی ہو بڑی ہوگئی ہو۔ ذرا ڈھنگ کے حلیے میں رہا کرو اور یہ بالوں کا کیا ناس مارا ہوا ہے۔ کتنی بار کہا ہے ان میں تیل ڈال کر چوٹی بنا کر رکھا کرو پر یہ لڑکی اللہ کی پناہ۔" دادی جان نے کانوں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"دادی جان! شاید مما بلارہی ہیں۔ میں دیکھ کر آتی ہوں۔" دادی جان کے لیکچر سے بچنے کے لیے زوناب اکثر ایسے ہی بہانے تراشتی تھی۔

"چپ ہوکے یہاں بیٹھو اور میری بات کان کھول کر سنو......" دادی جان اس کے ارادے بھانپ چکی تھیں اس لیے ڈانٹ کر بولیں اور زوناب بیزاری شکل بنا کر صوفے سے اٹھتے اٹھتے بیٹھ گئی۔

"تمہارے لیے ایک رشتہ آیا ہے۔ لڑکا پڑھا لکھا ہے۔ تمہارے پاپا کے دوست کا بیٹا ہے۔ آج کل دبئی میں ہے۔ مجھے اور تمہارے والدین کو یہ رشتہ

بہت پسند آیا ہے اور ہم نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ جیسے ہی لڑکا دبئی سے آتا ہے ہم تمہاری اس سے شادی کردیں گے اور ہاں اس دفعہ کوئی رعایت نہیں برتی جائے گی۔ چاہے لڑکا تمہیں پسند آئے یا نہ آئے۔" دادی جان نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"ارے واہ شادی میری ہورہی ہے اور مجھ سے ہی میری پسند نہیں پوچھی جائے گی۔ میں بھی دیکھتی ہوں کیسے ہوتا ہے یہ رشتہ...... ایسا چکر چلاؤں گی کہ سانپ بھی مرجائے اور لاٹھی بھی نہیں ٹوٹے گی۔" یہ سوچ کر ہی اس کے چہرے پر ایک ہلکی سی مسکراہٹ رقص کرنے لگی تھی۔ دادی جان اپنی بات ختم کر کے بڑے غور سے اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔

"اے میں کیا کوئی لطیفہ سنا رہی ہوں جو تم مسکرا رہی ہو؟"

"جی۔" بے دھیانی میں زوناب کے منہ سے نکل گیا۔

"کیا؟" دادی جان نے اسے غصے سے گھور کر کہا۔

"میرا مطلب ہے، جی نہیں دادی جان، میں جانتی ہوں آپ کو لطیفے نہیں آتے...... آپ کو تو بس میری کھنچائی کرنا آتی ہے۔" آخری جملہ زوناب نے دل میں کہا تھا۔

"اچھا اب میں جاؤں؟" وہ جانتی تھی کہ وہ ذرا دیر اور دادی جان کے پاس بیٹھی تو وہ اسے نصیحت کرنا شروع کردیں گی۔ دادی جان کی اجازت ملتے ہی وہ جھٹ کمرے سے دوڑ پڑی اور دادی جان نے مسکراتے ہوئے اپنا پان دان سنبھال لیا۔

✤⌘✤⌘✤

سعود زیدی آج آفس سے جلد ہی نکل گئے تھے کیونکہ آج ان کا بیٹا اور بہو امریکا سے آرہے تھے۔ وہ جلد از جلد گھر پہنچنا چاہتے تھے لیکن ٹریفک میں بری طرح پھنس گئے تھے۔ زوناب دو تین بار انہیں موبائل پر کال کرچکی تھی اور وہ بس اسے تسلی ہی دیے جارہے تھے۔ سیل آف کر کے انہوں نے پریشانی سے اِدھر اُدھر گردن گھمائی تو ان کی نظر ایک جگہ ساکت ہوگئی۔ "رضا علی میر۔" بے اختیار ہی ان کے منہ سے نکلا تو وہ جو ان کے برابر والی گاڑی میں براجمان تھے۔ اپنا نام سن کر انہوں نے کسی قدر چونک کر سعود زیدی کی طرف دیکھا تو وہ بھی ان ہی کی طرح حیرت کے سمندر میں غوطہ کھانے لگے۔

"یار سعود! تم اتنے برسوں بعد......؟" ایسے ہی کچھ الفاظ سعود زیدی کی زبان سے بھی ادا ہوئے تھے۔ خدا خدا کر کے ٹریفک ختم ہوا تو وہ دونوں ایک ریسٹورنٹ میں آبیٹھے۔

"ابھی تھوڑی ہی دیر پہلے میں اپنے ملک کے ٹریفک نظام کو کوس رہا تھا لیکن شاید میں غلط تھا۔ اگر یہ ٹریفک جام نہ ہوتا تو میں تم سے کیسے ملتا۔ خیر تم بتاؤ جرمنی سے کب لوٹے؟" سعود زیدی کے لہجے میں بے قراری نمایاں تھی۔

"میں ایک سال پہلے ہی اپنی بیوی اور دو بیٹیوں کے ساتھ پاکستان شفٹ ہوا ہوں البتہ بیٹا ابھی جرمنی میں ہی ہے۔ وہ بھی ایک ہفتے بعد پاکستان واپس آرہا ہے۔" رضا علی میر نے تفصیل سے بتاتے ہوئے کہا۔

"تم سناؤ آنٹی اور بھابی کیسی ہیں اور تمہارے کتنے بچے ہیں؟" اب کی بار سوال رضا علی میر نے کیا تھا۔

"ہاں سب خیریت سے ہیں۔ جہاں تک بچوں کی بات ہے تو میرے دو ہی بچے ہیں، نعمان اور زوناب۔ بیٹے کی شادی کرچکا ہوں، وہ امریکا میں سیٹل ہے اور بہت جلد بیٹی کی شادی بھی کردوں گا۔" سعود زیدی نہ چاہتے ہوئے بھی زوناب کی شادی کے ذکر پر افسردہ ہوگئے تھے۔

"میں سمجھ سکتا ہوں سعود! آخر میں نے بھی دو بیٹیاں بیاہی ہیں۔" رضا علی میر نے انہیں دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

"دو گھنٹے بعد مجھے نعمان اور فریحہ کو لینے جانا ہے مگر تم سے مل کر دل چاہ رہا ہے کہ تمہارے ساتھ بیٹھ کر گزرے دن یاد کروں۔ میں اب تک اپنے یونیورسٹی کے دنوں کو یاد کرتا ہوں۔ وہ بھی کیا دن تھے جب تم میں، کاشف اور عباس تفریح کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیتے تھے۔ پڑھائی ختم ہوتے ہی اتنی ٹف لائف شروع ہوئی اور ہم چاروں دوست اپنی اپنی زندگیوں میں اتنے الجھ گئے کہ فاصلے بڑھتے ہی چلے گئے لیکن اب مجھے خوشی ہے کہ یہ فاصلے آہستہ آہستہ سمٹتے جارہے ہیں۔" سعود زیدی کے چہرے پر خوشی کے رنگ نمایاں تھے۔

"ہاں سعود! تم بالکل ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں نے بھی زندگی کے ہر موڑ پر تم لوگوں کو بہت یاد کیا ہے۔ پہلے میں صرف کاشف سے ہی دوستی نبھا رہا تھا اب تم بھی اس میں شریک ہوگئے ہو۔" رضا علی میر نے بے ساختہ مسکرا کر کہا۔

"کیا تم کاشف سے رابطے میں ہو؟" سعود زیدی نے کسی قدر حیرانی سے پوچھا۔

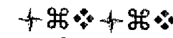
"ہاں، پاکستان شفٹ ہونے کے بعد ایک اسی سے رابطے میں رہا ہوں اور تمہیں ایک خوشخبری سناؤں؟ ہم دونوں نے اپنی دوستی کو رشتے داری میں بدلنے کا فیصلہ کیا ہے۔"

"واقعی! یہ تو بڑی خوشی کی بات ہے۔ ویسے ایسی ہی ایک خوشخبری میرے پاس بھی ہے۔" سعود زیدی نے مسکرا کر کہا تو رضا علی میر کی بڑی بڑی آنکھیں تجسس سے پھیل گئیں۔ "ایسا ہی ایک فیصلہ میں نے اور عباس نے بھی کیا ہے۔" ان کی مسکراہٹ بدستور قائم تھی۔

"تمہارا مطلب ہے، عباس جلیل؟" رضا علی میر نے حیرانی سے پوچھا۔

"ہاں عباس جلیل۔ وہ اپنے بیٹے کی شادی میری بیٹی سے کرنا چاہتا ہے۔" سعود زیدی نے ان کی بے یقینی کو بھانپتے ہوئے وضاحت کی۔

"اتنے حیرت انگیز انکشافات کے بعد تو مجھے ایسا لگ رہا ہے جیسے میں کوئی فلم دیکھ رہا ہوں۔" رضا علی میر ابھی بھی بے یقینی کی کیفیت سے باہر نہیں آئے تھے۔ جاتے جاتے وقت سعود زیدی اور رضا علی میر نے آپس میں اپنے اپنے کارڈز کا تبادلہ کیا تاکہ وہ بہ آسانی ایک دوسرے سے رابطہ کرسکیں۔



احزم ابھی تک جرمنی سے نہیں لوٹا تھا۔ پاپا نے اسے جب سے احزم کے آنے کی خبر سنائی تھی وہ یہی دعا کررہی تھی کہ احزم کے آنے سے پہلے یوسف دبئی سے واپس آجائے تاکہ وہ پاپا سے اسے ملوادے۔ پورے ایک ہفتے سے وہ کمرے میں بند پڑی تھی۔ اس کی روح کو کسی صورت سکون نہیں تھا۔ کوثر کمرے میں آئیں تو وہ بیڈ پر اوندھی پڑی تھی۔ وہ آہستگی سے چلتی ہوئی اس کے پاس ہی بیٹھ گئی تھیں۔

"سونیا! کیا بات ہے؟ دیکھ رہی ہوں پچھلے ایک ہفتے سے تم نے اپنے آپ کو کمرے تک محدود کرلیا ہے۔" انہوں نے بڑے پیار سے اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے پوچھا۔

کوثر کو اپنے پاس بیٹھا دیکھ کر وہ سیدھی ہوکر بیٹھ گئی تھی۔ کوثر کو وہ بچپن ہی سے انابی کہتی تھی۔ کوثر بالکل بے سہارا تھیں۔ ان کے شوہر کے انتقال کے بعد ان کے سسرال نے بھی ان سے آنکھیں پھیر لی تھیں اور انہیں گھر سے نکال دیا تھا۔ ایسے میں انہیں کاشف ضیاء نے سہارا دیا اور سونیا کی

ذمہ داری ان پر ڈال دی جو کوثر نے خوشی خوشی سنبھال لی تھی۔ انہیں سونیا سے اتنا لگاؤ ہوگیا تھا کہ اس کی تکلیف پر وہ تڑپ اٹھتی تھیں۔ ابھی بھی وہ سونیا کی تکلیف سے بے خبر نہیں تھیں اس لیے دل کے ہاتھوں مجبور ہوکر اس سے پوچھ بیٹھیں۔

"انابی! کتنا مجبور ہوتا ہے وہ انسان جو اپنے اندر اٹھتے طوفان کو چھپا کر اپنی ہستی کو نیست و نابود کرکے صرف اور صرف دوسروں کے حکم پر ان کی مرضی کے مطابق جیتا ہے۔ کیا آپ ایسے انسان کے کرب کا اندازہ لگاسکتی ہیں جس کے پاس کئی ماہ و سال ہوں لیکن وہ ان میں سے ایک لمحہ بھی اپنی مرضی کے مطابق نہ گزار سکتا ہو جو ہنستا ہو اور مسکان اس کے ہونٹوں کا ساتھ چھوڑ دے جو رونا چاہتا ہو پر کوئی غمگسار، کوئی ہمدرد اس کے آنسوؤں کو جذب کرنے کے لیے نہ ہو، خواہشات پالیتا ہو پر اپنے ہی ہاتھوں انہیں دفن کرتا ہو، جو نفرتوں کے تپتے صحرا میں ننگے پاؤں صرف محبت کی پاداش میں گھسیٹا جائے۔ کیا انابی آپ نے ایسا بے بس اور مجبور انسان کبھی دیکھا ہے؟" آنسوؤں کا ریلا بند توڑ کر اب اس کی آنکھوں سے روانی سے جاری تھا۔ انابی نے اسے اپنے سینے سے لگالیا۔

"میں سمجھ سکتی ہوں سونیا بیٹا! کاشف صاحب نے نہ پہلے تمہارے ساتھ ٹھیک کیا اور نہ اب ٹھیک کررہے ہیں لیکن تم تو جانتی ہو ان کی سخت طبیعت کو اور پھر تمہارے پاپا تمہارے لیے کچھ غلط تو نہیں سوچیں گے۔" وہ اسے پیار سے بہلا رہی تھیں۔

"انہوں نے آج تک کبھی میرے بارے میں سوچا ہی نہیں ہے، پھر صحیح اور غلط سوچنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ یہ بات آپ بھی اچھی طرح جانتی ہیں اور میں بھی۔ اگر ان کی بیوی ان سے جدا ہوئی ہے تو وہ عورت میری بھی تو ماں تھی۔ پھر مجھے پاپا نے کس جرم کی سزا دی؟ کیوں مجھے نظر انداز کیا؟ کیوں مجھے اپنی توجہ، محبت، پیار اور شفقت سے محروم رکھا؟ کیا تھا میرا قصور......؟ صرف اتنا ہی کہ میری پیدائش کے بعد میری ماں اس دنیا سے چل بسی؟ ایسا تو کوئی اپنے پالتو جانوروں کے ساتھ بھی نہیں کرتا جو پاپا نے میرے ساتھ کیا ہے۔ نہ انہوں نے کبھی مجھے کوئی اہمیت دی اور نہ ہی میری باتوں کو اور نہ اب وہ میری پسند کو کوئی اہمیت دے رہے ہیں۔ میں ایک انجان شخص سے اس لیے شادی کرلوں کہ وہ ان کے دوست کا بیٹا ہے۔ جسے میں صرف شکل سے جانتی ہوں۔ انہوں نے اب تک مجھے صرف ایک بوجھ سمجھ کر اس گھر میں رکھا اور اب وہ یہ بوجھ اپنے سر سے اتار کر پھینک دینا چاہتے ہیں اور کہتے ہیں میں اپنے فرض سے جلد [redacted] سبکدوش ہوجانا چاہتا ہوں۔ ایسی زندگی جینے سے تو بہتر تھا کہ میں بھی اپنی ماں کے ساتھ ہی مرگئی ہوتی۔" سونیا کا پورا وجود غصے اور غم سے ہولے ہولے لرز رہا تھا۔

"سونیا، میری بچی! کیا ہوگیا ہے تمہیں؟ آج سے پہلے تو کبھی تم نے ایسی باتیں نہیں کی تھیں۔" انابی نے اس کے رخساروں کو اپنے ہاتھوں میں تھامتے ہوئے پیار سے کہا۔

"انابی اب برداشت نہیں ہوتا۔ چاہے کچھ بھی ہوجائے میں احزم سے شادی نہیں کروں گی کیونکہ میں......" سونیا کہتے کہتے رک گئی تھی جب کہ انابی اس کے ادھورے جملے پر چونک کر اسے دیکھنے لگی تھیں۔

"کیونکہ میں یوسف کو پسند کرتی ہوں اور اسی سے شادی کروں گی۔" لہجہ قدرے سپاٹ تھا۔ انابی کچھ دیر تو اسے حیرانی سے دیکھتی رہیں پھر مسکرا کر اس کا ماتھا چوم لیا۔

"تم فکر مت کرو۔ میں کوئی اچھا موقع دیکھ کر کاشف صاحب کو سمجھاؤں گی۔ چلو جلدی سے مسکراؤ۔" انابی نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا تو وہ

مسکرا کر ان کے گلے لگ گئی۔

+ ⌘ ❖ + ⌘ ❖

نعمان اور فریحہ کے آنے سے ''آشیانہ نور جہاں'' میں گویا رونقیں اتر آئی تھیں۔ نعمان اور فریحہ کے آنے کی سب سے زیادہ خوشی زوناب کو تھی کیونکہ پاپا اور ماما کے بعد وہی تھے جو اس کے لاڈ اٹھاتے تھے۔ ابھی بھی وہ لوگ رات کے کھانے کے لیے ٹیبل پر موجود تھے۔ نور جہاں بیگم کئی بار اپنے بیٹے کو آنکھوں کے اشارے سے کہہ چکی تھیں کہ وہ زوناب سے اس رشتے کے بارے میں بات کرے اور وہ اپنی بیوی کو کئی بار اشارے سے کہہ چکے تھے کہ وہ بات شروع کریں۔ مجبوراً کھانے کے دوران رابعہ بیگم کو ہی بولنا پڑا۔

''زوناب! ہم تم سے ایک بات کرنا چاہتے ہیں۔'' رابعہ نے پہلے اپنی ساس اور پھر شوہر کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔ زوناب جو کہ عمر اور عمیر کے درمیان مرغی کی ران کا مسئلہ سلجھانے میں اس طرح مصروف تھی گویا مسئلہ کشمیر سلجھا رہی ہو۔ ماما کی آواز پر فوراً ان کی طرف متوجہ ہوگئی تھی۔

''زوناب! تمہارے لیے ایک پرپوزل آیا ہے۔ تمہارے پاپا کے دوست کا بیٹا ہے۔ بہت اچھی فیملی ہے۔ ہم سب چاہتے ہیں کہ تم لڑکے سے ایک بار مل لو۔'' رابعہ بیگم اتنا کہہ کر رکیں اور زوناب کے چہرے کا جائزہ لینے لگیں۔

''جی ماما' دادی جان نے مجھے بتایا تھا۔ مجھے لڑکے سے ملنے میں کوئی اعتراض نہیں ہے۔ آخر پاپا کے دوست کا بیٹا ہے لیکن اگر آپ لوگ بہتر سمجھیں تو مجھے ان کا فون نمبر دے دیں کیونکہ ملاقات سے پہلے اگر ہماری تھوڑی بات چیت ہوجائے تو بہتر ہوگا۔'' زوناب نے اپنے رویے سے ایسا ظاہر کیا تھا جیسے اسے رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔ جب کہ ان لوگوں کے لیے زوناب کا اتنا کہہ دینا ہی اطمینان کا باعث تھا ورنہ وہ تو رشتے کی بات سن کر ہی انکار کردیتی تھی۔

''ہاں کیوں نہیں۔ میں تمہیں نمبر دے دوں گا۔ یوسف ایک ہفتے میں دبئی سے آجائے گا۔'' سعود زیدی بیٹی کو اس رشتے کے لیے راضی ہوتا دیکھ کر اطمینان سے بولے جبکہ زوناب اپنے بنائے ہوئے پلان کی کامیابی پر دل ہی دل میں خوش ہونے لگی۔

+ ⌘ ❖ + ⌘ ❖

احزم کو دو دن ہوگئے تھے پاکستان آئے ہوئے لہٰذا صبح وہ آفس جانے کے ارادے سے جلدی ہی اٹھ گیا تھا۔ وہ تیار ہوکر ڈائننگ ہال میں آیا تو اپنے والد رضا علی میر اور والدہ ایمن کو وہاں پہلے سے موجود پایا۔ ایمن کی نظریں اپنے بیٹے کے پرکشش سراپا کا جائزہ لے رہی تھیں۔ کلین شیو چمکتے ہوئے چہرے پر سیاہ چمک دار بال بڑی خوبصورتی سے سیٹ کیے گئے تھے اور اس کا چوڑا سینہ اس کی خوبصورتی میں مزید اضافہ کررہا تھا۔ نیوی بلیو سوٹ میں اس وقت وہ کافی اسمارٹ لگ رہا تھا۔ وہ تیز قدموں سے چلتا ہوا ان کے قریب آچکا تھا۔

''کہاں کی تیاری ہے؟'' رضا علی میر نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے بڑی دلچسپی سے پوچھا۔

''آفس کی۔'' وہ کرسی کھینچ کر اس پر بیٹھتے ہوئے بولا۔

''اتنی جلدی؟ میرا خیال تھا تم ایک ہفتے سے پہلے آفس جوائن نہیں کرو گے۔'' رضا علی میر نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اور آپ کو ایسا خیال کیوں آیا؟'' احزم نے ایمن کی طرف سے بڑھایا جانے والا چائے کا کپ تھام کر مسکرا کر پوچھا۔

''مجھے ایسا خیال اس لیے آیا کہ تم اتنے برسوں بعد اپنے ملک واپس آئے ہو تو یہاں آکر گھومو گے پھرو گے۔ ایک بار بزنس میں پھنسے تو ان سب چیزوں کے لیے وقت نکالنا بہت مشکل ہوتا ہے۔ بس اس لیے میں چاہتا تھا تم تھوڑا ٹھہر کر بزنس جوائن کرو۔ خیر تمہاری مرضی۔'' رضا علی میر نے شانے اچکا کر خالی کپ میز پر رکھتے ہوئے کہا۔ ''اچھا سنو کل آفس کے بعد تم کاشف کی طرف نکلے جانا اور سونیا سے بھی مل لینا۔ مقصد تم جانتے ہو۔ سونیا اچھی لڑکی ہے۔ کاشف کی طرح مجھے بھی تم پر پورا اعتماد ہے کہ تم اس رشتے سے انکار نہیں کرو گے۔'' اتنا کہہ کر وہ خاموش ہوگئے تھے۔ احزم بڑے غور سے ان کی بات سن رہا تھا۔

''اور اگر میں آپ کے اعتماد پر پورا نہیں اترا تو؟'' احزم نے معنی خیز نگاہوں سے رضا علی میر کی طرف دیکھ کر کہا تو وہ احزم کی بات پر چونک پڑے۔

''کیا تمہیں کوئی اور لڑکی پسند ہے؟ اگر ہے تو بتادو۔'' رضا علی میر نے بڑے دوستانہ لہجے میں پوچھا۔

''مجھے! اوہ نو ڈیڈ۔'' اس نے گردن کو دائیں بائیں ہلا کر مسکرا کر کہا۔ ''لیکن ڈیڈ یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ سونیا مجھے پسند نہ آئے اور یہ بھی تو ہوسکتا ہے کہ کاشف انکل نے سونیا کو زبردستی اس رشتے کے لیے راضی کیا ہو۔ جہاں تک میرا خیال ہے اس نے تو مجھے ٹھیک طرح سے دیکھا بھی نہیں ہے۔ دیکھیے ڈیڈ میں سمجھتا ہوں آپ کی اور کاشف انکل کی مضبوط دوستی کے رشتے کو کسی اور رشتے کے سہارے کی ضرورت نہیں ہے پھر آپ لوگ ہمیں اس رشتے کے لیے پابند کیوں کررہے ہیں؟ اگر یہ رشتہ نہیں ہوگا تو کیا آپ دونوں کی دوستی ٹوٹ جائے گی؟ کیا آپ کی دوستی کا انحصار اس رشتے پر ہے؟'' احزم نے بیک وقت اتنے سوال اٹھالیے تھے کہ رضا علی میر کی سمجھ میں ہی نہیں آیا کہ وہ اسے کیا جواب دیں۔ ایمن گومگو کی کیفیت میں ان دونوں کو دیکھ رہی تھیں۔

''ڈیڈ میرا مقصد آپ کو دکھی کرنا نہیں تھا۔ میں صرف آپ کو یہ بتانا چاہتا ہوں کہ میں ابھی سونیا کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔ میرا مطلب ہے اس کے مزاج اور عادات وغیرہ کے بارے میں۔ یہ میری

پوری زندگی کا سوال ہے۔ میں اتنی جلدی کوئی فیصلہ نہیں کرسکتا۔ آپ مجھے تھوڑا وقت دیں۔'' احزم کی رائے سے ایمن نے بھی اتفاق کیا تھا۔

''میرے پیارے بیٹے' بے شک دیر تک سوچو مگر سوچنے کے بعد جو فیصلہ کرو وہ اٹل ہونا چاہیے۔'' ایمن نے معنی خیز لہجے میں کہا تو احزم ہلکے سے مسکرا کر کرسی پیچھے دھکیل کر کھڑا ہوگیا۔

''چلیں ڈیڈ!''

''ہاں چلو۔'' رضا علی میر بھی اپنا کوٹ درست کرتے ہوئے اس کی تائید میں کھڑے ہوگئے۔ ایمن بھی انہیں دروازے تک چھوڑنے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئیں۔



آج سعود زیدی اور رابعہ کی شادی کی سالگرہ تھی۔ ہر سال کی طرح زوناب نے اس سال بھی فریحہ اور اپنی خالہ زاد کزن قمر کے ساتھ مل کر بڑی زبردست پلاننگ کی ہوئی تھی۔ اس نے فریحہ اور قمر کے ساتھ مل کر سارے انتظامات کرلیے تھے بس اب صرف گفٹ لینا باقی رہ گیا تھا۔ سعود زیدی اور نعمان صبح سے ہی لوگوں کو دعوت دینے گئے ہوئے تھے اور فریحہ اور قمر کچن میں مصروف تھیں تو اس نے عمر' عمیر اور بدر کے ساتھ گفٹ لینے جانے کا فیصلہ کیا۔ پچھلے ایک گھنٹے سے وہ گفٹ شاپ میں گھوم رہی تھی مگر اب تک اسے کچھ پسند ہی نہیں آیا تھا۔

''آنٹی! آپ اپنے لیے کوئی لڑکا تلاش کررہی ہیں یا گفٹ؟'' عمیر نے جل کر کہا تو زوناب نے گھور کر اسے دیکھا۔

''زوناب بی بی! اب تو میری بھی ٹانگیں جواب دینے لگی ہیں۔ آپ جلدی سے کوئی گفٹ پسند کرلیں۔'' بدر نے عاجزی سے کہا۔ آخر زوناب نے ایک گفٹ پسند کر ہی لیا پھر اچانک ہی اسے یاد آیا کہ اسے ٹیلر سے اپنے کپڑے بھی لینے ہیں۔ گفٹ پیک کروا کے وہ گفٹ شاپ سے نکل ہی رہی تھی کہ اچانک کسی سخت وجود سے جا ٹکرائی۔ اس شخص کے ہاتھ میں جو شوپیس تھا وہ زوناب کو گرنے سے بچانے کی وجہ سے اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر زمین بوس ہوچکا تھا۔ ابھی وہ اس اچانک ہونے والی ٹکر سے سنبھل بھی نہ پائی تھی کہ اس شوپیس کے ٹوٹ جانے پر وہ ہونقوں کی طرح کبھی اس شخص کو اور کبھی زمین پر بکھرے کانچ کے ٹکڑوں کو دیکھنے لگی۔ وہ شخص اپنے نقصان سے بے خبر زوناب کے معصوم سراپا کو تک رہا تھا پھر جلد ہی اس نے اپنے چہرے پر غصے کے تاثرات قائم کرلیے۔

''یہ کیا کیا آپ نے؟'' سامنے کھڑا شخص نہایت غصے کے عالم میں اس سے پوچھ رہا تھا۔

''دیکھیے مسٹر' میں نے یہ جان بوجھ کر تو نہیں کیا۔ ٹکر اچانک ہوئی ہے۔ میں معافی چاہتی ہوں۔ میری وجہ سے آپ کا نقصان ہوگیا لیکن میں آپ کو اس کی قیمت ادا کرنے کے لیے تیار ہوں۔'' اتنا کہہ کر زوناب نے پرس کھولنا چاہا تو سامنے کھڑے شخص نے اسے ہاتھ کے اشارے سے پرس کھولنے سے منع کردیا۔

''بات قیمت کی نہیں ہے۔ یہ میں نے کسی کے لیے پسند کیا تھا اور پوری دکان میں یہ ایک ہی پیس تھا جو مجھے پسند آیا تھا جو اب آپ کے اندھے پن کی نذر ہوگیا۔'' اس شخص نے سخت لہجے میں کہا۔

''بدر! تم بچوں کو لے کر گاڑی میں بیٹھو میں ابھی آتی ہوں۔'' زوناب کی طرف سے حکم ملنے پر بدر' عمر اور عمیر کو لے کر گفٹ شاپ سے باہر نکل گیا۔

''دیکھیے مسٹر' میں آپ سے اپنی غلطی کی معافی مانگ چکی ہوں۔ آپ کو تو اتنی بھی تمیز نہیں ہے کہ ایک لڑکی سے کس طرح بات کرنی چاہیے۔ آپ بات کو خوامخواہ بڑھا رہے ہیں۔ میں اپنی غلطی مان رہی ہوں اور آپ کو قیمت ادا کرنے کے لیے بھی تیار ہوں اور اس سے زیادہ میں آپ کے لیے کیا کرسکتی ہوں؟'' اب کی بار زوناب نے غصے سے دانت پیس کر کہا۔

''جی ہاں' ٹھیک کہا آپ نے۔ اب آپ میرے لیے کیا کرسکتی ہیں' جو کرنا تھا وہ تو آپ کرچکیں۔'' احزم معنی خیز نگاہوں سے اسے دیکھ کر کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

''ہونہہ...... اکڑ باز خان کہیں کا۔'' زوناب بھی غصے سے کہتے ہوئے کہہ کر گفٹ شاپ سے باہر نکل گئی اور احزم اس کے اس فقرے پر مسکرا کر رہ گیا۔ کل شام احزم کو سونیا سے ملنے جانا تھا اس لیے اسے خالی ہاتھ جانا اچھا نہیں لگ رہا تھا۔ لہٰذا راستے میں گفٹ شاپ پر نظر پڑتے ہی وہ اس کے لیے گفٹ لینے چلا آیا تھا اور اس حادثے کی وجہ سے اس شوپیس سے ہاتھ دھو بیٹھا۔



فریحہ تیار ہوکر زوناب کے کمرے میں آئی تو وہ آئینے کے سامنے کھڑی اپنی لپ اسٹک کو آخری ٹچ دے رہی تھی۔ فریحہ مسکراتی ہوئی اس کے قریب آ کر کھڑی ہوگئی۔ سیاہ ٹیالے رنگ کے امتزاج میں سلک کی شارٹ شرٹ جس کے گلے اور دامن پر دھاگے' موتی اور کٹ دانے کی نفیس سی کڑھائی ہوئی تھی اور اس کے ساتھ سیدھے ٹراؤزر میں زوناب کا سراپا قابل تعریف لگ رہا تھا۔ اپنے میک اپ کو آخری ٹچ دینے کے بعد وہ اپنے شولڈر کٹ بالوں کو پیچھے سمیٹ کر کیچر لگا رہی تھی کہ فریحہ نے اسے ٹوک دیا۔

''رہنے دو زوناب! کھلے بالوں میں تم زیادہ اچھی لگ رہی ہو۔'' فریحہ نے شرارت سے اس کی طرف جھک کر کہا۔

''تعریف کا شکریہ بھابی۔'' زوناب نے کہا اور جلدی سے دوپٹا سنبھالتے ہوئے کمرے سے نکل گئی۔ مہمان آہستہ آہستہ آنا شروع ہوگئے تھے۔ سعود زیدی' رضا علی میر کے گھر بھی دعوت دینے گئے تھے اور انہیں کاشف ضیاء کو بھی اپنے ساتھ لانے کے لیے کہا تھا اور انہیں تاکید کی تھی کہ وہ کاشف ضیاء کو کچھ نہ بتائیں۔ وہ انہیں سرپرائز دینا چاہتے ہیں۔ ادھر انہوں نے عباس جلیل کو بھی دعوت دی تھی اور انہیں بھی کچھ نہیں بتایا تھا۔ رضا علی میر' ایمن' کاشف ضیاء اور سونیا کو وہاں لے کر پہنچے تو سعود زیدی ان کا بڑی بے صبری سے انتظار کررہے تھے۔ کاشف کو دیکھ کر سعود زیدی بے اختیار ان کی طرف لپکے۔ ادھر کاشف ضیاء کا بھی یہی حال تھا پھر کتنی ہی دیر تک وہ ایک دوسرے کے گلے سے لگے رہے۔ ان دونوں سے مل کر سعود زیدی ان دونوں کو عباس کی طرف لے آئے تھے۔ وہ ان دونوں سے پہلے ہی آچکے تھے۔ ان دونوں کو سامنے دیکھ کر عباس جلیل کو تو اپنی آنکھوں پر یقین ہی نہیں آیا۔ وہ بے یقینی کی سی کیفیت میں ان کی طرف بڑھے جیسے کوئی خواب دیکھ رہے ہوں اور پھر جب انہیں یقین ہوگیا کہ یہ خواب نہیں بلکہ حقیقت ہے پھر تو ان کی خوشی کا کوئی ٹھکانا ہی نہ رہا۔ ان چاروں نے تو اپنی محفل جمالی تھی جبکہ رابعہ ان کی بیویوں کو کمپنی دینے کے لیے ان ہی کے ساتھ بیٹھ گئی تھیں۔ سونیا بھی ان ہی کے ساتھ بیٹھی ہوئی تھی۔ زوناب نے خواتین کے بیچ اس نازک سراپا کو دیکھا تو اسے اپنے ساتھ لے آئی تھی۔

''غالباً آپ بابا کے کسی دوست کی بیٹی ہیں' اتنا تو میں جانتی ہوں لیکن کس دوست کی ہیں' یہ میں نہیں جانتی۔ کیا آپ مجھے بتائیں گی؟'' زوناب نے خود

ہی بات کا آغاز کیا۔

"کاشف ضیاء۔" سونیا نے مختصر جواب دیا۔

"میرا نام زوناب ہے اور یہ میری کزن ہے قمر۔" زوناب نے اپنے برابر میں بیٹھی قمر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"آپ کا کیا نام ہے؟" زوناب نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

"سونیا۔" سونیا نے پھر مختصر جواب دیا۔ اس وقت زوناب کو وہ لڑکی بیزار بیزار، بجھی بجھی سی لگ رہی تھی۔

"کیا آپ پڑھتی ہیں؟" زوناب ایک بار پھر بول پڑی۔

"جی نہیں۔" سونیا نے دوبارہ مختصر جواب دیا۔

"تو پھر کیا کرتی ہیں؟" زوناب کو لگا کہ شاید اب وہ اسے اپنی مصروفیات گنوائے گی لیکن زوناب کا اندازہ بالکل غلط نکلا کیونکہ سونیا نے صرف "کچھ نہیں" کہنے پر اکتفا کیا۔ قمر جو ان کی باتیں سن کر بور ہو رہی تھی آخر بول پڑی۔

"لگتا ہے آپ بہت کم گو واقع ہوئی ہیں لیکن ہم تو بہت بولتے ہیں اور اتنا بولتے ہیں کہ سامنے والا اکثر ہمارے سامنے ہاتھ جوڑ کر درخواست کرتا ہے کہ خدا کے واسطے ہم پر رحم کرو اور چپ ہو جاؤ۔" قمر کوفت سے مسکرا کر بولی تو سونیا قمر کی بات پر مسکرائے بنا نہیں رہ سکی۔

"اوہ، تھینک گاڈ آپ مسکرائیں تو سہی۔" قمر نے ایک طویل سانس لیتے ہوئے کہا۔

"ہاں اب بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ سامنے ایک مسخری بیٹھی ہو اور چہرے پر مسکراہٹ نہ آئے۔" زوناب نے اسے چڑاتے ہوئے کہا۔

"اچھا جناب! یہ مسخری اگر ہنسانا جانتی ہے تو رلانا بھی جانتی ہے۔ ذرا آ لینے دو یوسف بھائی کو پھر تم دیکھنا۔" قمر نے زوناب کو دھمکاتے ہوئے کہا۔ یوسف کے ذکر پر سونیا، قمر اور زوناب کو سوالیہ نگاہوں سے دیکھنے لگی۔ جانے کیوں اس کا دل یوسف کے نام پر بے چین ہو اٹھا تھا۔ وہ اپنی اس کیفیت کو چھپانا چاہتی تھی لیکن باوجود کوشش کے چھپا نہ پائی۔ قمر نے جب سونیا کے چہرے کو سوالیہ نشان بنا دیکھا تو فوراً بول پڑی۔

"دراصل یوسف بھائی ان کے ہونے والے 'وہ' ہیں۔ آج کل دبئی میں ہوتے ہیں اس لیے اب تک یہ محترمہ ان کے دیدار سے محروم ہیں۔" قمر نے شرارت سے بھرپور نظروں سے زوناب کی طرف دیکھ کر کہا جو مسلسل اسے خاموش رہنے کا اشارہ کر رہی تھی۔ قمر کی بات سن کر سونیا شدید الجھن کا شکار ہو گئی تھی۔ رہ رہ کر اسے یہی بات پریشان کیے جا رہی تھی کہ نام میں تو مماثلت ہو سکتی ہے کیونکہ دنیا میں نہ جانے کتنے ہی لوگوں کا نام یوسف ہوگا لیکن یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میرے یوسف کی طرح یہ یوسف بھی آج کل دبئی میں ہے۔ قمر کی اس بات نے اسے مزید پریشان کر دیا تھا۔

"کیا یوسف صاحب آپ کے رشتے دار ہیں؟" یہ پہلا موقع تھا جب سونیا نے خود کوئی سوال کیا تھا۔

"نہیں، رشتے دار تو نہیں ہیں۔ پاپا کے بہت عزیز دوست عباس جلیل کے اکلوتے صاحبزادے ہیں۔ وہ جو پاپا کے پاس گرے کلر کے سوٹ میں بیٹھے ہیں نا ان ہی کے بیٹے ہیں۔" زوناب نے انگلی کے اشارے سے نشاندہی کرتے ہوئے بتایا۔ عباس جلیل کو دیکھنے کے بعد کسی شک کی کوئی گنجائش ہی نہیں تھی کیونکہ یوسف بالکل اپنے پاپا میں ملتا تھا۔ سونیا سکتے کے عالم میں عباس جلیل کو دیکھے ہی جا رہی تھی۔ جب ہی قمر اور زوناب کو اس کی اس حالت پر تشویش ہوئی۔

"تم ٹھیک ہو سونیا!" زوناب نے اس کے شانے پر ہاتھ رکھتے ہوئے فکرمندی سے پوچھا تو

سونیا چونک کر اس کی طرف دیکھنے لگی۔

"ہاں ہاں میں بالکل ٹھیک ہوں۔" وہ بمشکل اپنے آپ پر قابو پاتے ہوئے بولی۔

"اچھا قمر تم سونیا کے ساتھ بیٹھو۔ میں ماما کو یاد دلا کر آتی ہوں کہ انہیں کیک بھی کاٹنا ہے۔" زوناب یہ کہتی ہوئی وہاں سے چلی گئی جبکہ سونیا اپنی دلی کیفیت کو چھپائے قمر سے باتوں میں مصروف ہو گئی۔

+⌘❖+⌘❖

آپ سے مل کے ہم کچھ بدل سے گئے
شعر پڑھنے لگے گنگنانے لگے

وہ آنکھیں بند کیے اس ہوش رُبا سراپا کے خیالوں میں کھویا ہوا تھا جو اس سے ٹکرائی اور سیدھا اس کے دل میں اتر گئی۔ اس کے حواسوں پر چھا گئی۔ کتنے گھنٹے گزر چکے تھے اس واقعہ کو مگر ایک پل کے لیے بھی تو وہ اسے اپنی سوچوں اور خیالوں سے نکال نہیں پایا تھا۔

"یہ کیا ہو رہا ہے مجھے؟" وہ اپنے آپ سے کہتا ہوا ایک دم ہڑبڑا کر بیڈ سے اٹھ بیٹھا تھا۔

"میں کیوں اس چہرے کو بھلا نہیں پا رہا؟ یا شاید بھولنا نہیں چاہ رہا۔" احزم اپنے بکھرے بالوں میں انگلیاں پھنسائے بے خودی کے عالم میں خود سے مخاطب ہوا۔ "کیا مجھے محبت ہو گئی ہے؟ احزم علی میر کیا تمہیں واقعی محبت ہو گئی ہے؟" وہ بے یقینی کے عالم میں اپنے آپ کو ٹٹول رہا تھا۔ "لیکن وہ لڑکی تو شاید شادی شدہ ہے لیکن یہ میری غلط فہمی بھی تو ہو سکتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بچے اس کے نہ ہوں۔ بچوں کی عمر اور اس لڑکی کو دیکھ کر ایسا لگ تو نہیں رہا تھا کہ وہ اس کے بچے ہیں لیکن اس نے اس آدمی سے جس طرح کہا اس سے تو یہی لگ رہا تھا کہ وہ اس کے بچے ہیں۔" وہ خود ہی سوال اٹھاتا اور پھر خود ہی اس کی نفی بھی کرتا جاتا۔ "اب اس دل کو کیسے سمجھاؤں؟ احزم علی میر دل سے نہیں دماغ سے کام لو۔ اگر وہ لڑکی شادی شدہ ہے تو کسی شادی شدہ عورت کے بارے میں اس طرح سوچنا اخلاق سے گری ہوئی بات ہے۔"

احزم کو اندر سے کسی نے جھنجوڑا تو وہ شرمندگی سے سر کو ہلکا سا جھٹکا دے کر بیڈ پر دراز ہو گیا۔

+⌘❖+⌘❖

سونیا بیڈ پر لیٹی کسی گہری سوچ میں غرق تھی کہ فون کی بیل پر چونک پڑی۔ فوراً ہی اس نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل کی طرف ہاتھ بڑھایا اور ریسیور اٹھا لیا۔

"ہیلو۔" اس نے بہت کمزور سی آواز میں کہا۔

"ہیلو سونی۔" سونیا نے جتنی کمزور آواز میں ہیلو کہا تھا دوسری طرف سے اتنی ہی جاندار آواز سنائی دی تھی جس نے اس کے پورے وجود میں ہلچل مچا دی تھی۔

"یوسف تم! کب آئے؟" سونیا نے حیرانی سے تقریباً اچھلتے ہوئے پوچھا۔

"کل رات کی فلائٹ سے آیا ہوں اور اب آپ کی خدمت میں حاضر ہوں۔ سونیا میں تم سے ملنا چاہتا ہوں۔ پورا ایک ماہ ہو گیا ہے تمہیں دیکھے ہوئے۔ بہت سی باتیں کرنی ہیں تم سے۔ بولو کہاں ملنے آؤ گی؟" یوسف کی آواز سے اس کی بے قراری صاف ظاہر تھی۔

"یوسف! باتیں تو مجھے بھی تم سے بہت سی کرنی ہیں۔ تمہاری غیر موجودگی میں میں نے یہاں ایک ایک لمحہ سولی پر لٹک کر گزارا ہے۔ ہم اسی ریسٹورنٹ میں ملیں گے جہاں پر ملا کرتے تھے۔" ابھی وہ اس سے مزید باتیں کرتی کہ انانی کمرے میں داخل ہو گئیں۔

"میں تمہیں بعد میں فون کرتی ہوں۔" انانی کو دیکھ کر سونیا نے جلدی سے فون کریڈل پر رکھ دیا اور

انابی کی طرف متوجہ ہوگئی۔

''سونیا! نیچے احزم تم سے ملنے آیا ہے۔ میں نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھایا ہے۔ تم جلدی سے وہاں پہنچو' تب تک میں ملازمہ کے ساتھ مل کر چائے وغیرہ کا اہتمام کرتی ہوں۔'' انابی اسے یہ خبر سنا کر کمرے سے نکل چکی تھیں اور سونیا کے چہرے پر یوسف سے ملنے کی خوشی کا جو رنگ چڑھا تھا وہ احزم کے ملنے آنے کی خبر سن کر ماند پڑ گیا تھا۔ وہ ڈرائنگ روم میں پہنچی تو احزم اسی کا منتظر تھا۔ اس کے ہاتھ میں پھولوں کا بکے تھا۔ سونیا اس کے قریب آئی تو اس نے وہ بکے ایک دل فریب مسکراہٹ کے ساتھ اسے تھمادیا جسے سونیا نے کوئی بھی تاثر دیے بنا تھام لیا اور پھر اس کے قریب بیٹھ گئی۔ تھوڑی دیر تو وہ دونوں بالکل خاموش بیٹھے رہے پھر احزم نے ہی بات کی شروعات کی۔

''سونیا! یہ ہماری پہلی ملاقات ہے اس لیے میرے پاس کرنے کے لیے کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میں آپ کے لیے بالکل انجان ہوں اور آپ میرے لیے۔ ہمارے والدین ہمیں شادی کے بندھن میں باندھنا چاہتے ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ شادی زبردستی کا سودا نہیں ہوتی۔ شادی دو روحوں کا ملاپ ہوتا ہے۔ میرے دماغ میں بس آئیڈیل بیوی کا یہی تصور ہے کہ وہ تن من سے صرف میری ہو۔ اس کی زندگی میں مجھ سے پہلے کوئی نہ ہو۔ وہ میری باتوں کو سمجھے' مجھے سمجھے اور ہاں میں غصے کا بہت تیز ہوں۔ وہ کوئی ایسی حرکت نہ کرے جس پر مجھے غصہ آجائے۔''

احزم نے ہنستے ہوئے کہا لیکن سونیا کا چہرہ کسی بھی تاثر سے بالکل عاری تھا۔ وہ نظریں جھکائے بیٹھی ہوئی تھی۔ احزم کو اس کے رویے سے کافی الجھن محسوس ہو رہی تھی۔ کچھ ہی دیر میں انابی اس کے لیے چائے کے ساتھ ضروری لوازمات لے آئی تھیں۔ انابی کے کمرے میں آتے ہی سونیا کھڑی ہوگئی۔

''سوری احزم! میں آپ کو مزید کمپنی نہیں دے پاؤں گی۔ اس وقت مجھے بہت ضروری کام سے باہر جانا ہے۔'' سونیا نے احزم سے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا اور کمرے سے نکل گئی جبکہ انابی اور احزم اسے دیکھتے رہ گئے۔

''اس کا مطلب ہے میں بالکل ٹھیک سوچ رہا تھا۔ کاشف انکل نے سونیا پر زبردستی دباؤ ڈال کر اسے اس رشتے کے لیے راضی کیا ہے۔'' وہ اسی سوچ میں ڈوبا ہوا تھا کہ انابی نے اس کی طرف چائے کا کپ بڑھایا۔

''نہیں آنٹی! اب میں چلوں گا۔ اس وقت مجھے اجازت دیں۔ میں پھر کسی وقت حاضر ہوں گا۔'' احزم نے اپنی جگہ سے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''لیکن بیٹا' چائے تو پیتے جاؤ۔'' انابی بھی سونیا کے اس طرح چلے جانے پر کافی شرمندگی محسوس کررہی تھیں اس لیے انہوں نے بھی اسے روکنے کے لیے زیادہ اصرار نہیں کیا اور اسے جانے کی اجازت دے دی۔

❖ ❖ ❖

یوسف کب سے ریسٹورنٹ میں بیٹھا کبھی دروازے کو اور کبھی اپنی گھڑی کو دیکھ رہا تھا۔ پھر اچانک دروازے سے اسے ایک پری چہرہ اپنی طرف آتا دکھائی دیا۔ انتظار کی گھڑیاں ختم ہوتے ہی اس نے اللہ کا شکر ادا کیا۔ سونیا اب اس کے سامنے والی کرسی سنبھال چکی تھی۔

''میں کب سے تمہارا انتظار کررہا ہوں' اتنی دیر کہاں لگادی؟ شاید تم جانتی نہیں ہو کہ انتظار کے لمحات کتنے طویل اور تکلیف دہ محسوس ہوتے ہیں۔ انتظار اسی کا کیا جاتا ہے جس نے کوئی امید دلائی ہو۔

امید وہی دلاتا ہے جو آپ کو اپنا سمجھتا ہو۔ اپنا اسی کو سمجھا جاتا ہے جس کے لیے دل میں نیک خیالات ہوں۔ نیک خیالات ان کے لیے ہوتے ہیں جس سے محبت ہو۔ محبت ان سے ہوتی ہے جن کو کوئی تکلیف نہ پہنچائی جائے اور جن کو تکلیف دینی ہوتی ہے ان کو انتظار کرایا جاتا ہے۔'' یوسف نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

''بس اتنے سے انتظار میں تھک گئے اور تم نے جو مجھے پورے ایک مہینے کا انتظار کرایا ہے وہ کسی گنتی میں نہیں آتا؟'' سونیا نے شکوہ آمیز لہجے میں کہا۔

''اچھا تو تم یہ کہنا چاہتی ہو کہ یہ انتظار تم نے اکیلے کیا ہے؟ جی نہیں مس سونیا کاشف! یہ ایک مہینہ گزرنے کا انتظار میں نے بھی اتنی ہی شدت سے کیا ہے جتنا کہ تم نے۔'' یوسف نے بھرپور نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر کہا تو سونیا شرم سے نظریں جھکا گئی۔

''یوسف! کیا تمہارے دبئی سے واپس آنے کے بعد تمہارے پاپا نے تم سے کوئی بات کی ہے؟'' سونیا نے کھوجتی نظروں سے اس کی طرف دیکھ کر پوچھا۔

''کل رات جب میں آیا تھا جب ہی ان سے ملاقات ہوئی تھی اور صرف بزنس کے متعلق باتیں ہوئی تھیں۔ صبح جب میں جاگا تو پاپا آفس جاچکے تھے۔ خیریت تو ہے؟ تم کچھ پریشان لگ رہی ہو۔'' یوسف نے اس کے پریشان چہرے کو بغور دیکھ کر کہا۔

''نہیں یوسف! خیریت ہی تو نہیں ہے۔ تم جانتے نہیں ہو اس ایک ماہ میں اتنے خوفناک انکشافات سامنے آئے ہیں کہ میں تو دہل کر رہ گئی ہوں۔'' سونیا نے اپنے سیدھے ہاتھ کی انگلیوں سے اپنی کنپٹی کو سہلاتے ہوئے کہا۔

''کیا مطلب! میں سمجھا نہیں۔ کیسے انکشافات؟ کھل کر بتاؤ۔'' یوسف نے پریشانی سے پوچھا۔

''یوسف! تمہارے پاپا اور میرے پاپا یونیورسٹی کے زمانے کے بہت جگری دوست ہیں اور یہ بات مجھے ایک ہفتے پہلے ہی پتا چلی ہے۔'' سونیا نے پہلا دھماکا کیا۔ یہ خبر سن کر تو یوسف کچھ دیر کے لیے سناٹے میں آ گیا پھر بے ساختہ مسکراتا ہی چلا گیا۔ سونیا اس کی مسکراہٹ کی وجہ جانتی تھی لیکن ابھی دوسرا دھماکا باقی تھا' سو فوراً بولی۔

''مسکرالو جی بھر کر مسکرالو۔ ابھی جو دوسرا دھماکا میں کروں گی تو وہ نا صرف تمہارے چہرے سے مسکراہٹ غائب کردے گا بلکہ تمہارے ہوش بھی اڑادے گا۔'' سونیا یوسف کو مسکراتا دیکھ کر سنجیدگی سے بولی تو یوسف کی مسکراہٹ فوراً ماند پڑ گئی۔ اب وہ پوری سنجیدگی سے اس کی طرف متوجہ تھا۔ سونیا کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اسے یہ خبر کیسے سنائے۔ وہ اس کے سامنے بیٹھی تذبذب کے عالم میں اپنی انگلیاں مروڑ رہی تھی۔ وہ اسے بتانا چاہتی تھی لیکن الفاظ اس کا ساتھ نہیں دے رہے تھے۔ کافی دیر بعد وہ اپنی تمام تر ہمت جمع کرکے دوبارہ گویا ہوئی۔

''یوسف! تمہارے پیچھے تمہارے والدین نے تمہارا رشتہ طے کردیا ہے۔'' بہت مشکلوں سے اس کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوئے تھے۔

''کیا؟'' یوسف یہ کہتے ہوئے جھٹکے سے کرسی سے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ آس پاس کے لوگ یوسف کی اس حرکت پر اس کی طرف متوجہ ہوگئے تھے۔

''پلیز یوسف! اپنے آپ کو سنبھالو۔ بیٹھ جاؤ۔ لوگ دیکھ رہے ہیں۔'' سونیا نے دبی ہوئی آواز میں کہا تو یوسف کو اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ وہ آس پاس کے لوگوں کو دیکھتا ہوا دوبارہ کرسی پر بیٹھ گیا۔

''تمہارے پاپا نے اپنے یونیورسٹی کے زمانے کے دوست کی بیٹی سے تمہارا رشتہ طے کیا ہے۔'' سونیا

نے اسے باقی کی تفصیل بتاتے ہوئے کہا۔
"ایسا نہیں ہوسکتا۔ پاپا ایسا نہیں کرسکتے' میں خود پاپا سے بات کروں گا۔" یوسف انتہائی پریشانی کے عالم میں بولا۔
"یوسف! یہ پرابلم صرف تمہارے ساتھ نہیں ہے بلکہ میرے ساتھ بھی یہی ہوا ہے۔ میرے پاپا نے بھی اپنے ایک یونیورسٹی کے زمانے کے دوست کے بیٹے سے میرا رشتہ طے کردیا ہے۔" سونیا کے اس انکشافات پر یوسف لرز کر رہ گیا تھا۔
"یوسف! یہ سارے دوست اتنے عرصے بعد ملے ہیں اور اگر ہم اس رشتے سے انکار کرتے ہیں تو اس سے ان کی دوستی پر بھی فرق پڑے گا۔ تم تو جانتے ہو میرے پاپا کو وہ میرے انکار کو کوئی اہمیت نہیں دیں گے۔ بہت مشکل وقت ہے۔ میں تو سوچ سوچ کر پریشان ہوگئی ہوں کہ ہم آخر ایسا کیا کریں کہ ہمارے رشتے بھی ٹوٹ جائیں اور ان دوستوں کی دوستی پر بھی کوئی فرق نہ پڑے۔" سونیا اپنی بات ختم کرکے رکی اور یوسف کے چہرے کا جائزہ لینے لگی جو کسی گہری سوچ میں ڈوبا ہوا تھا۔
"کیا سوچ رہے ہو؟" سونیا کو اس کی خاموشی کھٹک رہی تھی۔
"یہی کہ میں براہ راست اس لڑکی سے مل کر انکار کردوں گا اور انکار کی وجہ بھی بتادوں گا۔" یوسف نے فیصلہ کن لہجے میں کہا۔
"یوسف! میں لڑکی سے مل چکی ہوں۔ زوناب بہت اچھی لڑکی ہے۔ اگر تم اس طرح سے جاکر اسے رد کردو گے تو اسے کتنی تکلیف ہوگی؟ ٹھکرائے جانے کا احساس ہر لڑکی کے لیے تکلیف کا باعث ہوتا ہے۔" سونیا کا انداز سمجھانے والا تھا۔
"تو تم کیا چاہتی ہو؟ میں ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہوں۔ یقیناً زوناب اچھی لڑکی ہوگی لیکن میں اپنی محبت کو اس پر قربان نہیں کرسکتا۔ بس اب میرے پاس یہی ایک راستہ ہے کہ میں اسے سب کچھ بتادوں۔" یوسف نے دوٹوک لہجے میں کہا۔
"یوسف! جلد بازی سے کام نہ لو۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ معاملہ بگڑ جائے۔" سونیا نے تشویش ظاہر کی۔
"سونیا! اب معاملہ سلجھے یا بگڑے لیکن میں اس لڑکی کو سب کچھ بتادوں گا اور اگر پھر بھی ہمارے والدین ہماری شادی کے لیے راضی نہ ہوئے تو ہم کوئی انتہائی قدم اٹھالیں گے۔" سونیا' یوسف کا یہ فیصلہ سن کر کانپ سی گئی تھی۔
"یوسف! یہ سب اتنا آسان نہیں ہے جتنا تم سمجھ رہے ہو۔" سونیا نے احتجاج کیا۔
"سونیا! تم مجھے صرف اتنا بتاؤ کہ تم مجھ پر بھروسا کرتی ہو یا نہیں؟" یوسف نے میز پر رکھے اس کے ہاتھوں کو تھامتے ہوئے پیار سے پوچھا تو سونیا نے فوراً اثبات میں سر ہلادیا۔
"تو بس پھر تم مجھ پر بھروسا رکھو۔ میں کچھ غلط نہیں ہونے دوں گا۔" یوسف نے اسے یقین دلاتے ہوئے کہا تو سونیا کچھ مطمئن ہوگئی۔

✤ ⌘ ❖ ✤ ⌘ ❖

آج صبح ہی رابعہ بیگم کی بہن عذرا کا فون آیا تھا۔ انہوں نے پورے گھر کو دوپہر کے کھانے پر بلایا تھا۔ انہوں نے یہ دعوت خاص نعمان اور فریحہ کے آنے کی خوشی میں کی تھی۔ زوناب کو جب اس دعوت کی خبر ہوئی تو فوراً اس نے ایک منصوبہ بناڈالا۔ اس نے طبیعت کی خرابی کا بہانہ بناکر جانے سے انکار کردیا۔ رابعہ بیگم تو اپنی بہن کو فون پر منع کرنے جارہی تھیں لیکن زوناب نے انہیں بڑی مشکلوں سے روکا اور سب کو دعوت پر جانے کے لیے راضی کرلیا۔ رابعہ بیگم اور سعود زیدی

جاتے وقت اسے بڑی تاکید کرکے گئے تھے۔ زوناب نے اپنے اکیلے ہوجانے کی وجہ سے عمر اور عمیر کو اپنے ساتھ ہی روک لیا تھا۔ ان لوگوں کے گھر سے جاتے ہی وہ بدر کے سر ہوگئی کہ وہ یوسف کو فون کرے۔
"زوناب بی بی! اگر میں نے آپ کا ساتھ دیا تو میرا اس گھر سے دانہ پانی اٹھ جائے گا۔" بدر نے صاف انکار کرتے ہوئے کہا۔
"اگر نہیں دو گے تب بھی تمہارا اس گھر سے دانہ پانی اٹھ جائے گا۔" زوناب نے اسے دھمکاتے ہوئے کہا۔
"آگے کنواں پیچھے کھائی۔ ان کا ساتھ دوں تو بھی پھنسوں اور نہ دوں تو بھی پھنسوں۔ یااللہ مجھے ان شیطانوں کے شر سے بچا۔" بدر نے ہاتھ اٹھا کر رونے والے انداز میں کہا تو زوناب نے ایک گھونسا اس کی پیٹھ پر جڑ دیا۔
"بدر بھائی! آپ ان شیطانوں کی لسٹ میں ہمیں بالکل شامل نہ کریں۔ ہم تو بالکل معصوم ہیں۔ اب شیطان کے ساتھ رہتے ہیں تو تھوڑا اثر تو آئے گا۔" عمر نے احتجاج کرتے ہوئے ٹیڑھی نظروں سے زوناب کو دیکھا جو خونخوار نظروں سے عمر کو گھور رہی تھی۔
"تم لوگ فضول کی باتیں کرکے میرا وقت برباد کررہے ہو۔ وہ لوگ جلدی آجائیں گے اور مجھے جو بھی کرنا ہے ان کے آنے سے پہلے کرنا ہے۔ بدر یہ لو فون نمبر اور ابھی یوسف کو فون کرو اور ہاں فون پر اپنا نام نہ بتادینا اور جب یوسف کے ہاتھ میں ریسیور آجائے تو پھر فون مجھے دے دینا میں خود بات کرلوں گی۔ بس یہی کرنا ہے تمہیں۔" زوناب نے چلاّ کر کہا۔
"اچھا اچھا۔ سمجھ گیا۔ میں بہرا نہیں ہوں جو آپ اتنی زور سے چلارہی ہیں۔" بدر نے اپنے کانوں میں انگلیاں ڈال کر سہلاتے ہوئے کہا۔
"اب جلدی فون کرو۔ مجھے اپنا حلیہ بھی بدلنا ہے۔" زوناب اسے کھینچتے ہوئے فون کے قریب لے گئی تھی۔
یوسف ٹیرس پر بے چینی سے ٹہل رہا تھا۔ رات ہی پاپا نے اس سے رشتے کی بات کی تھی۔ وہ اس وقت اتنے خوش تھے کہ اسے اس وقت انکار کرنا مناسب نہیں لگا۔ وہ پچھلے دو گھنٹے سے انکار کی تدبیر سوچ رہا تھا مگر اسے صرف ایک ہی راستہ نظر آرہا تھا کہ وہ زوناب سے بات کرلے۔ ابھی وہ یہ سوچ ہی رہا تھا کہ فون کی بیل بجنے پر فوراً کمرے میں چلا آیا۔
ریسیور پر یوسف کی آواز ابھری تو بدر نے تھوڑی بارعب آواز میں کہا۔
"جی میں وقار بات کررہا ہوں' مجھے یوسف صاحب سے بات کرنی ہے۔"
"جی میں یوسف بول رہا ہوں لیکن میں تو کسی وقار کو نہیں جانتا۔" یوسف نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ یہ سنتے ہی بدر نے جلدی سے ریسیور پاس بیٹھی زوناب کو تھمادیا۔
"ہیلو یوسف! میں زوناب بات کررہی ہوں۔ وہ دراصل مجھے پتہ نہیں تھا کہ یہ آپ کے بیڈروم کا نمبر ہے اس لیے میں نے احتیاطاً ایسا کیا۔ امید کرتی ہوں آپ نے مائنڈ نہیں کیا ہوگا۔" زوناب نے معذرت خواہانہ لہجے میں کہا۔
"جی میں نے بالکل مائنڈ نہیں کیا۔ کہیے آپ نے کیسے فون کیا؟" یوسف نے بڑی سنجیدگی سے پوچھا۔
"یوسف! میں چاہتی تھی کہ اب ہم دونوں کا رشتہ طے ہو ہی گیا ہے تو کیوں نہ ایک ملاقات ہوجائے۔ میں ابھی اسی وقت آپ سے ملنا چاہتی ہوں۔ کیا آپ آدھے گھنٹے میں میرے گھر پہنچ سکتے ہیں؟" زوناب نے مدعا بیان کیا۔

"آدھے گھنٹے میں......!" یوسف نے کچھ سوچتے ہوئے اس کی بات دہرائی۔ "او کے! میں پہنچ رہا ہوں۔" یوسف نے اطمینان سے کہا اور فون کریڈل پر رکھ کر وارڈ روب سے کپڑے نکال کر واش روم میں گھس گیا۔

زوناب پوری طرح اپنا حلیہ بدل کر آئینے کے سامنے کھڑی اپنی نوک پلک درست کر رہی تھی جب ہی بدر کی کپکپاتی آواز آئی۔

"زوناب بی بی! یہ آپ ٹھیک نہیں کر رہی ہیں۔ اگر بڑی بیگم کو پتا چل گیا تو وہ تہلکہ مچادیں گی۔" وہ رونے جیسی صورت بنائے اس کے سامنے کھڑا تھا جب کہ زوناب اس کی باتوں کو نظر انداز کیے اب تک آئینے میں اپنے آپ کو دیکھ رہی تھی۔

دادی جان کا کرتا اور پاجاما اس کے بدن پر کافی ڈھیلا تھا جسے اس نے بڑی سی چادر اوڑھ کر چھپانے کی کوشش کی تھی۔ بالوں میں سفید پاؤڈر لگایا تھا تاکہ وہ سفید ہوجائیں۔ آنکھوں کے کنارے انڈے کی سفیدی لگا کر جھریاں پیدا کرنے کی کوشش کی تھی تاکہ اس کے خوبصورت چہرے سے کہیں اس کی جوانی جھلک نہ پڑے۔ آنکھوں پر موٹے موٹے شیشوں والا چشمہ لگا کر وہ واقعی کوئی ضعیف عورت لگ رہی تھی۔

"اماں بی آپ کی چھڑی۔" عمر نے زوناب کی طرف چھڑی بڑھاتے ہوئے شرارت سے کہا۔

"یہ چھڑی کہاں سے آئی؟ اسے تو اس وقت دادی جان کے ساتھ ہونا چاہیے تھا۔" زوناب نے حیرت سے چھڑی کو تھامتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں ہونا تو اسے اماں بی کے ساتھ ہی چاہیے تھا لیکن آپ کا بھتیجا کچھ ذہین واقع ہوا ہے اس لیے جب آپ نے اپنی پلاننگ ہمیں بتائی تو اماں بی کے کہنے پر میں نے یہ چھڑی گاڑی میں نہیں رکھی کیونکہ اماں بی کے کردار میں حقیقی رنگ بھرنے میں یہ بہت اہم کردار ادا کرے گی۔" عمر نے اپنے دونوں ہاتھ سینے پر باندھ کر اکڑتے ہوئے کہا۔

"دیکھا بدر تم نے...... یہ بچے کچھ دن میرے ساتھ رہ کر کتنے ذہین ہوگئے ہیں اور ایک تم ہو کتنے عرصے سے میرے ساتھ ہو مگر آج تک کچھ نہیں سیکھا۔" زوناب نے اس کی ٹانگ پر چھڑی رسید کرتے ہوئے کہا تو بدر اچھل پڑا۔

"مجھے تو معاف ہی رکھیے۔ میں ایسے ہی ٹھیک ہوں۔" بدر نے برا سا منہ بنا کر کہا۔

"آنٹی! یوسف بھائی آگئے۔" عمیر نے کمرے میں آکر بتایا۔

"کیا! یوسف آگئے؟ اچھا تم لوگوں کو یاد تو ہے نا تم لوگوں کو کیا کرنا ہے؟" زوناب نے سوالیہ نگاہوں سے ان تینوں کی طرف دیکھا تو ان تینوں نے اثبات میں سر ہلا دیا۔ "تم ابھی تک کسی بھٹکتی ہوئی بدروح کی طرح یہیں کھڑے ہو۔ جاؤ یوسف صاحب کو ڈرائنگ روم میں بٹھاؤ۔ میں تھوڑی دیر میں آتی ہوں۔" زوناب نے بدر کو کمرے میں کھڑا دیکھ کر ڈانٹا تو وہ فوراً کمرے سے نکل گیا۔ وہ جلدی سے چادر کو سر پر جما کر چھڑی ہاتھ میں اٹھائے آگے بڑھی تھی۔

وہ ڈرائنگ روم میں آئی تو یوسف وہاں بیٹھا ہوا تھا۔ وہ جھک کر آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کے قریب آگئی۔ یوسف اس کے ادب میں جلدی سے صوفے سے اٹھ کھڑا ہوا۔

"السلام علیکم!" یوسف نے جھک کر سلام کیا۔

"آئے وعلیکم السلام۔" زوناب نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا اور اس کے قریب ہی بیٹھ گئی۔

"کیسے ہو میاں؟" زوناب دادی جان کو باتیں کرتے دیکھتی رہتی تھی ان ہی طرح پوچھا۔

"جی اللہ کا شکر ہے میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

یوسف نے مسکرا کر بڑے ادب سے کہا۔

"کیا زوناب سے ملنے آئے ہو؟" زوناب نے چشمہ ناک پر کھسکا کر اسے دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ کچھ جھینپ سا گیا۔

"جی۔" وہ سر اثبات میں ہلاتا ہوا بولا۔

"دیکھو میاں، ہمارے یہاں لڑکا لڑکی شادی سے پہلے یوں کھلم کھلا نہیں ملتے۔ یہ بڑی بے شرمی کی بات سمجھی جاتی ہے۔" زوناب کی بات پر یوسف ہڑبڑا سا گیا۔

"جی، لیکن ......" یوسف نے کچھ کہنا چاہا کہ زوناب نے بیچ میں سے ہی اس کی بات کاٹ دی۔

"چھوڑو میاں لیکن ویکن ...... یہ جراثیم تو آج کل ہر نوجوان نسل میں پائے جاتے ہیں لیکن تمہاری معلومات کے لیے بتادوں۔ زوناب اس وقت گھر پر نہیں ہے۔ وہ اپنی خالہ کے یہاں باقی گھر والوں کے ساتھ دعوت میں گئی ہوئی ہے۔" زوناب نے بغور اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔ یہ سن کر یوسف کچھ پریشان سا ہوگیا تھا۔ اس سے پہلے کہ یوسف کچھ بولتا وہ خود بول پڑی۔

"ویسے زوناب بالکل مجھ میں ملتی ہے۔ تم نے مجھے دیکھا سمجھو زوناب کو دیکھ لیا۔ آخر دادی جو ہوں اس کی۔ بہت ملتی ہے مجھ میں۔ بس عادات و اخلاق میں مجھ پر نہیں گئی۔ بہت لڑاکا ہے۔ ضدی تو اتنی ہے کہ پوچھو مت۔ کیوں بچو!؟" اس نے مسکراتے ہوئے عمر اور عمیر کی طرف دیکھا جو اپنی آنٹی کی اداکاری سے لطف اندوز ہورہے تھے۔ زوناب کے پوچھنے پر زور زور سے سر اثبات میں ہلانے لگے۔

"میاں، میں تو حیران ہوں کہ تم نے زوناب سے شادی کرنے کے لیے ہامی کیسے بھرلی؟"

یوسف خاموشی سے انہیں دیکھے چلا گیا تو وہ پھر بولی۔

"ہاں تو میں کیا کہہ رہی تھی؟" زوناب نے کہا۔

"آپ مجھے کچھ بتارہی تھیں۔" یوسف نے یاددہانی کرائی۔

"ہاں میاں، میں یہ کہہ رہی تھی کہ ہے تو وہ میری پوتی لیکن اگر میں تمہیں اس کے بارے میں نہیں بتاؤں گی تو یہ تمہارے ساتھ زیادتی اور دھوکا ہوگا۔ ہر لڑکی کے ماں باپ چاہتے ہیں کہ اگر اس کی بیٹی میں عیب بھی ہوں تب بھی وہ اچھے گھر کی بہو بنے۔ اسی طرح میرے ...... میرا مطلب ہے زوناب کے ماں باپ بھی اس کا گھر بسانا چاہتے ہیں۔" زوناب نے مشکوک انداز میں کہا۔

"میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔ آپ مجھے زوناب کے بارے میں کیا بتانا چاہتی ہیں، پلیز صاف لفظوں میں کہیے۔" زوناب کی باتوں نے یوسف کو الجھا کر رکھ دیا تھا۔

"ہائے بیٹا! کیا بتاؤں۔ میرا تو سوچ کر ہی کلیجہ پھٹنے لگتا ہے۔ مگر تم سے بات چھپانا بھی تو غلط ہے۔" زوناب نے سینہ پیٹتے ہوئے رونے والے انداز میں کہا۔ یوسف بت بنا زوناب کو دیکھ رہا تھا۔

"خیر اب تو تم اس کے شریک سفر بننے جارہے ہو تو تمہیں بتادیتی ہوں۔ میری پوتی پچھلے سات سال سے ہسٹریا کی مریضہ ہے۔ اصل میں یہ اس کی ماں کی خاندانی بیماری ہے۔ رابعہ کو بھی تھی۔ توبہ توبہ، جب اسے دورہ پڑتا تھا تو پورا گھر الٹ دیتی تھی۔ جو چیز ہاتھ میں آتی اٹھا کر ماردیتی تھی لیکن شادی کے پچیس تیس سال بعد یہ بیماری ٹھیک ہوگئی اور زوناب کے ساتھ بھی یہی مسئلہ ہے۔ لیکن تم فکر نہ کرو۔ شادی کے پچیس تیس سال بعد وہ بھی ٹھیک ہوجائے گی۔ ہائے ہائے ان معصوم بچوں سے پوچھو جب زوناب کو دورہ

پڑتا ہے تو وہ کیا درگت بناتی ہے ان کی۔" زوناب نے دکھ بھرے انداز میں عمر اور عمیر کو دیکھا۔

"جی یوسف بھائی! کبھی تو ہم ان کی پھینکی ہوئی چیزوں کو کیچ کر لیتے ہیں اور کبھی وہ چیزیں ہماری ٹانگ، کبھی پیٹ اور کبھی سر پر لگ جاتی ہیں۔" عمیر نے اداکاری کرتے ہوئے باری باری ٹانگ، پیٹ اور سر کو پکڑا۔

"اور یہ ہمارے گھر کا ملازم ہے۔" زوناب نے بدر کی طرف اشارہ کیا۔ "اس بے چارے کا حال بھی ان سے کچھ مختلف نہیں ہے۔"

"جی یوسف صاحب، ذرا بھی ان کے موڈ کے خلاف بات ہوجائے تو وہ مجھے اپنے گھونسوں سے دھنک کر رکھ دیتی ہیں۔" بدر نے انتہائی مظلوم صورت بنا کر کہا اور یوسف ماتھے پر شکنیں سجائے باری باری ان کی باتیں سن رہا تھا اور سوچ رہا تھا کہ یہ حقیقت جاننے کے بعد اب وہ زوناب کا رشتہ آسانی سے ٹھکرا سکے گا۔ زوناب یوسف کے چہرے کے اتار چڑھاؤ بغور دیکھ رہی تھی سوفوراً بولی۔

"میاں، کہیں تم اپنا فیصلہ بدلنے کے بارے میں تو نہیں سوچ رہے۔ اگر ایسا سوچ رہے ہو تو یہ تو تمہارا حق ہے۔ اب کوئی جانتے بوجھتے تو کنوئیں میں چھلانگ نہیں لگائے گا۔" زوناب انتہائی چالاکی سے بولی۔

"اس بارے میں ابھی کچھ نہیں کہہ سکتا۔ فی الحال آپ مجھے اجازت دیں۔ میں اب اپنے والدین کے ساتھ ہی آؤں گا۔" یوسف زوناب سے اجازت لے کر تیز قدموں سے وہاں سے چلا گیا اور زوناب اپنا پلان کامیاب ہوجانے پر خوشی سے بھنگڑا ڈالنے لگی۔ بدر، عمر اور عمیر بھی اس کے ساتھ بھنگڑا ڈالنے میں شامل تھے۔

✣⌘❖✣⌘❖

سونیا کے مسلسل رویے نے یہ بات تو احزم پر صاف واضح کردی تھی کہ وہ اس میں انٹرسٹڈ نہیں ہے۔ جب بھی کبھی احزم اسے اپنے ساتھ کہیں باہر چلنے یا ڈنر وغیرہ کی آفر کرتا، سونیا بڑی سہولت سے انکار کردیتی۔ ان سب باتوں کو مدنظر رکھتے ہوئے احزم نے آخر فیصلہ کرہی لیا کہ وہ سونیا سے مل کر اس رشتے سے صاف انکار کردے گا کیونکہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان کی شادی کسی سمجھوتے کی بنیاد پر ہو۔ کیونکہ وہ جانتا تھا کہ جو شادی سمجھوتے کی بنیاد پر ہوتی ہے وہ زیادہ عرصے تک قائم نہیں رہتی۔ ٹوٹ جاتی ہے۔ احزم نے اپنے مام، ڈیڈ کو بھی اپنے اس فیصلے سے آگاہ کردیا تھا تاکہ اچانک انہیں یہ خبر سن کر دھچکا نہ لگے۔ رضا علی میر احزم کا یہ فیصلہ سن کر تھوڑے غمگین تو ہوئے تھے لیکن وہ اپنے بیٹے کی خوشیوں کو اپنی دوستی کی بھینٹ بھی نہیں چڑھا سکتے تھے اس لیے انہوں نے اس معاملے میں خاموشی اختیار کرلی تھی۔

✣⌘❖✣⌘❖

"ارے میں پوچھتی ہوں اب کس چیز کا انتظار کررہے ہو تم لوگ۔ لڑکا خیر سے دبئی سے آگیا ہے تو بات آگے کیوں نہیں بڑھاتے؟ اس سے پہلے کہ تمہاری لاڈلی اپنا ارادہ بدل دے، جلدی سے اس کی شادی کردو۔" نورجہاں بیگم نے ناشتے کی میز پر سب کو ساتھ دیکھ کر بات چھیڑدی تھی۔

"اماں جان! آپ خوامخواہ پریشان ہورہی ہیں۔ زوناب سمجھدار بچی ہے۔ عباس تو باقاعدہ رشتہ لے کر آنا چاہ رہا ہے مگر سچ بتاؤں تو میں ہی اپنے آپ کو تیار نہیں کرپارہا ہوں۔ زوناب چلی جائے گی تو گھر میں بالکل سناٹا ہوجائے گا۔ اسے اتنی محبتوں سے پالا ہے۔ اب اسے اپنے آپ سے دور کرنا بہت مشکل لگ رہا ہے۔" مسعود زیدی نے اداس لہجے میں کہا۔

"تو کیا بچی کو گھر بٹھا کر رکھو گے؟" نورجہاں بیگم

نے حیرانی سے پوچھا تو سعود زیدی مسکرا دیے۔

''میں نے ایسا کب کہا؟''

''تم نے ایسا نہیں کہا مگر تمہاری باتوں کا مطلب تو یہی ہے۔ تب ہی کہتی تھی بٹی سے اتنا لاڈ نہ کرو اب بھگتو۔ میرا فرض تھا سمجھانا' عمل کرنا نہ کرنا تمہاری مرضی۔ اس گھر کا تو باوا آدم ہی نرالا ہے۔'' نور جہاں بیگم خفا ہوتی ہوئی کرسی سے اٹھ کھڑی ہوئیں اور چھڑی کے سہارے آہستہ آہستہ چلتی ہوئی وہاں سے چلی گئیں۔ رابعہ بیگم شوہر پر ایک نظر ڈال کر ساس کو منانے فوراً ہی ان کے پیچھے لپکیں۔

''پاپا! دادی جان ٹھیک کہہ رہی ہیں۔ ہماری محبتیں اپنی جگہ' ایک نہ ایک دن تو زوناب کو اپنے گھر جانا ہی ہے۔ آپ کب تک اسے گھر بٹھا کر رکھیں گے۔ آپ عباس انکل سے بات کریں کہ وہ جلد از جلد اپنی امانت لے جائیں۔'' نعمان نے پاپا کو سمجھاتے ہوئے کہا۔

''ہاں شاید تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔ میں آج ہی عباس سے بات کروں گا۔'' سعود زیدی نے فیصلہ کن لہجے میں کہا اور آفس جانے کے لیے کھڑے ہوگئے۔

❖⌘+❖⌘+

دن کے بارہ بجنے کو آئے تھے لیکن زوناب تھی کہ اٹھنے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ مجبوراً رابعہ بیگم کو اسے جگانے کے لیے اس کے کمرے میں آنا پڑا۔

''زوناب! اب اٹھ بھی جاؤ۔ دیکھو کتنا دن چڑھ گیا ہے۔'' رابعہ بیگم نے اس کے اوپر سے کمبل کھینچتے ہوئے کہا۔

''جی ماما! اٹھ رہی ہوں۔'' زوناب نے کسمسا کر کروٹ بدلتے ہوئے کہا۔

''زوناب! اگر تمہاری دادی کو پتا چل گیا کہ تم ابھی تک سو رہی ہو تو وہ بہت خفا ہوں گی اور ویسے بھی اتنی دیر تک سونا اچھی بات نہیں ہے۔ اس سے صحت پر بھی برا اثر پڑتا ہے۔'' رابعہ بیگم اس کے سرہانے بیٹھی سمجھا رہی تھیں۔ ''تم جلدی سے فریش ہوجاؤ۔ میں تمہارا ناشتا یہیں بھجوا دیتی ہوں۔ مجھے بہت کام ہے۔ آج یوسف کے والدین بھی آرہے ہیں۔ شام تک مجھے سارے کام نمٹانے ہیں۔'' رابعہ بیگم یہ کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئیں اور زوناب جو ابھی تک پوری طرح بیدار بھی نہیں ہوئی تھی یہ خبر سن کر بھونچکا رہ گئی۔ ابھی وہ اس کیفیت سے باہر نکل بھی نہیں پائی تھی کہ عمر اور عمیر دوڑتے ہوئے اس کے کمرے میں داخل ہوئے۔

''آنٹی! روزِ امید بیم آپہنچا ہے۔ یوسف بھائی اپنے والدین کے ساتھ آج تشریف فرما ہو رہے ہیں۔ اگر آج یوسف بھائی نے اماں بی کے سامنے ہمارا بھانڈا پھوڑ دیا تو ہم تو کسی کو شکل دکھانے کے قابل نہیں رہیں گے۔'' عمیر نے شرمندگی سے اپنا چہرہ چھپاتے ہوئے کہا۔

''دیکھو بچو! ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ یوسف کے بتانے پر اگر دادی جان نے ہم سے پوچھ گچھ کی تو ہم صاف مکر جائیں گے۔'' زوناب نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا۔ حالانکہ اسے خود بھی یہی خوف تھا کہ اگر یوسف نے دادی جان کو سب کچھ بتا دیا تو کیا ہوگا؟

''چلو عمر! ہم روزِ سیاہ منانے کی تیاری کرتے ہیں۔'' عمیر نے کھڑے ہوتے ہوئے کہا۔

''میرا تو خیال ہے کہ ہم واپس جانے کی تیاری کرتے ہیں۔ کم از کم میں تو اماں بی کی مار برداشت نہیں کرسکتا۔ میں ابھی پاپا سے بات کرتا ہوں کہ وہ ہمیں واپسی کے ٹکٹ لادیں۔'' عمر یہ کہتا ہوا کمرے سے نکل گیا۔ عمیر بھی اس کے پیچھے کمرے سے چلا گیا اور زوناب انہیں روکتی ہی رہ گئی۔

آخر وہ مشکل گھڑی آہی پہنچی جب اسے یوسف سمیت دادی جان کا بھی سامنا کرنا تھا۔ وہ ڈرائنگ روم کے باہر کھڑی اندر کے ماحول کا جائزہ لے رہی تھی۔ بظاہر تو اسے ماحول کافی خوشگوار نظر آرہا تھا لیکن ایک انجانا خوف اس پر حاوی تھا۔ اس نے اطمینان سے ایک گہرا سانس خارج کیا اور اندر جانے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ رابعہ کی نظر زوناب پر پڑ گئی۔ انہوں نے اسے آنکھوں کے اشارے سے اندر آنے کے لیے کہا تو مجبوراً وہ اپنے وجود کو گھسیٹتی ہوئی اندر داخل ہوئی۔

''ارے زوناب بیٹی' آؤ۔'' یوسف کی امی نے اسے دیکھتے ہی اپنے پاس بلا لیا۔ وہ یوسف پر ایک نظر ڈال کر ان کے برابر بیٹھ گئی۔ یوسف اب بڑی دلچسپی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''مل تو میں تم سے پہلے بھی چکی ہوں مگر آج خاص طور سے تم سے ملنے آئی ہوں۔ سعود بھائی نے کافی انتظار کرایا ہے ہمیں۔'' یوسف کی امی نے پیار سے اس کے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا۔ زوناب کی کیفیت اس وقت ایسی تھی کہ نہ وہ مسکرا سکتی تھی اور نہ رو سکتی تھی۔

''میرا خیال ہے کہ ہمیں ان بچوں کو تھوڑا ٹائم دینا چاہیے کیونکہ یہ دونوں ایک دوسرے سے پہلی بار مل رہے ہیں۔ اس لیے ہوسکتا ہے کہ ہم لوگوں کی موجودگی میں یہ لوگ بات کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس کریں۔'' سعود زیدی نے بٹی کی پریشانی بھانپ لی تھی۔ سو یہ تجویز سب کے سامنے رکھی جو سب ہی کو پسند آئی۔

''زوناب! تم یوسف کو باہر لان میں لے جاؤ۔'' رابعہ بیگم نے زوناب کی گھبراہٹ دیکھتے ہوئے کہا تو وہ فوراً ''جی'' کہہ کر اٹھ کھڑی ہوئی۔ یوسف کو بھی اس کی تائید میں اٹھنا پڑا۔ وہ تیز تیز قدموں سے چلتی ہوئی باہر لان میں آگئی تھی۔ اس نے یہ بھی نہیں سوچا کہ یوسف اس کے ساتھ ہے۔ وہ شرمندگی کی وجہ سے اس کا سامنا کرنے سے کترا رہی تھی۔ یوسف اس کی کیفیت کو سمجھتا ہوا اس کے قریب آ کھڑا ہوا تھا۔

''زوناب! اس دن میں آپ کے کہنے پر آپ کے گھر آیا تھا۔ آپ تو نہ ملیں البتہ آپ کی دادی سے ملاقات ضرور ہوئی۔ انہوں نے آپ کے بارے میں بہت کچھ بتایا اور یہ بھی بتایا کہ آپ ہسٹریا کی مریضہ ہیں۔ ویسے آپ کو دیکھ کر ایسا لگتا تو نہیں ہے کہ آپ ہسٹریا کی مریضہ ہیں۔'' یوسف نے انتہائی سنجیدگی سے اس کے چہرے کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''پلیز یوسف' میں شرمندہ ہوں۔ دراصل میں ابھی شادی نہیں کرنا چاہتی اس لیے مجھے یہ ڈراما کرنا پڑا۔ آپ پلیز کسی سے کچھ مت کہیے گا۔ مجھے اپنی فکر نہیں ہے۔ دراصل عمر اور عمیر بہت خوفزدہ ہیں۔ وہ بھی میرے ساتھ اس ڈرامے میں شامل تھے۔ دادی جان تو مجھے نہیں چھوڑیں گی اور میرا ساتھ دینے کے جرم میں انہیں بھی نہیں بخشیں گی۔'' زوناب نے روہانسی آواز میں کہا۔

''ریلیکس زوناب' میں نے کسی سے کچھ بھی نہیں کہا ہے اور نہ میرا ایسا کوئی ارادہ ہے۔ ویسے اس دن آپ نے کمال کی اداکاری کی تھی۔ مجھے ذرا بھی شک نہیں ہوا کہ جو خاتون میرے سامنے بیٹھی ہیں وہ بوڑھی نہیں جوان ہیں۔'' یوسف اب باقاعدہ مسکرا رہا تھا۔

''پتا کیسے چلتا۔ آخر میں نے اتنی محنت جو کی تھی۔'' زوناب نے بھی مسکراتے ہوئے فخر سے کہا۔

''زوناب! میں اس دن آپ سے ملنے آیا تھا تاکہ آپ سے مل کر ساری بات کلیئر کردوں۔'' یوسف نے ایک گہری نظر زوناب کے چہرے پر ڈال کر بڑی سنجیدگی سے کہا۔ زوناب کی پوری توجہ یوسف کے سراپا پر مرکوز تھی۔ ''زوناب جو کچھ آپ چاہ رہی ہیں

وہی کچھ میں بھی چاہتا ہوں مگر فرق صرف اتنا ہے کہ آپ ابھی شادی نہیں کرنا چاہتیں اور میں آپ سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔"

یہ پہلا موقع تھا جب زوناب کو کسی نے اس طرح رد کیا تھا۔ برا تو اسے لگا تھا لیکن وہ بھی یہی چاہتی تھی کہ لڑکا خود انکار کرے اور بالکل ویسا ہی ہوا تھا۔ کچھ لمحے توقف کے بعد وہ پھر زوناب سے مخاطب ہوا۔

"زوناب! آپ کو ٹھکرانے کی وجہ یہ نہیں ہے کہ میں آپ کو اپنے قابل نہیں سمجھتا یا آپ میں کوئی کمی ہے بلکہ میں کسی اور لڑکی کو پسند کرتا ہوں اور اس کے علاوہ میں اپنی زندگی میں کسی دوسری لڑکی کو شامل کرنے کا تصور بھی نہیں کرسکتا۔" یوسف نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا۔

"تو پھر آپ اندر جاکر سب سے کہہ دیں کہ آپ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتے اور جس سے شادی کرنا چاہتے ہیں اس کے بارے میں بھی بتادیں۔ اس طرح آپ کا مسئلہ بھی حل ہوجائے گا اور میرا بھی۔" زوناب یہ کہہ کر اندر جانے کے لیے مڑ گئی۔

"لیکن میں ایسا نہیں کرسکتا۔" یوسف نے بڑی بے بسی سے کہا تو زوناب چونک کر اس کی طرف پلٹی۔

"کیوں نہیں کرسکتے؟" وہ کمر پر ہاتھ رکھے اس سے پوچھ رہی تھی۔

"اگر میں انکار کرتا ہوں تو اس سے میرا کام تو بن جائے گا لیکن مجھے خوف ہے کہ اس سے آپ کے پاپا اور میرے پاپا کی دوستی میں فرق آجائے گا۔" یوسف نے پریشان کن لہجے میں کہا۔

"یعنی آپ یہ چاہتے ہیں کہ یہ رشتہ بھی نہ ہو اور دونوں دوستوں کی دوستی بھی قائم رہے۔ تھوڑا مشکل تو ہے لیکن ناممکن نہیں۔ اگر میں نے اپنے پاپا کو یہ بات بتائی تو وہ میرا ہی ساتھ دیں گے اور اگر آپ مجھے اس لڑکی کے بارے میں تھوڑا بہت بتادیں تو میں پاپا سے اس کا بھی ذکر کردوں گی۔ وہ انکل کو سمجھا دیں گے۔ ویسے کیا لڑکی آپ کے خاندان کی ہے؟" زوناب نے بڑی دلچسپی سے پوچھا۔

"نہیں خاندان کی تو نہیں ہے۔ کاشف انکل کی بیٹی ہے۔ سونیا۔" یوسف نے مسکرا کر کہا۔

"اوہ تو وہ سونیا ہے جو آپ کے دل پر راج کررہی ہے۔ آپ کے انتخاب کی تو داد دینی پڑے گی۔" زوناب نے تعریفی نظروں سے اسے دیکھ کر کہا۔

"پلیز زوناب! کوئی ایسی صورت نکالو کہ میں اور سونیا اپنے گھر والوں کی مرضی سے ایک دوسرے کے ہوجائیں اور ان دوستوں کی دوستیاں بھی قائم رہیں۔" یوسف کے لہجے میں التجا تھی۔

"آپ فکر نہ کریں۔ میں کچھ نہ کچھ تو کر ہی لوں گی۔ تھوڑی مشکل تو ہوگی لیکن کوئی بات نہیں۔ ویسے بھی آج کل میرے پاس منصوبے بنانے کے علاوہ اور کوئی کام نہیں ہے۔" زوناب نے مسکرا کر کہا تو یوسف بھی مسکرا دیا۔

رات کے کھانے سے فارغ ہوکر جب سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تو زوناب پاپا کے کمرے میں چلی آئی۔ سعود زیدی کسی کتاب کے مطالعے میں مصروف تھے جبکہ رابعہ بیگم وارڈ روب میں کپڑے رکھ رہی تھیں۔ زوناب کو کمرے میں دیکھ کر دونوں ہی اس کی طرف متوجہ ہوگئے تھے۔

"ماما! پاپا! مجھے آپ لوگوں سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔" زوناب نے پاپا کے برابر میں جگہ سنبھالتے ہوئے کہا۔

"کیا بات کرنی ہے؟" رابعہ بیگم نے اس کے قریب آتے ہوئے پریشانی سے پوچھا۔

"وہ بات یہ ہے کہ میں یوسف سے شادی نہیں

کرسکتی۔" زوناب نے اٹکتے ہوئے کہا تو سعود اور رابعہ زوناب کی اس بات پر اسے حیرانی سے دیکھنے لگے۔

"اب یوسف میں کیا برائی ہے؟" سعود زیدی کا لہجہ بہت نارمل تھا۔

"پاپا! برائی یہ ہے کہ وہ کسی اور لڑکی کو پسند کرتا ہے اور مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔ تو کیا آپ زبردستی میری شادی یوسف سے کرائیں گے؟" زوناب نے حقیقت بیان کی۔

"کیا......! یوسف کسی اور لڑکی کو پسند کرتا ہے تو اس نے یہ بات پہلے کیوں نہیں بتائی۔ اب بتا رہا ہے جب بات اتنی آگے بڑھ گئی۔" ان کے چہرے سے غصہ جھلک رہا تھا۔ رابعہ کی حالت بھی ان سے کچھ مختلف نہیں تھی۔

"پاپا! ابھی کون سی ہماری منگنی ہوگئی ہے۔ بات ابھی اتنی آگے نہیں بڑھی۔ وہ انکار کرکے آپ دونوں دوستوں کے درمیان خلیج پیدا نہیں کرنا چاہتا تھا اس لیے اس نے یہ ساری باتیں مجھے بتادیں۔ اگر وہ چپ رہتا تو یہ بھی تو دھوکا ہوتا نا۔" زوناب نے انہیں سمجھاتے ہوئے کہا تو ان کے چہروں سے غصے کے تاثرات آہستہ آہستہ غائب ہونے لگے۔

"پاپا! اس وقت مجھے آپ کی مدد کی سخت ضرورت ہے۔ یوسف' کاشف انکل کی بیٹی سونیا کو پسند کرتا ہے۔ آپ عباس انکل سے بات کریں اور انہیں ساری صورت حال سمجھائیں اور یہ بھی یقین دلائیں کہ میرا اور یوسف کا رشتہ نہ ہونے پر آپ دونوں کی دوستی پر کوئی فرق نہیں پڑے گا اور ان کو کاشف انکل کے گھر رشتہ بھیجنے پر راضی کریں کیونکہ اگر وہ ایسا نہیں کریں گے تو وہ دونوں کوئی انتہائی قدم اٹھالیں گے۔"

زوناب نے انہیں ساری تفصیل سمجھاتے ہوئے کہا۔ سعود زیدی' زوناب کی باتیں سن کر گہری سوچ میں ڈوب گئے تھے۔

"پاپا! کیا سوچ رہے ہیں۔ آپ میری مدد کریں گے نا؟" زوناب نے معصوم صورت بنا کر پوچھا۔

"زوناب! تم ہمیشہ مجھے کسی نہ کسی امتحان میں ڈال دیتی ہو۔ اب میں تمہاری مدد نہیں کروں گا تو اور کون کرے گا۔" سعود زیدی نے بیٹی کے گالوں کو پیار سے چھوتے ہوئے کہا تو زوناب نے ان کے ہاتھوں کو بے ساختہ چوم لیا۔

"یو آر گریٹ پاپا۔"

"جی مجھے پتا ہے۔" سعود زیدی نے کندھے اچکاتے ہوئے کہا تو زوناب مسکراتی ہوئی ان کے سینے سے جالگی۔

"لیکن سعود' اماں جان......" رابعہ بیگم کچھ کہتے کہتے رک گئیں۔

"تم ان کی فکر نہ کرو۔ میں خود انہیں سنبھال لوں گا۔" سعود زیدی نے انہیں اطمینان دلاتے ہوئے کہا۔

"اوکے پاپا' اب آپ لوگ آرام کریں' کافی رات ہوگئی ہے۔" زوناب یہ کہتی ہوئی کمرے سے نکل گئی اور سعود زیدی کتاب بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھ کر بیڈ پر نیم دراز ہوگئے۔

✢⌘❖✢⌘❖

"خیریت تو ہے سعود! تم نے فون پر فوراً مجھے اپنے آفس آنے کو کہا۔ سب ٹھیک تو ہے نا؟" عباس جلیل نے ان کے آفس میں داخل ہوتے ہوئے گھبراہٹ سے پوچھا۔

"ہاں یار' سب خیر ہے۔" سعود زیدی انہیں دیکھ کر اٹھ کر ان کی طرف چلے آئے تھے اور انہیں لیے ایک صوفے پر بیٹھ گئے تھے۔

"بات ہے تو خاص' اس لیے تمہیں اپنے آفس بلایا ہے۔ اگر گھر پر یہ بات کرتا تو ہنگامی صورت حال

پیدا ہوسکتی تھی۔‘‘سعود زیدی نے مسکرا کر کہا۔

’’یار سعود! تم نے تو میرے ہاتھ پاؤں پھلا دیئے ہیں۔اب بک بھی دو کیا بات ہے؟‘‘ عباس جلیل نے مصنوعی خفگی سے کہا۔

’’بک رہا ہوں۔تم سانس تو لے لو۔‘‘سعود زیدی نے بدستور مسکراتے ہوئے کہا۔

’’میں سانس لے رہا ہوں‘ تم بولو۔‘‘ عباس جلیل نے بے چینی سے کہا۔

’’اچھا عباس‘ یہ بتاؤ کہ میری اور تمہاری دوستی کتنی گہری ہے؟‘‘ سعود زیدی نے عباس جلیل کو جانچتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

’’میں نہیں جانتا کہ تمہیں یہ سوال پوچھنے کی ضرورت کیوں پیش آئی لیکن اب تم نے پوچھا ہے تو میں تمہیں بتاؤں کہ ہماری دوستی سمندر کی گہرائی جتنی گہری ہے اور اگر ہم اس کی گہرائی تک اترنا چاہیں بھی تو نہیں اتر سکتے۔‘‘ عباس جلیل نے بڑے فخر سے جواب دیا۔

’’اس کا مطلب یہ ہوا کہ جو بات میں کہنے جارہا ہوں وہ ہماری دوستی پر اثر انداز نہیں ہوگی۔‘‘ سعود زیدی نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگاتے ہوئے اطمینان سے کہا۔

’’یار تُو اتنی پہیلیاں کیوں بجھوا رہا ہے۔ صاف صاف کیوں نہیں کہتا؟‘‘ عباس جلیل نے جھنجلاتے ہوئے کہا۔

’’عباس! میں اپنی بیٹی کی شادی تمہارے بیٹے کے ساتھ نہیں کرسکتا۔‘‘سعود زیدی نے گویا دھماکا کیا تھا۔

’’یہ کیا کہہ رہے ہو سعود‘ کیا کوئی کمی ہے میرے بیٹے میں؟ کیا وہ تمہیں پسند نہیں ہے؟‘‘ عباس جلیل نے صدمے کی سی کیفیت میں پوچھا۔

’’میں نے ایسا تو نہیں کہا۔یقیناً تمہارا بیٹا لاکھوں میں ایک ہے اور میرا داماد بننے کے لائق بھی ہے لیکن شاید میری بیٹی کے نصیب میں ہی وہ نہیں ہے۔‘‘ سعود زیدی نے افسردہ لہجے میں کہا۔

’’کیا تمہاری بیٹی کسی اور کو......‘‘ اس سے پہلے کہ عباس جلیل اپنا جملہ پورا کرتے‘ سعود زیدی نے بیچ میں سے ہی ان کی بات کاٹ دی۔

’’نہیں میری بیٹی کسی کو پسند نہیں کرتی البتہ تمہارا بیٹا کسی کو پسند کرتا ہے۔‘‘ سعود زیدی نے اطمینان سے کہا۔

’’کیا......! یوسف کسی کو پسند کرتا ہے تو اس الو نے مجھے پہلے کیوں نہیں بتایا؟‘‘ عباس جلیل غصے سے بولے۔

’’عباس‘ دھیرج رکھو۔ جو کچھ میں تم سے کہہ رہا ہوں اسے دھیان سے سنو۔ دیکھو مجھے اس بات کا دکھ ہے کہ تمہارا بیٹا میرا داماد نہیں بن سکتا لیکن اس سے زیادہ خوشی مجھے اس بات کی ہے کہ وہ کاشف کا داماد بنے گا۔‘‘ عباس جلیل بڑی حیران نگاہوں سے سعود زیدی کو دیکھ رہے تھے۔

ہاں...... یوسف‘ کاشف کی بیٹی سونیا کو پسند کرتا ہے اور میں نے یہی کہنے کے لیے تمہیں یہاں بلایا ہے کہ تم یوسف کا رشتہ لے کر کاشف کے پاس جاؤ اور میری طرف سے بے فکر رہو۔ جیسا کہ تم نے ابھی کہا کہ ہماری دوستی سمندر کی گہرائی جتنی گہری ہے یہ اپنی جگہ قائم رہے گی۔ ہم ان بچوں کی خوشیوں کو اپنی دوستی کی بھینٹ تو نہیں چڑھا سکتے نا۔‘‘ سعود زیدی نے بڑے تحمل سے انہیں سمجھایا تو عباس جلیل بھیگی آنکھوں کے ساتھ ان کے گلے لگ گئے۔

’’بس بس‘ اب اتنا زیادہ جذباتی ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔‘‘ سعود زیدی نے انہیں اپنے آپ سے الگ کرتے ہوئے مسکرا کر کہا تو وہ بھی مسکرا دیئے۔

’’لیکن سعود! کاشف نے تو اپنی بیٹی کا رشتہ رضا کے بیٹے کے ساتھ طے کردیا ہے‘ پھر یوسف......‘‘ وہ اپنی بات ادھوری چھوڑ کر سعود زیدی کی طرف دیکھنے لگے تھے۔

’’ابھی رشتہ طے نہیں ہوا ہے۔ رضا مجھے بتا رہا تھا کہ اگر احزم چاہے گا تو یہ رشتہ ہوگا۔ ویسے ان دونوں کا خیال ہے کہ ان کے بچے ان کی دوستی کا بھرم رکھیں گے اور اس رشتے کو قبول کرلیں گے۔ اب کاشف کو تو تم جانتے ہو‘ کتنے سخت مزاج کا ہے۔ اس کی بیٹی احتجاج کرے گی بھی تو وہ کہاں اس کی سننے والا ہے۔ اس لیے میں تو تم کو یہی مشورہ دوں گا کہ تم فوراً کاشف کے گھر رشتہ لے کر پہنچ جاؤ۔ رضا سے میں خود بات کرلوں گا۔‘‘ سعود زیدی نے یقین دلانے والے لہجے میں کہا تو عباس جلیل کچھ مطمئن ہوگئے۔



سونیا لان میں تھی جب اسے انابی نے آکر بتایا تھا کہ اس کے لیے احزم کا فون آیا ہے۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اسے احزم کا فون سننے کے لیے اندر آنا پڑا۔ تھوڑی دیر بعد ہی احزم کو دوسری طرف سے ایک سریلی آواز سنائی دی۔

’’ہیلو۔‘‘

’’ہیلو سونیا‘ میں احزم بول رہا ہوں۔ کیسی ہیں آپ؟‘‘

’’میں بالکل ٹھیک ہوں۔‘‘ سونیا نے مختصر جواب دیا۔

’’سونیا! میں آج آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔ آپ سے بہت ضروری بات کرنی ہے۔ پلیز انکار مت کیجیے گا۔‘‘احزم نے درخواست کرتے ہوئے کہا۔

’’اوکے! کہاں ملنے آنا ہے؟‘‘ سونیا نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔

’’جگہ کا تعین آپ کریں گی یا میں کروں؟‘‘ احزم نے سوال کیا۔

’’آپ ہی کرلیں۔‘‘ دوسری طرف سے بڑی بے نیازی سے کہا گیا۔ پھر احزم نے سونیا کو ملاقات کی جگہ کے بارے میں بتا کر رابطہ منقطع کردیا۔ احزم کی طرف سے رابطہ منقطع ہونے کے بعد سونیا نے جلدی سے یوسف کو فون کرکے ساری صورت حال سے آگاہ کردیا اور اسے یہ بھی بتادیا کہ وہ احزم سے کہاں ملنے جارہی ہے۔ یوسف اور زوناب جو جو پچھلے دو دنوں سے سونیا اور احزم کا رشتہ توڑنے کی پلاننگ بنا رہے تھے اب یوسف نے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا پروگرام بنالیا تھا۔ سونیا کی طرف سے رابطہ منقطع ہونے کے بعد یوسف نے زوناب کو فون کرکے جو کچھ اسے سونیا نے بتایا تھا‘ وہی کچھ زوناب کو بھی بتادیا اور اپنے منصوبے سے بھی آگاہ کردیا۔ سونیا جب ہوٹل پہنچی تو احزم وہاں پہلے سے موجود اس کا انتظار کررہا تھا۔ سونیا آس پاس کا جائزہ لیتی ہوئی احزم کی ٹیبل کے قریب پہنچ گئی۔ احزم نے اسے اپنے سامنے بیٹھنے کا اشارہ کیا تو وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی۔

’’آپ میرے بلانے پر یہاں آئیں اس کے لیے شکریہ۔ میں آپ کا زیادہ وقت نہیں لوں گا۔‘‘ احزم نے بغور سونیا کے چہرے پر نظریں جماتے ہوئے کہا جو اس کی طرف ہی متوجہ تھی۔ تھوڑی دیر خاموش رہنے کے بعد وہ پھر اس سے مخاطب ہوا۔

’’سونیا! میں نے جو بات کرنے کے لیے آپ کو یہاں بلایا ہے وہ یہ ہے کہ ہمارے والدین چاہتے تھے کہ ہم شادی جیسے اٹوٹ بندھن میں بندھ جائیں اور انہیں کافی حد تک یقین بھی تھا کہ ہم اس رشتے سے انکار نہیں کریں گے لیکن شادی زبردستی کا سودا نہیں ہے۔ آپ سے ملنے کے بعد مجھے ایسا لگا کہ

آپ کا جھکاؤ میری طرف نہیں ہے۔ شاید کاشف انکل نے آپ کو زبردستی اس رشتے کے لیے راضی کیا ہے۔ میں آپ کی پوزیشن سمجھ سکتا ہوں۔ آپ ایک لڑکی ہیں شاید اسی لیے انکار نہیں کرپائیں لیکن یہ حقیقت جاننے کے بعد کہ آپ مجھ میں انٹرسٹڈ نہیں ہیں میں آپ سے زبردستی شادی نہیں کرسکتا اور رہا پاپا اور کاشف انکل کی دوستی کا سوال تو وہ اتنی کمزور نہیں ہے کہ ذرا سی ٹھیس سے ٹوٹ جائے۔“

احزم تو اپنی بات ختم کرچکا تھا لیکن سونیا اب تک حیران نگاہوں سے اسے ایک ٹک دیکھے ہی جارہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ احزم کے اس فیصلے پر اس کا ردعمل کیسا ہونا چاہیے۔

”میرا خیال ہے کہ میں نے آپ کو دکھی نہیں کیا' میں......“ وہ ابھی آگے کچھ کہتا کہ زوناب وہاں آدھمکی۔

”ہیلو احزم...... تم کب آئے جرمنی سے؟“

زوناب کے اس طرح مخاطب کرنے پر وہ اسے ہونقوں کی طرح دیکھنے لگا۔ سونیا' زوناب سے تھوڑی ہی دور کھڑے یوسف کو دیکھ چکی تھی جو اسے دور سے ہی خاموش رہنے کا اشارہ کررہا تھا۔ سونیا کو یہ سمجھنے میں ذرا دیر نہیں لگی کہ وہ دونوں یہاں پلاننگ سے آئے ہیں لیکن اب وہ انہیں کیسے سمجھاتی کہ یہ سب کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے اس لیے خاموش تماشائی بنی بیٹھی رہی۔

”ایسے کیا دیکھ رہے ہو؟ کیا بھول گئے پچھلے سال ہماری ملاقات ہوئی تھی۔ پھر تم مجھے بتائے بنا ہی جرمنی چلے گئے تھے۔ کچھ یاد آیا؟“ زوناب نے اس کی گھورتی نگاہوں کو دیکھ کر خفا ہوتے ہوئے کہا۔

”دیکھیے محترمہ! میں آپ کو بالکل نہیں جانتا اور آپ میرے بارے میں اتنا کیسے جانتی ہیں؟“ احزم نے مشکوک انداز میں پوچھا۔

”احزم! تم کتنے بدل گئے ہو۔ اب تو تم یہ بھی کہو گے کہ تم مجھ سے محبت نہیں کرتے اور نہ ہی تم نے مجھ سے شادی کا وعدہ کیا تھا۔“ زوناب نے روتی صورت بنا کر کہا۔

”جی ہاں بالکل' جب میں آپ کو جانتا ہی نہیں تو کیسی محبت اور کیسی شادی۔ کہیں آپ کسی پاگل خانے سے تو نہیں بھاگ کر آئیں؟“ احزم انتہائی سخت لہجے میں بولا۔

”ہاں' اب تو تم یہی کہو گے' پاگل ہی تو تھی جو تم جیسے انسان سے محبت کر بیٹھی۔ تم پر اعتبار کر بیٹھی لیکن میں نے تو کبھی خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ اتنے لمبے انتظار کے بعد تمہارا یہ روپ میرے سامنے آئے گا اور یہ لڑکی کون ہے؟“ زوناب نے سونیا کو بناوٹی زہرخند نگاہوں سے دیکھتے ہوئے کہا۔ ”تمہارا نیا شکار......؟ میری طرح اس کے ساتھ بھی ٹائم پاس کررہے ہو یا......“ زوناب ابھی اپنا جملہ مکمل کر بھی نہ پائی تھی کہ احزم غصے سے چلا اٹھا۔

”بہت ہوگیا محترمہ۔ اب اگر ایک اور لفظ اپنی زبان سے نکالا تو مجھ سے برا کوئی نہیں ہوگا۔“ احزم غصے سے دھاڑا۔ ہوٹل میں موجود تمام لوگ اب احزم کی طرف متوجہ ہوگئے تھے۔ جبکہ زوناب کا تو یہ حال تھا کہ احزم کے غصے کو دیکھ کر خوف سے اس کی ٹانگیں کپکپا رہی تھیں۔ اسے لگا کہ اب وہ تھوڑی دیر اور وہاں رکی تو اس کی خیر نہیں۔

”تم سے برا تو کوئی ہو بھی نہیں سکتا۔ دھوکے باز' جھوٹے' فریبی کہیں کے۔“ زوناب یہ کہہ کر روتی ہوئی وہاں سے چلی گئی تھی۔ سونیا نے دیکھا کہ زوناب کے پیچھے ہی یوسف بھی ہوٹل سے نکل گیا تھا۔ احزم غصے کی حالت میں زوناب کے پیچھے لپکا ہی تھا کہ سونیا نے اسے روک لیا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ زوناب اس وقت

یوسف کے ساتھ ہے اور اگر احزم اس کے پیچھے گیا تو جو گڑبڑ ابھی ہوئی ہے اس سے بڑی گڑبڑ ہوجائے گی۔

”احزم! میرا خیال ہے کہ اس وقت آپ کو گھر جانا چاہیے۔ کیا میں آپ کو ڈراپ کردوں؟ آپ اس وقت کافی غصے میں ہیں اور اس حالت میں ڈرائیونگ کرنا خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔“ سونیا نے ہمدردانہ لہجے میں کہا۔

”نہیں' میں خود چلا جاؤں گا۔“ لہجہ کافی اکھڑا ہوا تھا۔

”اوکے' پھر میں چلتی ہوں۔ اپنا خیال رکھیے گا۔“

سونیا یہ کہہ کر وہاں سے چلی گئی اور احزم کتنی ہی دیر وہاں بیٹھا زوناب کے بارے میں سوچتا رہا۔ یہ لڑکی ہمیشہ میری زندگی میں طوفان برپا کرکے چلی جاتی ہے۔ اب کے ہاتھ آئی تو چھوڑوں گا نہیں۔“ احزم سوچتا ہوا وہاں سے جانے کے لیے اٹھ کھڑا ہوا۔

+ ⌘ ❖ + ⌘ ❖

گھر پہنچتے ہی سونیا نے شدید پریشانی کے عالم میں یوسف کو فون کیا۔ دوسری طرف سے دوسری ہی بیل میں فون اٹھایا جاچکا تھا۔

”ہیلو یوسف' میں سونیا بول رہی ہوں۔“

”مجھے پتا تھا کہ تم مجھے میری کامیاب پلاننگ پر داد دینے کے لیے فون ضرور کروگی۔“ یوسف نے بڑی رعونت سے کہا۔

”جی نہیں' خوش فہمی ہے تمہاری۔ تم جانتے نہیں ہو کہ تمہاری اس گھٹیا پلاننگ نے کتنی بڑی مصیبت کھڑی کردی ہے اور اگر ایسی پلاننگ بنائی ہی تھی تو کم سے کم مجھے تو اپنی پلاننگ سے آگاہ کردیتے۔ مجھے تو زوناب کی فکر ہورہی ہے۔ تم نے اسے کیوں بیچ میں گھسیٹا؟ وہ بے چاری خوامخواہ پھنس گئی۔“ سونیا نے فکر مندانہ لہجے میں کہا۔

”میرے پاس اتنا وقت کہاں تھا کہ میں تمہیں اپنی پلاننگ بتاتا اور میرا خیال ہے کہ میری پلاننگ نے تمہیں اس مصیبت سے چھٹکارا دلادیا ہے۔“ یوسف نے اطمینان سے کہا۔

”تمہاری اس پلاننگ نے مجھے کسی مصیبت سے چھٹکارا نہیں دلایا بلکہ زوناب کو مصیبت میں پھنسادیا ہے۔ یوسف' کم از کم ایک بار تو تم اپنی پلاننگ مجھ سے ڈسکس کرلیتے۔ تم جانتے ہو احزم نے مجھے ہوٹل کیوں بلایا تھا؟“ سونیا نے سوالیہ لہجے میں کہا۔

”نہیں۔“ یوسف نے مختصر جواب دیا۔

”یوسف' احزم نے مجھے یہ کہنے کے لیے بلایا تھا کہ وہ مجھ سے شادی نہیں کرنا چاہتا اور اگر تم نے تھوڑا انتظار کیا ہوتا تو تمہیں یہ سب کرنے کی ضرورت نہیں پڑتی۔“ سونیا کے لہجے میں افسوس تھا۔ دوسری طرف یوسف گومگو کیفیت میں بیٹھا سونیا کی باتیں سن رہا تھا۔

”یوسف تم شاید جانتے نہیں ہو کہ احزم کے پاپا تمہارے اور زوناب کے پاپا کے بھی دوست ہیں۔ اب آگے تم خود سوچ سکتے ہو۔ زوناب نے آج جو کچھ احزم کے ساتھ کیا ہے اس کی وجہ سے احزم بہت غصے میں تھا۔ ابھی تو وہ بھی زوناب کو نہیں جانتا اور جب اسے پتا چلے گا کہ وہ سعود انکل کی بیٹی ہے تب کیا ہوگا اور اگر احزم نے یہ بات سب کو بتادی تب تو اور بھی برا ہوگا۔“ سونیا نے تشویش ظاہر کی۔

”پلیز سونیا! مجھے ڈراؤ مت۔ یہ باتیں تم مجھے پہلے بھی بتاسکتی تھیں۔ اب مجھے کیا معلوم تھا کہ احزم کے پاپا میرے اور زوناب کے پاپا کے بھی دوست ہیں ورنہ میں ایسی پلاننگ کرتا ہی کیوں......؟ خیر جو ہونا تھا وہ تو ہوگیا۔ میرا نہیں خیال کہ احزم' زوناب اور میرے بارے میں جاننے کے بعد کسی کو کچھ بتائے گا۔ میرا خیال ہے ہمیں ابھی اس معاملے میں

خاموشی اختیار کر لینی چاہیے اور احزم کے ردعمل کا انتظار کرنا چاہیے۔" یوسف نے سونیا کو تسلی دیتے ہوئے کہا۔

"اور زوناب......" سونیا نے پریشان کن لہجے میں کہا۔

"اس کی تم فکر نہ کرو۔ میں اسے بھی ان تمام باتوں سے آگاہ کر دوں گا۔ آگے جو ہوگا وہ دیکھا جائے گا۔" یوسف نے اطمینان دلانے والے انداز میں کہا اور تھوڑی دیر اسے سمجھانے کے بعد رابطہ منقطع کر دیا۔

+⌘❖+⌘❖

"احزم! میں نے اور تمہاری مام نے ایک فیصلہ کیا ہے۔" رات کے کھانے کے دوران رضا علی میر نے بات چھیڑتے ہوئے کہا۔ احزم پوری توجہ سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔

"دیکھو احزم! میں تم پر اپنا کوئی بھی فیصلہ تھوپنا نہیں چاہتا۔ بہت جلد سونیا کی شادی عباس کے بیٹے یوسف کے ساتھ ہو جائے گی۔ یہ بات تو تم اچھی طرح جانتے ہو۔" رضا علی میر نے بیٹے کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے کہا۔

"جی۔" احزم نے پانی کا گلاس اٹھاتے ہوئے مختصر جواب دیا۔

"لیکن تم یہ نہیں جانتے کہ پہلے عباس نے اپنے بیٹے کا رشتہ سعود کی بیٹی کے ساتھ کیا تھا لیکن ان دونوں کے ہی بچوں نے اس رشتے سے انکار کر دیا۔" رضا علی میر ایک بار پھر ٹھہر کر احزم کو دیکھنے لگے۔

"ڈیڈ! میں ابھی تک آپ کی بات سمجھ نہیں پایا ہوں۔ آپ یہ ساری باتیں مجھے کیوں بتا رہے ہیں؟" احزم نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں پوچھا۔

"احزم بیٹا! تمہارے سونیا سے رشتے کے انکار کے بعد عباس بھائی نے اپنے بیٹے کا پروپوزل کاشف بھائی کے سامنے رکھا جو انہوں نے قبول کر لیا۔ اسی طرح ہم بھی تمہاری شادی سعود بھائی کی بیٹی سے کرنا چاہتے ہیں۔" ایمن نے پُرامید نظروں سے احزم کی طرف دیکھ کر کہا۔

"اوہ تو آپ لوگ یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح میرے سونیا کو رد کرنے پر عباس انکل سونیا کو اپنی بہو بنانے کے لیے راضی ہو گئے بالکل اسی طرح یوسف کے سعود انکل کی بیٹی کو رد کرنے پر آپ لوگ اسے اپنی بہو بنانا چاہتے ہیں۔ سوری مام ڈیڈ۔ میں آپ کی یہ خواہش پوری نہیں کر سکتا۔" احزم نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"لیکن تم زوناب سے ایک بار مل تو لو۔ وہ بہت اچھی لڑکی ہے اور پھر......" ایمن آگے بھی کچھ کہنا چاہتی تھیں لیکن احزم نے ان کی بات بیچ میں سے ہی کاٹ دی۔

"پلیز مام سونیا کے بارے میں بھی آپ کا یہی خیال تھا۔ پتا نہیں آپ لوگ یہ بات سمجھ نہیں رہے یا سمجھنا نہیں چاہتے۔ ایسا صرف آپ لوگ چاہتے ہیں آپ کے بچے نہیں۔ میں اپنی زندگی اپنی مرضی سے گزارنا چاہتا ہوں۔ اتنا حق تو آپ لوگ مجھے دیں گے نا؟" احزم نے ذومعنی لہجے میں ایمن سے کہا۔ ایمن بیٹے کی بات کا مطلب سمجھ گئی تھیں اس لیے مسکرا کر بولیں۔

"کیا تمہیں کوئی لڑکی پسند ہے؟"

"شاید۔" احزم نے مسکرا کر کہا۔ رضا علی میر جو ماں بیٹے کی باتیں بڑے غور سے سن رہے تھے دوبارہ احزم سے مخاطب ہوئے۔

"بہرحال احزم میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ میں تم پر اپنا کوئی فیصلہ تھوپنا نہیں چاہتا۔ اگر تم ایسا نہیں چاہتے ہو تو میں تمہیں مجبور نہیں کروں گا۔" رضا علی میر نے اطمینان سے کہا۔

"تھینک یو سو مچ ڈیڈ۔" احزم مسکرا کر کہتا ہوا جانے کے لیے کھڑا ہو گیا۔

+⌘❖+⌘❖

یوسف اور سونیا کی منگنی کا دن اتنی جلدی قریب آیا کہ پتا ہی نہیں چلا۔ آج زوناب بے انتہا خوش تھی کہ اس کی وجہ سے آج یوسف اور سونیا ایک دوسرے کے ہو جائیں گے۔

"زوناب! جلدی تیار ہو کر نیچے آؤ۔ سب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔" فریحہ نے زوناب کے کمرے میں آتے ہی کہا۔

"جی بھابی آپ چلیں میں ابھی آتی ہوں۔" زوناب نے بُندے کا لاک لگاتے ہوئے عجلت سے کہا۔ زنگی رنگ کے جارجٹ کے اسٹائلش ٹراؤزر شرٹ اور دوپٹے پر بلاک پرنٹنگ کی دلکشی کے ساتھ سفید رنگ کے دھاگے موتی اور کٹ دانے سے بہترین کڑھت کی خوبصورتی کے ساتھ ساتھ اس کی خوبصورتی بھی نمایاں ہو رہی تھی۔ فریحہ اس پر ایک مسکراتی نظر ڈال کر کمرے سے باہر نکل گئی۔ سعود زیدی جب اپنی فیملی کے ساتھ کاشف ضیاء کے گھر پہنچے تو کاشف ضیاء بڑے پرتپاک انداز میں سعود زیدی سے بغل گیر ہوئے۔ لان تقریباً مہمانوں سے بھر چکا تھا۔ زوناب مہمانوں کے بیچ سے گزرتی ہوئی سونیا کے پاس چلی آئی تھی۔

"ہیلو سونیا بہت بہت مبارک ہو۔" زوناب نے اس کے برابر میں بیٹھتے ہوئے مسکرا کر کہا۔

"شکریہ ویسے تمہیں بہت جلدی خیال آیا مجھے مبارک باد دینے کا۔" سونیا نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

"یوسف کو تو میں مبارک باد پہلے ہی دے چکی تھی۔ اب یوسف کو دوں یا تم کو دوں بات ایک ہی ہوئی نا۔ ویسے یوسف ہے کہاں؟" زوناب کو اچانک یوسف کا خیال آیا۔

"وہ اپنے دوستوں کے ساتھ مصروف ہیں۔ زوناب میں تم سے کچھ کہنا چاہتی ہوں۔" سونیا نے اٹکتے ہوئے کہا تو زوناب چونک کر سونیا کی طرف متوجہ ہوئی۔

"زوناب تم نے جو کچھ بھی ہمارے لیے کیا ہے اس کے لیے میں تمہاری بہت احسان مند ہوں۔"

"پلیز سونیا خدا کے لیے۔ ہمارے پاپا آپس میں دوست ہیں نا تو ہم بھی دوست ہوئے۔ میں نے جو کچھ بھی کیا دوستی نبھانے کے لیے کیا اور دوستی میں یہ احسان وحسان کچھ نہیں ہوتا بس دوستی ہوتی ہے۔" زوناب نے بیچ میں سے اس کی بات کاٹ کر اسے سمجھاتے ہوئے کہا اور سونیا کو نہ چاہتے ہوئے بھی مسکرانا پڑا تھا کیونکہ وہ جانتی تھی کہ ابھی زوناب کچھ بھی نہیں جانتی اور جب اسے احزم کے بارے میں پتا چلے گا تو اسے شدید قسم کا دھچکا لگے گا۔ ایمن رابعہ کے ساتھ باتوں میں مصروف تھیں جب ہی احزم ان کے پاس آ پہنچا تھا۔

"مام میرے موبائل کی بیٹری ڈاؤن ہو گئی ہے۔ کیا میں آپ کا موبائل استعمال کر سکتا ہوں۔"

"کر سکتے ہو۔" یہ کہتے ہوئے ایمن نے جلدی سے اپنا موبائل پرس سے نکال کر احزم کو تھما دیا اور دوبارہ رابعہ بیگم کی طرف متوجہ ہو گئیں۔

"رابعہ! زوناب نظر نہیں آ رہی۔" انہیں اچانک ہی زوناب کا خیال آیا تھا۔

"زوناب سونیا اور یوسف کے ساتھ وہاں بیٹھی ہوئی ہے۔" رابعہ بیگم نے ہاتھ کے اشارے سے زوناب کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ احزم جو موبائل پر کوئی نمبر ملانے میں مصروف تھا دانستہ رابعہ بیگم

کے اشارے پر اس کی نظر سونیا کے برابر بیٹھے سراپے پر جاٹکی۔ اگر ایمن اسے آواز نہ دیتیں تو وہ نہ جانے اور کتنی دیر شاکڈ کی سی کیفیت میں اسے دیکھے ہی جاتا۔

"احزم بیٹا! تم ٹھیک ہو؟" ایمن نے اس کی حالت دیکھ کر فکر مندی سے پوچھا۔

"یس مام! آئی ایم او کے۔" احزم یہ کہتا ہوا آگے بڑھ گیا۔ پھر وہ لمحہ بھی آ گیا جب سونیا اور یوسف نے اپنے اپنے نام کی انگوٹھی ایک دوسرے کو پہنادی۔

زوناب ان کے پاس سے اٹھ کر اپنا دوپٹا سنبھالتی ہوئی آگے بڑھ ہی رہی تھی کہ سامنے سے آتی بچی سے ٹکرا گئی اور اس تصادم کے نتیجے میں بچی کے ہاتھ میں جو کولڈ ڈرنک کا گلاس تھا وہ زوناب کے کپڑوں پر گر گیا۔

"سوری آنٹی۔" بچی نے اپنی غلطی کا احساس ہوتے ہی فوراً زوناب سے معافی مانگی۔

"اٹس او کے۔" زوناب نے اس بچی کی معصوم سی صورت دیکھ کر پیار سے کہا اور واش روم جانے کے لیے اندر کی طرف بڑھ گئی۔

راہداری پار کرتے ہوئے وہ ایک کمرے کے آگے سے گزر رہی تھی کہ اچانک اس کمرے کا دروازہ کھلا اور ایک انجانے وجود نے اس کا ہاتھ کھینچ کر اسے کمرے میں گھسیٹ لیا۔ کمرے میں بالکل گھپ اندھیرا تھا۔ فوری طور پر تو زوناب کی سمجھ میں کچھ نہیں آیا کہ وہ کیا کرے۔ اوپر سے اس وجود نے اسے اتنی مضبوطی سے پکڑا ہوا تھا کہ وہ چاہتے ہوئے بھی اپنے آپ کو اس سے چھڑا نہیں پا رہی تھی۔ پھر اچانک کمرے میں تیز روشنی ہوگئی۔ اس تیز روشنی میں وہ اپنے سامنے کھڑے وجود کو دیکھ کر کانپ سی گئی تھی۔ کچھ دیر تو وہ اسے ہونقوں کی طرح دیکھتی رہی۔ اسے اپنی جان بچانے کا صرف یہی ایک راستہ نظر آ رہا تھا کہ وہ کمرے سے بھاگ جائے اس لیے اس نے اپنے منصوبے کو عملی جامہ پہنانے کا فیصلہ کیا اور برق رفتاری سے کمرے سے نکلنا چاہا مگر احزم نے اس کے منصوبے کو ناکام بنادیا اور اسے بازوؤں سے پکڑ کر دیوار سے لگادیا اور اپنے دونوں ہاتھ دیوار سے اس طرح ٹکائے کہ اس کا وجود اس کے دونوں ہاتھوں کے حصار میں آ گیا۔

"کیوں مس زوناب! یہی نام ہے نا تمہارا..... تم کیا سمجھ رہی تھیں کہ میں تمہیں اتنی آسانی سے چھوڑ دوں گا۔ میں اپنا شکار اتنی آسانی سے نہیں چھوڑتا۔ سعود انکل کا خیال نہ ہوتا تو تمہیں اسی وقت پولیس کے حوالے کر دیتا لیکن نہیں، مجرم تو تم میری ہو اس لیے تمہیں سزا بھی میں ہی دوں گا؟" احزم نے غصے سے دانت پیس کر کہا۔

"آپ میرے پاپا کو کیسے جانتے ہیں؟" زوناب نے خوفزدہ لہجے میں پوچھا۔

"میں آپ کے پاپا کو اس طرح جانتا ہوں کہ وہ میرے ڈیڈ رضا علی میر کے دوست ہیں۔" احزم نے اس کے خوفزدہ لہجے سے لطف اندوز ہوتے ہوئے کہا۔

"کک..... کک..... کیا آپ رضا انکل کے بیٹے ہیں؟" زوناب نے بمشکل ہکلاتے ہوئے کہا۔

"جی ہاں، میں ان ہی کا بیٹا ہوں۔" احزم نے اپنے چہرے پر بلا کی سنجیدگی طاری کی ہوئی تھی۔ احساس ندامت سے آنسوؤں کے قطرے زوناب کی آنکھوں میں موتیوں کی طرح جھلملا رہے تھے۔ وہ اپنی صفائی میں بہت کچھ کہنا چاہتی تھی مگر اس کی زبان اس کا ساتھ نہیں دے رہی تھی۔

"اگر تم نے وہ ڈرامانہ کیا ہوتا تو آج سونیا کی منگنی یوسف کے بجائے مجھ سے ہو رہی ہوتی۔ صرف تمہاری وجہ سے میں اسے اپنی محبت کا یقین دلانے میں ناکام ہوگیا۔ اب تمہاری سزا یہی ہے کہ میں باہر

جا کر سب کو سب کچھ بتادوں۔" احزم بناوٹی غصہ چہرے پر سجائے باہر جانے کے لیے پلٹا تو زوناب نے جلدی سے اس کا بازو تھام لیا۔

"پلیز احزم! صرف ایک چنگاری سب کچھ جلا کر راکھ کردے گی۔ آپ میری غلطی کی سزا دوسروں کو نہیں دے سکتے۔ قصور وار میں ہوں اس لیے سزا بھی مجھے ملنی چاہیے۔ پلیز احزم میری بات کا یقین کیجیے۔ میں سچ کہہ رہی ہوں۔ میں یہ بات نہیں جانتی تھی کہ سونیا کا رشتہ رضا انکل کے بیٹے سے طے ہوا ہے اور نہ ہی یہ بات مجھے یوسف نے بتائی تھی ورنہ میں ایسا کبھی نہیں کرتی۔ سونیا اور یوسف ایک دوسرے کو پسند کرتے تھے اور شادی کرنا چاہتے تھے اس لیے ان دونوں کو ملانے کے لیے میں نے یہ سب کیا۔ اب اگر آپ نے کسی کو کچھ بھی بتایا تو سب کچھ ختم ہوجائے گا۔ ان دوستوں کی دوستی کے ساتھ ساتھ سونیا اور یوسف کا رشتہ بھی ختم ہوجائے گا۔ پلیز ایسا مت کیجیے۔" وہ سسک کر رو پڑی تھی۔ احزم سے اس کا رونا دیکھا نہیں جا رہا تھا۔ وہ اسے چپ کرانا چاہتا تھا لیکن پھر ایک خیال کے آتے ہی رک گیا۔

"ٹھیک ہے، میں کسی کو کچھ نہیں بتاؤں گا لیکن اس لیے نہیں کہ مجھے تم پر ترس آ گیا ہے بلکہ اس لیے کہ قصور صرف تمہارا ہے تو سزا بھی تم ہی کو ملنی چاہیے اور تمہاری سزا یہ ہے کہ تم مجھ سے شادی کرکے یہ سزا بھگتو گی۔" احزم نے زیر لب مسکرا کر فیصلہ کن لہجے میں کہا۔

"کیا؟" زوناب نے بمشکل اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

"میں اپنا پرپوزل تمہارے گھر بھیجوں گا اور مجھے تمہارا جواب 'ہاں' میں چاہیے۔ 'نہ' کہنے کی صورت میں تم جانتی ہو کہ میں کیا کرسکتا ہوں۔" احزم اسے دھمکاتا ہوا کمرے سے نکل گیا اور وہ احزم کا فیصلہ سن کر اپنی جگہ ساکت رہ گئی۔

✣⌘✤✣⌘✤

رضا علی میر اور ایمن لان میں بیٹھے شام کی چائے سے لطف اندوز ہو رہے تھے کہ احزم بھی وہاں چلا آیا۔

"مام، ڈیڈ میں آپ سے ایک بات کرنا چاہتا ہوں۔" احزم نے ان کے سامنے والی کرسی سنبھالتے ہوئے کہا۔

"ہاں کہو۔" رضا علی میر نے چائے کا سپ لیتے ہوئے کہا۔

"آپ لوگ چاہتے تھے نا کہ میں سعود انکل کی بیٹی سے شادی کرلوں؟ میں زوناب سے شادی کرنے کے لیے تیار ہوں۔ مجھے اس رشتے پر کوئی اعتراض نہیں ہے۔" احزم نے ان کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"لیکن اس دن تو تم......"

"جی مام! اس دن میں نے آپ لوگوں کے اس فیصلے پر بہت غور کیا اور بہت غور کرنے کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ آپ لوگوں کا یہ فیصلہ غلط نہیں ہے۔" احزم نے مام کی بات بیچ میں سے کاٹ کر مسکرا کر کہا۔

"احزم تم اندازہ نہیں لگا سکتے کہ مجھے تمہارے اس فیصلے سے کتنی خوشی ہوئی ہے۔ جیسے ہی سونیا اور یوسف کی شادی نمٹ جائے گی، ہم سعود بھائی کے گھر تمہارے لیے زوناب کو مانگنے چلے جائیں گے۔ کیوں رضا؟" ایمن نے مسکرا کر رضا علی میر کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"ہاں، بالکل! جیسا تم کہو۔" رضا علی میر نے بھی مسکرا کر جواب دیا۔

"او کے، اب میں چلتا ہوں۔ مجھے اپنے ایک دوست کے گھر جانا ہے۔" احزم نے اجازت طلب لہجے میں کہا اجازت ملتے ہی وہ لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا

وہاں سے چلا گیا۔

+ ⌘ ❖ + ⌘ ❖

سونیا اور یوسف کی شادی ہوئی تو عباس جلیل نے انہیں فوراً سنگاپور کے ٹکٹ لادیئے کہ وہ وہاں ہنی مون منانے چلے جائیں۔ وہ دونوں اتنی جلدی جانا نہیں چاہتے تھے لیکن عباس جلیل کے کہنے پر انہیں مجبوراً جانا پڑا۔ سونیا اور یوسف کی شادی ہوتے ہی رضا علی میر اور ایمن مسعود زیدی کے گھر زوناب کا رشتہ لے کر پہنچ گئے جو انہوں نے باہمی مشورے اور زوناب کی رضامندی لینے کے بعد قبول کرلیا۔ رضا علی میر فوراً احزم اور زوناب کی شادی کرنا چاہتے تھے اس لیے انہوں نے مسعود زیدی کو صرف دو مہینے کا وقت دیا تھا۔ شادی کی تیاریاں "آشیانہ نور جہاں" اور "میر پیلس" میں زور وشور سے جاری تھیں۔ اس رشتے پر سب ہی خوش تھے سوائے زوناب کے کیونکہ یہ بات تو صرف وہی جانتی تھی کہ دنیا کی نظر میں یہ ایک رشتہ ہوگا لیکن اس کے لیے یہ ایک سزا ہوگی جواب اسے ساری عمر بھگتنی ہوگی۔ شادی کے دن قریب آئے تو قمر نے مستقل اس کے گھر پر ڈیرا جمالیا۔ زوناب کو ستانے کا کوئی موقع فریحہ اور قمر ہاتھ سے جانے نہیں دیتی تھیں۔ مجبوراً وہ بھی کبھی مسکرا کر کبھی شرما کر ان کی باتوں کا جواب دیتی اور جب کبھی بہت تنگ ہوجاتی تو اپنی جان چھڑانے کے لیے ماما کے کمرے کی راہ لیتی۔

دن پر لگا کر اڑے جارہے تھے اور وہ سوچے جارہی تھی کہ اب تک اسے صرف پیار ہی پیار ملا تھا اور اب اسے اپنے شریک سفر کی نفرت ہی ملے گی جو اسے بڑے صبر اور ضبط سے برداشت کرنی ہوگی لیکن کہیں نہ کہیں اسے یہ یقین ضرور تھا کہ وہ اس کی نفرت کو محبت میں بدل دے گی۔

وہ اپنے پورے ہوش رُبا حسن کے ساتھ دلہن کے روپ میں سجی احزم کے برابر میں سر جھکائے بیٹھی تھی۔ کیمرہ مین اور مووی میکر ان خوبصورت لمحات کو اپنے کیمروں اور مووی میں محفوظ کررہے تھے۔ احزم نے اسٹیج پر آتے ہوئے ہی اس کے قیامت خیز حسن کو دیکھا تھا مگر اس کے کزنز وغیرہ بھی وہیں موجود تھے جن کی شرارتی نظروں اور آوازوں سے جھینپ کر وہ اسے دل بھر کر دیکھ بھی نہیں پایا تھا۔

اور پھر وہ لمحہ آپہنچا جب اسے ان پیار کرنے والی ہستیوں کو چھوڑ کر پیا کے گھر جانا تھا۔ رابعہ بیگم تو اتنی برداشت کے باوجود بیٹی کی رخصتی کے وقت اپنا ضبط کھو بیٹھی تھیں۔ نور جہاں بیگم اور مسعود زیدی کا بھی یہی حال تھا۔ وہ لوگ اسے اپنے آپ سے لپٹائے خوش رہنے کی ڈھیروں دعائیں دے رہے تھے۔ بمشکل ہی انہوں نے زوناب کو اپنی محبت کی چھاؤں میں رخصت کیا۔ وہ رخصت ہوکر "میر پیلس" آئی تو وہاں اس کا شاندار استقبال کیا گیا۔ گھر آتے ہی احزم کی بہنوں اور کزنز نے اسے گھیر لیا جبکہ زوناب کو وہ لوگ پہلے ہی کمرے میں بٹھا آئی تھیں۔ بہت مشکلوں سے ایمن نے احزم کی جان ان لوگوں سے چھڑائی اور اسے کمرے میں بھیج دیا۔

+ ⌘ ❖ + ⌘ ❖

دروازہ کھولتے ہی دل موہ لینے والی مہک کے ساتھ کمرے کا نظارہ دیکھ کر وہ بے ساختہ مسکرا اٹھا تھا۔ وہ کمرے میں داخل ہوا تو سامنے پھولوں سے سجے بیڈ پر زوناب کمبل اوڑھے نیم دراز تھی۔ وہ اس سے ایسے ہی رویے کی توقع کررہا تھا۔ ایک لمحے کے لیے اسے زوناب کے اس ردعمل پر بہت ہنسی آئی لیکن اس نے پھر جلدی سے اپنے چہرے پر غصہ طاری کرلیا۔ زوناب اس کی طرف پیٹھ کیے لیٹی ہوئی تھی۔ نیند تو اس کی آنکھوں سے کب کی روٹھ چکی تھی۔ احزم کے کمرے میں آنے سے پہلے وہ جاگ رہی تھی لیکن جیسے ہی اسے یہ محسوس ہوا کہ احزم کمرے میں آچکا ہے تو وہ سوتی بن گئی۔ احزم تیزی

سے چلتا ہوا زوناب کے قریب آ کھڑا ہوا۔ زوناب کی آنکھیں تو بند تھیں لیکن اس کے وجود سے اٹھتی پرفیوم کی تیز خوشبو نے اسے یہ احساس کرادیا تھا کہ وہ اس کے بہت قریب کھڑا ہے۔ احزم نے جھٹکے سے کمبل اس کے اوپر سے ہٹادیا تھا۔ احزم کی اس حرکت پر زوناب ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی تھی اور اسے سوالیہ نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔

"تم کیا سمجھتی ہو کہ میں تمہیں اتنے آرام وسکون کی نیند سونے دوں گا؟ اگر اس دن تم نے وہ ڈرامانہ کیا ہوتا تو آج تمہاری جگہ یہاں سونیا ہوتی۔ میری محبت ہوتی' میری چاہت ہوتی۔" احزم نے انتہائی غصے سے اسے دیکھ کر کہا۔ احزم کو غصے میں دیکھ کر وہ سہم گئی تھی۔

"لیکن احزم! سونیا صرف یوسف سے پیار کرتی تھی تو پھر وہ آپ کو اپنے دل میں جگہ کیسے دیتی۔ اگر آپ کو یہ بات سونیا سے شادی کے بعد پتا چلتی تب آپ کیا کرتے؟ آپ مان کیوں نہیں لیتے کہ آپ کی محبت یک طرفہ تھی۔" زوناب نے بڑی ہمت سے اسے جواب دیا۔

"میں تمہارا لیکچر سننے نہیں آیا ہوں۔ تم نے جو کچھ میرے ساتھ کیا ہے' میں تمہیں صرف اس کی سزا دینا چاہتا ہوں۔" احزم کا لہجہ ذو معنی تھا۔ اس کی بات سن کر زوناب کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا تھا۔

"شادی کے بعد اکثر شوہر اپنی بیویوں کے ساتھ مارپیٹ کرتے ہیں۔ میرے خیال سے یہ طریقہ ٹھیک رہے گا۔" احزم نے کچھ سوچتے ہوئے زوناب کو گھور کر کہا تو زوناب کا دل اچھل کر حلق میں آ گیا۔

"کیا آپ مجھ پر ہاتھ اٹھائیں گے؟" زوناب نے جھٹکے سے بیڈ سے اٹھتے ہوئے روہانسی آواز میں کہا۔

"اگر تمہیں ہاتھ اٹھانے پر اعتراض ہے تو میں ڈنڈا اٹھالیتا ہوں۔" احزم نے اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے سنجیدگی سے کہا۔

"ڈن...... ڈن...... ڈنڈا......!" زوناب نے خوف سے ہکلا کر کہا۔ اس وقت اس کا دماغ بالکل ماؤف ہوگیا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ وہ اپنے آپ کو بچانے کے لیے کمرے سے بھاگے یا واش روم میں چلی جائے لیکن احزم اس کے ارادے بھانپ چکا تھا اس لیے اس کا بازو پکڑ کر اتنی زور سے دھکا دیا کہ وہ بیڈ پر گر سی گئی۔ زوناب کے بالوں کی چند لٹیں جھٹکے سے گرنے کی وجہ سے اس کے دلکش چہرے پر آ گئی تھیں۔ احزم آہستہ آہستہ اپنا ہاتھ اس کے چہرے کے قریب لے گیا۔ زوناب نے خوف سے آنکھیں سختی سے میچ لیں لیکن یہ وہ کیا کررہا تھا۔ اس کے چہرے پر آئی ان آوارہ لٹوں کو اس کے چہرے سے پرے کررہا تھا۔

اس نے بے یقینی سے آنکھیں کھولی تھیں۔

+ ⌘ ❖ + ⌘ ❖

"کیوں زوناب! ابھی سے گھبرا گئیں۔ اب تو تمہیں اسے ساری زندگی جھیلنا ہے۔ تم نے کیا سوچا تھا کہ اسے اپنی محبت سے جیت لوگی۔ تم اس کے دل میں کبھی بھی اپنی جگہ نہیں بناسکتیں کیوں کہ سونیا ہی اس کی زندگی' اس کی محبت اور شاید اس کی خواہش ہے۔ تم اس سے اتنی امیدیں کیوں وابستہ کرچلی ہو؟ اس نے تم سے شادی صرف تمہیں سزا دینے کے لیے کی ہے نہ کہ رشتۂ الفت بنانے کے لیے۔" زوناب کو اندر سے کسی نے جھنجوڑا تھا۔ وہ بوجھل قدموں سے اپنی آنکھوں سے آنسو صاف کرتے ہوئے صوفے پر جا ٹکی تھی۔ وہ بنا آنکھیں جھپکائے اسے ایک ٹک دیکھے ہی جارہی تھی۔

"تم تو مجھے ایسے دیکھ رہی ہو جیسے میں اس دنیا کی مخلوق ہی نہیں ہوں۔" احزم شرارت سے اس کی طرف دیکھ کر بولا۔

"احزم! میں مانتی ہوں کہ میں قصوروار بھی ہوں

اور سزا کی مستحق بھی۔ یہاں آنے سے پہلے میں اپنے آپ کو ہر سزا کے لیے تیار کر کے آئی تھی لہٰذا اب آپ نے جو فیصلہ کیا ہے وہ آپ مجھے سنا دیجئے۔" زوناب نے چہرے کا رخ پھیر کر نارمل لہجے میں کہا لیکن وہ جانتی تھی کہ یہ کہنے کے لیے اسے کتنی قیامتوں سے گزرنا پڑا تھا۔ وہ اس کے ساتھ رہ کر ہر سزا بھگتنے کو تیار تھی لیکن شاید اسے ہی اس کا ساتھ گوارا نہیں تھا۔

"ہاں آج میں تمہیں اپنا فیصلہ سنا کر اس سزا سے رہائی دے دوں گا۔" احزم نے اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے کہا۔ وہ ہنوز اس سے رخ پھیرے بیٹھی تھی۔ احزم نے ٹھوڑی سے پکڑ کر اس کے کومل چہرے کا رخ اپنی طرف کیا تو وہ حیران نگاہوں سے اسے دیکھنے لگی۔

"میں نے فیصلہ کیا ہے کہ آج میں تمہیں ساری حقیقت بتا دوں گا۔ کیا تم حقیقت جاننا چاہتی ہو؟" احزم نے مسکرا کر اس کا نازک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے سوال کیا۔ زوناب کو اس وقت وہ شخص کسی پہیلی سے کم نہیں لگ رہا تھا۔

"زوناب حقیقت بس یہی ہے کہ......

تم سے ملنے کے بعد
حسرتیں مچل اٹھیں
ارماں تڑپ اٹھے
خواہشیں جاگ اٹھیں
تم سے ملنے کے بعد
میرے دل کے ویراں
اجڑے ہوئے گلشن میں
ہزاروں پھول کھل اٹھے
تم سے ملنے کے بعد
میرے من کے پیاسے
سوکھے صحرائیں
بادل برس اٹھے
تم سے ملنے کے بعد

"یہ کیا! میں اتنا خوبصورت انکشاف کر رہا ہوں اور تم رو رہی ہو؟" احزم نے اس کی آنکھوں میں چمکتے آنسو دیکھ کر پریشانی سے کہا۔ آنسوؤں پر اس کا اختیار نہ تھا۔ وہ بے اختیار ہی اس کی آنکھوں سے جاری تھے۔ زوناب کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ اس پر یقین کرے یا نہ کرے۔ کہیں وہ اس کے جذبات سے کھیل تو نہیں رہا؟ اس وقت کئی سوچوں نے اس کے دماغ میں ڈیرے ڈال رکھے تھے۔ وہ اپنے ہونٹوں کو بے دردی سے اپنے دانتوں سے کاٹ رہی تھی۔ احزم اس کے ہر عمل کو بڑی دلچسپی سے دیکھ رہا تھا۔

"اس بے چارے پر اتنا ظلم مت کرو۔ تمہارا مجرم میں ہوں تو سزا بھی مجھے ملنی چاہیے۔" احزم نے شرارت سے کہا لیکن دوسری طرف گہری خاموشی تھی۔ زوناب کا چہرہ تمام تاثرات سے خالی تھا۔

"زوناب! میں جانتا ہوں کہ تمہیں میری چاہت پر یقین نہیں آ رہا لیکن میں تمہیں اپنی چاہت کا یقین دلانا چاہتا ہوں۔ ہاں زوناب! تمہاری ایک جھلک ہی مجھے تمہارا دیوانہ بنا گئی تھی' جب تم مجھ سے گفٹ شاپ میں ٹکرائی تھیں۔ تب ہی میں اپنا آپ ہار بیٹھا تھا اور پھر جب تم نے ہوٹل میں وہ ڈراما کیا تب میں نے فیصلہ کر لیا کہ اب تم میرے ہاتھ آئیں تو تمہیں چھوڑوں گا نہیں اور دیکھو میں اپنے فیصلے کا کتنا پکا ہوں۔ آج تم میرے ساتھ ہو۔ میری زندگی میں شامل ہو۔ سونیا کی منگنی والے روز مجھے پتا چلا کہ تم سعود انکل کی بیٹی ہو تب میں نے بھی ایک پلان بنا ڈالا۔ میں جانتا تھا کہ تم اتنی آسانی سے مجھ سے شادی کے لیے ہاں نہیں کرو گی اس لیے مجھے وہ ڈراما کر کے دھمکانا پڑا تاکہ تم ہاں کر دو۔ آئی ایم سوری بٹ آئی ریئلی لو یو۔" احزم نے محبت سے بھرپور لہجے میں اس کی آنکھوں میں جھانک کر

کہا تو وہ جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس سے چھڑا کر کھڑی ہو گئی۔

"ڈراما تو اب بھی آپ بہت اچھا کر رہے ہیں۔ آپ کیا سمجھتے ہیں میں آپ کی ان جھوٹی پُر فریب باتوں میں آ جاؤں گی؟ سچ اور جھوٹ کا یہ کھیل اب آپ ختم کیوں نہیں کر دیتے؟ پہلے آپ نے مجھے دھمکا کر یہ جھوٹا رشتہ بنایا اور اب آپ چاہتے ہیں کہ میں آپ کی اس جھوٹی محبت کا یقین کر کے ایک اور دھوکا کھاؤں؟ آپ کی ان باتوں پر یقین کر کے اپنی آنکھوں میں سپنے سجاؤں اور پھر آپ کے دل میں جو بدلے کا جذبہ پل رہا ہے اس کی تسکین کے لیے آپ میرے سپنوں کو چکنا چور کر دیں۔ نہیں احزم علی میر! میں ایسا ہرگز نہیں کروں گی۔" وہ غصے سے تڑخ کر بولی۔

"نہیں زوناب! تم غلط سوچ رہی ہو۔" احزم کو اس سے اتنی تلخ گوئی کی امید نہیں تھی۔ احزم تڑپ کر اس کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔

"خدا کے لیے زوناب! میرا یقین کرو۔ میں صرف تمہیں ستا رہا تھا اور وہ سب مذاق تھا۔ میرا یقین کرو اس دن میں نے سونیا کو بھی یہی کہنے کے لیے ہوٹل بلایا تھا کہ میں اس سے شادی نہیں کرنا چاہتا۔ میں اپنی بات اس سے کہہ چکا تھا جب تم وہاں پہنچیں اور حقیقت سے لاعلمی کی بنا پر تم نے وہ ڈراما انجام دیا۔ سونیا کی منگنی والے روز ہی میں اسے ساری حقیقت سے آگاہ کر چکا تھا اس لیے میں نے اس سے مدد کی درخواست کی جو اس نے کافی دیر بحث کے بعد قبول کر لی۔ میں نے ہی اسے منع کیا تھا کہ وہ تمہیں یہ نہ بتائے کہ میں اس سے شادی سے پہلے ہی انکار کر چکا تھا۔ زوناب! میں نہیں جانتا کہ میری وضاحتیں تمہیں میری محبت کا یقین دلا پائیں گی یا نہیں لیکن میرے دل میں' آنکھوں میں' سپنوں میں صرف تم ہو۔ میری محبت' میری چاہت صرف تم ہو۔ زوناب میں تمہیں کچھ دکھانا چاہتا ہوں۔"

احزم یہ کہتا ہوا اسے حیران اور پریشان چھوڑ کر کمرے سے چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد جب وہ کمرے میں واپس آیا تو اس کے ہاتھ میں ایک پورٹریٹ تھا۔

"پینٹنگ میرے بچپن کا شوق ہے۔ اس دن جب تم مجھ سے گفٹ شاپ میں ٹکرائی تھیں تو میں ایک لمحے کے لیے بھی تمہیں اپنے خیالوں اور تصور سے دور نہیں کر سکا تھا۔ تو تمہاری یہ پینٹنگ بنا ڈالی۔" احزم نے پورٹریٹ اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا جسے اب وہ محویت سے دیکھ رہی تھی۔

"کیا میں اپنی زوجہ محترمہ کو اپنی محبت کا یقین دلانے میں کامیاب ہو گیا ہوں؟" احزم نے اس کی طرف جھک کر شرارت سے پوچھا۔

"بالکل نہیں۔" زوناب نے اپنی مسکراہٹ چھپاتے ہوئے سنجیدگی سے پورٹریٹ اس کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے کہا۔ "محض اس پورٹریٹ کو دیکھ کر میں آپ کی محبت کا یقین کیسے کر لوں؟" وہ اس سے رخ موڑ کر بیڈ پر بیٹھ گئی۔

"مجھے آپ کی محبت پر یقین نہیں ہے۔" وہ بات بناتے ہوئے وہاں سے جانے کے لیے کھڑی ہوئی تو احزم نے اس کا ہاتھ پکڑ کر دوبارہ اسے اپنے نزدیک بٹھا لیا۔

"لگتا ہے مجھے تمہیں اپنی محبت کا یقین دلانا ہی پڑے گا۔ بعد میں مجھ سے شکایت مت کرنا۔" احزم نے اسے اپنی بانہوں میں بھرتے ہوئے شرارت سے کہا تو وہ شرم سے نظریں جھکا گئی۔ احزم نے اپنی محبت کی مہر اس کے ماتھے پر ثبت کی تو زوناب نے شرما کر اپنا چہرہ اس کے کشادہ سینے میں چھپا لیا۔ آج اسے شدت سے محسوس ہوا کہ واقعی اس سے ملنے کے بعد اس کی کھردری اور بے مزہ زندگی میں چپکے سے بہار آ گئی ہے۔



قسط نمبر 2

بھیگی پلکوں پر

اقراٗ صغیر احمد

جفائیں کر کے نہ اپنے کاندھوں پر بار کرنا
محبتوں کو عبادتوں میں شمار کرنا
قدم تمہارے سمندروں کو سمیٹ لیں گے
کبھی محبت کے ایک دریا کو پار کرنا

دادی کی زوردار چیخ، بھاگتے دوڑتے قدموں کی آوازیں اور پھر گویا گھر میں ایک طوفان سا اٹھ گیا تھا۔ اس کے حواس دادی کی چیخ سن کر منتشر ہوئے تھے، وہ ابھی سنبھل بھی نہ پائی تھی کہ باہر سے آتی آوازوں میں مزید اضافہ ہوگیا تھا۔ حیرت و استعجاب میں ڈوبی ہوئی آوازیں اب قہقہوں و مسرتوں میں بدل گئی تھیں۔ وہ جو دادی کی چیخ سن کر خوف زدہ ہوگئی تھی اور سمجھی تھی شاید ڈاکو گھر میں گھس آئے ہیں۔ باہر سے ہنسنے، بولنے کی آوازیں سن کر تیزی سے دھڑکتے دل کے ساتھ ہال روم کی طرف بڑھی تھی۔ اندر باہر کی تمام بتیاں جل رہی تھیں۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آدھی رات کو کون سے ایسے مہمان آگئے تھے جن کے استقبال کو پورا گھر ہی بیدار ہوچکا تھا۔ نا صرف بیدار ہوا تھا بلکہ خوش اخلاقی کا مظاہرہ بھی ازحد فراخدلی سے کیا جارہا تھا۔

"ارے کہیں تائی جان تو نہیں آگئیں اس لکڑ بگھے کے ساتھ......؟" اچانک ایک خیال بجلی کی طرح اس کے ذہن کو جھٹکا دے گیا اور وہ اندر جاتے جاتے ہال روم کے اطراف میں بنی گیلری میں آگئی جہاں سے وہ اندر کا منظر بخوبی دیکھ سکتی تھی کیوں کہ دروازے کے اوپری حصے میں معمولی سا چھید تھا۔ اس کا جب بھی اجنبی مہمانوں کو دیکھنے کا ارادہ ہوتا تو وہ اپنا خفیہ ذریعہ استعمال کرتی تھی۔ اس نے اندر دیکھا تو معلوم ہوا کہ سب ہی کمرے میں موجود ہیں کاسنی ساڑھی میں دادی کے پہلو میں بیٹھی ہوئی وہ تائی ہی تھیں جن کے خوب صورت چہرے پر مسکراہٹ تھی۔

"اوہ......! میرا اندازہ درست ثابت ہوا یہ لوگ آگئے۔ مگر ان کو تو ایک ہفتہ بعد آنا تھا......اتنی جلدی کیوں آگئے یہ لوگ؟" وہ سوچتی ہوئی دروازے سے دور ہوئی اور دبے قدموں سے چلتی ہوئی اپنے کمرے میں آکر بیڈ پر لیٹ گئی۔

”یہ کمرا اب مجھ سے چھین لیا جائے گا۔ میرے ساتھ وقت ایسا ہی ظلم کرتا ہے۔ ہمیشہ مجھ سے میری عزیز ترین چیز چھین لی جاتی ہے۔ نا جانے کب تک میرے ساتھ یہ سب ہوتا رہے گا؟“ آنسو آنکھوں سے نکل کر تکیے میں جذب ہوگئے تھے وہ سونے کی سعی کرنے لگی۔



”آنے سے پہلے فون کر دیتے، ایئر پورٹ پر سب لینے آجاتے ہم۔“ اماں جان بہو کو سینے سے لگائے دعائیں دینے کے بعد طغرل کی طرف بڑھی تھیں جس نے خود آگے بڑھ کر ان کو لپٹا لیا تھا اور کئی منٹ تک ان کو بازوؤں میں بھینچے کھڑا رہا تھا۔ بڑی عقیدت، بڑی محبت تھی اس کے انداز میں...... دادی نے اس کی پیشانی چومی اور سر پر ہاتھ پھیرا تو اس کو خاصا جھکنا پڑا تھا۔

”ماشاء اللہ! خوب قد نکال لیا ہے تُو نے طغرل۔ اپنے باپ اور چچا کو بھی پیچھے چھوڑ دیا ہے۔“ دادی بلائیں لیتی ہوئی محبت سے بولیں۔

”مجھے تو لگ رہا ہے اماں جان اس کی پیشانی چومنے کے لیے آپ کو اسٹول استعمال کرنا پڑے گا۔“ فیاض صاحب کی بات پر قہقہہ لگا۔

”ارے میاں! ماشاء اللہ کہو۔ آنکھیں ترس گئی تھیں اس کی پیاری صورت دیکھنے کے لیے۔ ایک ایک دن گن گن کر گزار رہی تھی میں۔“ وہ اس کو نثار ہو جانے والی نگاہوں سے دیکھتی ہوئی گویا ہوئیں۔

”تب ہی تو جیسے ہی مجھے اطلاع ملی کہ کسی کے دو ٹکٹ کینسل ہوئے ہیں، فوری طور پر میں نے وہ سیٹس بک کروالیں اور ہم یہاں آگئے کہ ایسا موقع بار بار نہیں ملتا ہے اور آپ لوگوں کو اطلاع اس لیے نہیں دی کہ آپ کو حیران دیکھ کر جو مزا ملا وہ اس خوشی سے بڑھ کر ہے۔“ طغرل نے بڑے لاڈ سے دادی کے شانے پر چہرہ ٹکاتے ہوئے کہا تھا۔ وہ اس کی ادا پر نہال ہو ہو گئی تھیں۔ مذنہ بیگم سب سے مل رہی تھیں۔ عادلہ، عائزہ اور سب میں چھوٹی آبرو جو سوئی وجاگی سی کیفیت میں ان دو افراد کو دلچسپی سے دیکھ رہی تھی۔ مذنہ نے اس گول مٹول سی گڑیا کو پیار کیا تھا جو ان کے پاکستان سے جانے کے بعد اس گھر میں پیدا ہوئی تھی اور پر رونق اضافہ تھی۔

”آنٹی! آپ کے سرپرائز نے ہمارے منصوبوں پر پانی پھیر دیا۔“ عادلہ نے ان سے ملتے ہوئے شکوہ کر ڈالا تھا۔

”اوہ...... سوری ڈیئر! دراصل یہ سب طغرل کی وجہ سے ہوا ہے۔“ وہ اس کا رخسار تھپتھپا کر مسکراتے ہوئے بولیں۔

”ہم نے کپڑے تیار کروائے تھے، جوتے جیولری سب خاص الخاص بنوائے تھے کہ ایئر پورٹ جائیں گے۔“ عائزہ نے بھی اظہار افسوس کیا۔

”کوئی بات نہیں ہے بیٹا! ابھی بہت مواقع آئیں گے۔ آپ کو سب کچھ استعمال کرنے کا موقع ملے گا، اب آپ جا کر بھابھی اور طغرل کے لیے کھانے کا انتظام کرو۔“ فیاض صاحب کو بچیوں کا بات کو دہرائے جانا قطعی پسند نہ آیا تو ان کے احساس دلانے پر صباحت بھی خجل سی ہو کر اٹھیں۔

”کھانے کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔ ہم نے جہاز پر کھا لیا تھا۔ اس وقت صرف چائے چلے گی۔ طغرل آپ کیا لیں گے؟“

”ہم بھی چائے پئیں گے اگر سب پئیں گے تو......“ اس نے صباحت کی گود سے آبرو کو لیتے ہوئے ماں کو جواب دیا۔ آبرو جو نئے چہرے اور نئے لوگوں کو دیکھ کر پہلے ہی شرما رہی تھی۔ طغرل کی گود میں جا کر مزید شرمانے لگی۔ صباحت چائے بنانے چلی گئیں تو دادی نے عادلہ اور عائزہ کو مذنہ اور طغرل کے لیے کمرے درست کرنے کا حکم صادر کر دیا۔

”اماں جان! پری گھر میں موجود نہیں ہے کیا......؟“ مذنہ نے صباحت اور لڑکیوں کے جانے کے بعد اس کی غیر موجودگی محسوس کی تھی۔

”رات دیر سے سوئی تھی وہ، اس وجہ سے اس کی آنکھ نہیں کھلی ہوگی۔“ انہوں نے ان کی دل آزاری کے خیال سے بات سنبھالی تھی وگرنہ وہ جانتی تھیں کہ پری گہری نیند سونے کی عادی نہ تھی، وہ یقیناً بہت پہلے بیدار ہو گئی ہوگی۔ مگر حقیقت جاننے کے بعد اس طرف آنے سے گریز کیا ہوگا۔

”کیسی ہے وہ......؟ اب تو بالکل بدل گئی ہوگی؟ اسے دیکھے کئی سال گزر گئے۔ سب کی تصویریں ہمارے پاس ہیں ماسوائے پری کے...... بارہا کہنے کے باوجود اس نے اپنی کوئی تصویر ہمیں نہیں بھیجی۔

”ارے بہو! بڑی عجیب لڑکی ہے، وہ کوئی تصویر بنواتی کب ہے۔“ دادی نے پورے خلوص سے سچائی بیان کی۔

”دادی جان! وہ موٹی بھینس ابھی تک احساس کمتری کا شکار ہے؟“ آبرو کے کان کھینچتا وہ ہنس کر استفسار کرنے لگا۔

”طغرل! پلیز...... آتے ہی جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں ہے، وہ بہت اچھی لڑکی ہے۔“ مذنہ نے فوراً بیٹے کو ٹوکا۔

”مما وہ اچھی نہیں، موٹی لڑکی ہے۔ زمین کا بوجھ ہے۔“

”اماں جان! آپ دیکھ رہی ہیں یہ کیا کہہ رہے ہیں پری کے بارے میں......؟“ انہوں نے کن اکھیوں سے فیاض صاحب کی طرف دیکھتے ہوئے آہستگی سے کہا۔ اسی لمحے صباحت چائے اور دیگر لوازمات ٹرالی پر رکھے آئیں تو باتوں کا دوسرا سلسلہ شروع ہو گیا جو صبح تک چلتا رہا۔



امید کی شاخوں پر
آرزوؤں کی کلیاں کھل چکی ہیں!
نہ معلوم یہ کلیاں کبھی پھول بن پائیں گی۔
یا شاید......!
خواہشوں کے مزار پر
سوکھے پتوں کی طرح بکھر جائیں گی!

سالانہ امتحانات عنقریب ہونے والے تھے اور وہ ان دنوں انوکھے امتحان میں مبتلا تھی۔ محبت کے امتحان میں، محبت اگر آگ تھی تو اسے بھڑکانے میں وردہ پوری طرح شامل تھی۔ وہ دعوے تو بے حد گہری دوستی کے اس سے کرتی تھی مگر اپنے کزن سنی کی طرف داری اس سے زیادہ کرتی تھی۔ کالج، کوچنگ اور گھر آ کر بھی اس کی زبان پر سنی کی باتیں ہوتی تھیں۔ سنی کے مشاغل، اس کی پسند، ناپسند، اس کی عادات ومزاج، اس کے معمولات سمیت سب پر وہ بے تکان بولتی اور وہ جو پہلے اس ذکر سے گھبراتی اور گریز کرتی تھی۔ اب اس کو یہ سب سننا اچھا لگتا تھا، کئی بار ایک موضوع کو سننا اچھا لگتا تھا۔ وردہ امتحانات کی تیاری کے بہانے اس کے ہاں تقریباً روز ہی آنے لگی تھی اور امتحان کی تیاری کی بجائے محبت کی تیاریاں کروانے میں مصروف رہتی تھی۔ اب بھی وہ رجاء کے قریب بیٹھی سلمان کی بے قرار راتوں و بے تاب دنوں کی داستان سنا رہی تھی اور وہ لبوں پر شرمیلی مسکان سجائے سن رہی تھی۔

”محبت اتنی مستحکم ہوتی ہے کہ سنی جیسا سخت جان بندہ اپنا آپ ہار جائے...... اسے یقین نہیں ہوتا ہے، وہ مجھ سے پوچھتا ہے یار! تمہاری دوست جادوگر ہے جو پہلی نظر میں بندے پر جادو کر دیتی ہے اور پھر اس بندے کو اسی کے علاوہ کوئی دوسرا دکھائی نہیں دیتا ہے۔“ وہ آنکھیں نچا نچا کر کہہ رہی تھی۔

”یا اللہ! وہ ایسی باتیں تم سے کرتے ہیں۔“ وہ شرم سے دہری ہوگئی۔

”ہاں، مجھ سے کرتے ہیں مگر تمہارے لیے...... میرے لیے نہیں۔“

وہ ایک دم ہی برا مان کر گویا ہوئی۔ اس کی عادت تھی بات بات پر خفا ہونے کی۔

”اوہ! تم ناراض ہوگئیں...... میرا مطلب یہ نہیں تھا۔“

”ہاں بھئی! میں بھول جاتی ہوں۔ تمہارا تعلق کس قدر دقیانوسی و تنگ نظر خاندان سے ہے۔ تمہارے ہاں تو بھائیوں سے بھی بے تکلف ہونے کا رواج نہیں ہے۔ پھر بھلا کزنز سے تو اس طرح کی بے تکلفی کا تم تصور بھی نہیں کرسکتی ہو۔“ رجاء کو لگا وردہ نے اس کے ماحول کی تذلیل کر کے اس کو جوتا کھینچ مارا ہو۔

”سوری ڈیئر! میری فیملی میں ایسی کوئی روایت نہیں ہے، ہم بہت روشن دماغ اور کھلے ذہن کے لوگ ہیں۔ مما پپا کے دوستوں کے ساتھ، پپا مما کی دوستوں کے ساتھ آزادانہ ملتے ہیں۔ ہمارے ہاں گیٹ ٹو گیدر پارٹیز ہوتی ہیں۔ جس میں سب شریک ہوتے ہیں۔ کسی پر اعتراض نہیں ہوتا۔“ وہ اس قدر فخریہ انداز میں بتا رہی تھی کہ رجاء کو اپنی خاندانی ناموس و خوب صورت حد بندیاں حقیقتاً فرسودہ اور بے محل لگنے لگی تھیں۔

”خود کو ابھی سے بدلو۔ تمہیں یہاں نہیں رہنا۔ آثار قدیمہ کی بھٹکی ہوئی روح کی طرح...... تمہیں سنی کا جیون ساتھی بننا ہے۔ سنی کے ساتھ اعلیٰ طریقے سے اٹھنا بیٹھنا ہے۔ سنی کا زیادہ وقت لندن، پیرس، نیویارک میں گزرتا ہے۔“

”پلیز وردہ!“ شرم سے اس کا برا حال تھا۔ وردہ نے سنہرے سپنوں کا جال اس کے گرد بُن دیا تھا جہاں وہ مہکتی خواہشوں میں جکڑتی جا رہی تھی۔

”اوہ بے وقوف! اتنا بھی کوئی شرماتا ہے کیا؟“ وہ ہنس پڑی۔

”ڈر ہے مجھے...... میرے یہ سپنے محض سپنے ہی رہیں گے، جانتی ہو نا! میں جس گھرانے سے تعلق

رکھتی ہوں وہاں یہ سب ناممکن ہے بلکہ...... ایسے خواب دیکھنا بھی معیوب ہے۔“ رجاء حقیقت پسندی سے گویا ہوئی۔

”میری جان! یہ ممکن کا دور ہے، ناممکن کا نہیں۔ تم سنی سے ایک ملاقات کے لیے راضی نہیں ہو، جبکہ وہ تمہاری چاہت میں بہت آگے جاچکا ہے اور تم ابھی اس کی قوت سے بھی واقف نہیں، وہ تمہیں یہاں سے لے جائے گا اور تمہارے گھر والے اس کا راستہ بھی نہ روک سکیں گے۔“

نہیں...... نہیں...... پلیز! ایسا کچھ نہیں ہونا چاہیے۔“ وہ گھبرا کر بولی۔

”پھر مل لو اس سے ایک بار...... بہت محبت کرتا ہے، بے حد احترام کرتا ہے، ایک میلی نگاہ بھی نہ ڈالے گا تم پر، بے فکر ہو کر مل لو۔“

”نہیں۔ یہ مناسب نہیں ہے۔ میں ایسا ہرگز نہیں کرسکتی۔“ وہ مضبوط لہجے میں بولی۔

”واہ بھئی! یہ بھی اپنی نوعیت کا انوکھا مذاق ہے، محبت کرتی ہو مگر ملو گی نہیں...... اپنی محبت کی خوش بو کے اندر مہکا کر بھی اسے دیدار سے محروم رکھو گی؟ اپنے حُسن پر اتنا غرور بھی اچھا نہیں ہوتا۔“

”وردہ! یہاں میں بے اختیار ہوں۔ سمجھنے کی کوشش کرو۔“ اس کی خوب صورت آنکھوں میں آنسو جھلملانے لگے تھے۔

”ٹھیک ہے! میں تمہاری ”مجبوریاں“ بتادوں گی سنی کو پھر وہ خود ہی کوئی راستا ڈھونڈ نکالے گا۔ تم بے فکر رہو، کسی کو معلوم بھی نہیں ہوگا۔“



بہت عرصے بعد وہ سب اکٹھے بیٹھے، بے شمار باتوں کے ذخیرے تھے ان کے پاس جو ختم بھی نہ ہونے تھے مگر رات تمام ہوگئی تھی۔ فجر کی اذان کے ساتھ ہی ان لوگوں نے نشست برخاست کی، فیاض صاحب، طغرل کو لے کر مسجد کی جانب روانہ ہوگئے۔ مذنہ باقاعدگی سے نماز ادا کرنے کی عادی نہ رہی تھی مگر وہ اس گھر کے اصول جانتی تھی کہ اماں جان کی موجودگی میں کوئی نماز قضا کرنے کا سوچ بھی نہ سکتا تھا۔ مذہبی معاملے میں وہ کسی سے بھی رعایت برتنے کی قائل نہ تھیں۔

”اوہ...... ہو!...... اٹھ گئیں تم؟“ وہ نماز پڑھ کر جاء نماز تہہ کر رہی تھیں جب عادلہ اسے دیکھ کر طنزیہ انداز میں چہکی تھی۔

”آنٹی اور طغرل بھائی آگئے ہیں...... کس قدر دروازہ بجایا تمہارا مگر تم نہیں اٹھیں۔ میں نے تو سوچ لیا تھا اب تمہیں اللہ ہی اٹھائے گا۔“

”جس کا منہ اچھا نہ ہو، اس سے اچھی بات کی توقع کرنا بے وقوفی ہے۔“ وہ کہاں اس کو چھوڑنے والی تھی، فوراً ہی مسکرا کر جواب دیا تھا۔

”اچھا...... ! تم خود تو حسینہ عالم ہو؟“ عادلہ میں قوت برداشت صفر تھی۔

”ہوں...... بے شک میں مس یونیورس سے بھی بڑھ کر ہوں۔“

”ہونہہ، یہ منہ اور مسور کی دال!“

"صبح صبح میرے کمرے میں آنے کا مقصد کیا ہے تمہارا؟"

"تمہارا کمرا......! ہاہاہا......" وہ ہنسنے لگی، پری ضبط سے اس کو دیکھ رہی تھی۔ "دادی جان نے کہا ہے کہ یہ کمرا خالی کردو۔ طغرل بھائی نماز پڑھ کر آرہے ہوں گے۔ وہ ساری رات کے جاگے ہوئے ہیں، آرام کریں گے۔ غور سے دیکھ لو اپنے "مزار" کو بس اب یہ گیا تمہارے ہاتھ سے...... چوم لو یہاں کی ایک ایک چیز کو، نگاہوں میں بسالو، پھر تمہیں یہ کمرا نہیں ملنے والا۔" عادلہ جو کافی عرصے سے اس کا کمرا حاصل کرنا چاہ رہی تھی، بہت خوش تھی۔

"زیادہ بکواس کرنے کی ضرورت نہیں ہے، انشاء اللہ بہت جلد میں اپنے کمرے میں ہوں گی۔" پری پُریقین لہجے میں گویا ہوئی۔

"واقعی! طغرل بھائی کے ساتھ......؟" اس کے انداز میں گھٹیا پن تھا۔ وہ صدمے سے اسے دیکھتی رہ گئی جبکہ وہ سر جھٹک کر وہاں سے چلی گئی۔ فیاض صاحب بھاوج اور بھتیجے کے خیال سے دوپہر کو ہی آفس سے آ گئے تھے۔ کھانا بے حد مزے دار بنا ہوا تھا اور پھر سب نے طویل عرصہ بعد ساتھ کھایا تھا، اس وجہ سے بھی کھانے کا مزہ دوبالا ہو گیا تھا۔ حسب عادت سب لنچ کے بعد کچھ دیر آرام کرنے اپنے اپنے کمروں میں چلے گئے تھے۔



طغرل اس کے کمرے پر قابض ہو چکا تھا، وہ اپنا ضروری سامان پہلے ہی دادی جان کے کمرے میں منتقل کر چکی تھی پھر خود بھی ان کے کمرے میں آ گئی۔ اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی تھی۔ عادلہ نے وہ نازیبا بات کہہ کر اس کا موڈ خراب کر دیا تھا اور اس کو شرمندگی بھی نہ تھی۔ پھر ذہن اتنا منتشر ہو گیا کہ وہ جو پہلے ہی فیصلہ کر چکی تھی کہ طغرل کا سامنا نہیں کرے گی (پیشانی کی چوٹ کی نشان کے باعث) لیکن مدنہ آنٹی کا بھی وہ سامنا نہ کر سکی۔ ناشتے کے وقت کچن میں خود کو مصروف رکھا اور یہی معمول اس نے لنچ کے وقت رکھا۔ دادی اور مدنہ آنٹی کے کئی بار بلوانے کے باوجود گرم گرم پھلکے پکانے کا بہانہ کرتی رہی۔ کھانے سے فارغ ہو کر آنٹی کچن میں چلی آئیں اور اس کے سلام کے جواب میں بڑی محبت سے اسے لپٹاتے ہوئے کہا۔

"آپ بہت اسمارٹ اور خوب صورت ہو گئی ہیں۔ پہلی بار دیکھ رہی ہوں۔ اگر عائزہ نہ بتاتی تو میں آپ کو پہچان بھی نہیں پاتی۔ جب ہم یہاں سے گئے تھے تو آپ کو خاصا صحت مند چھوڑ کر گئے تھے۔" ان کے انداز میں خوش گوار حیرت تھی۔ وہ چپ مسکراتی رہی تھی۔ "رات سے آپ سے ملاقات نہیں ہوئی...... کوئی ناراضی ہے کیا؟"

"نہیں بھلا ناراضی کیوں ہوگی؟ میں آپ کے پاس یہاں فارغ ہو کر آ رہی تھی۔" مدنہ خوش اخلاق، نرم مزاج کی مالک تھیں۔ دور رہ کر ان کی پرخلوص طبیعت میں اور زیادہ ہی حلاوت و اپنائیت سرایت کر گئی تھی۔ وہ اس سے باتیں کرنے لگیں جو یہاں کسی کو پسند نہ تھیں۔ ان لوگوں کی خیریت معلوم کرنے لگیں جن کا یہاں نام لینا بھی کسی کبیرہ گناہ کے مترادف تھا۔



"میں پوچھتی ہوں اس طرح منہ پھلا کر کب تک بیٹھی رہے گی؟ بچے کو کمرا کیا دیا ہے کہ افسوس ہی ختم نہیں ہو رہا ہے۔ غضب خدا کا! ایسی بد دماغ اور اکڑ والی ہے کہ سالوں بعد آنے والی تائی اور بھائی سے ملنے کی ضرورت ہی محسوس نہ کی۔ مدنہ خود گئی بالآخر اس سے ملنے۔" دادی جو اس کی بدمزاجی کے خلاف بھری بیٹھی تھیں موقع ملتے ہی غبارے کی مانند پھٹ پڑی تھیں۔ وہ خاموش رہی کہ غلطی اس کی تھی۔ "کیا سوچتی ہوگی مدنہ، کیسی تربیت کی ہے تمہاری میں نے؟ ذرا تمیز و اخلاق نہیں سکھائے؟" نامعلوم دادی کو اپنی تربیت پر حرف آنے کا خوف تھا یا اس کا تاثر خراب ہونے کا۔

"مگر کیا کرے کوئی...... ماں کے دودھ کی تاثیر سے بچے بچ نہیں سکتے۔ اس عورت کی ہٹ دھرمی و خود سری کہیں نہ کہیں دکھائی دے جاتی ہے تم میں۔"

لہجہ، یہ بے مہر سفاک انداز کسی خنجر کی طرح اس کے دل میں پیوست ہو جاتا تھا۔ اس لمحے دادی کا انداز بے گانگی و بے مروتی لیے ہوتا تھا گویا وہ اس سے نہیں، کسی غیر سے مخاطب ہوں اور وہ اس دکھ سے منجمد ہونے لگتی تھی۔ اس وقت بھی یہی ہوا تھا۔ اپنے اور دادی کے درمیان اسے ایک اجنبیت و بے گانگی کی دیوار حائل دکھائی دی تھی۔ اس کے اندر سناٹے اترنے لگے تھے۔

"دونوں اپنی پھوپیوں کو تو فون کر دو ورنہ وہ گلہ کریں گی کہ ان کو اطلاع ہی نہ کی کسی نے بھابی اور بھتیجے کے آنے کی۔ دیگر رشتہ داروں کو تو اس وقت اطلاع دی جائے گی جب ان ماں بیٹے کی تھکن اتر جائے گی۔" دادی اسی طرح ہشاش بشاش تھیں۔ ان کو احساس بھی نہ تھا کہ کچھ لمحے قبل ہی ان کی زبان کی دھار اس کے احساسات کو بری طرح گھائل کر چکی ہے۔

"دادی جان! ایک بات پوچھوں؟" اس کی آواز بے جان تھی۔

"ہاں...... ہاں کہو...... کیا بات ہے؟" انہوں نے تسبیح پڑھتے ہوئے کہا۔

"میری...... مما...... بہت خراب تھیں؟" یکلخت تسبیح کے دانے ان کی انگلی و انگوٹھے کے درمیان ساکت ہو گئے۔ چہرے پر تناؤ سا در آیا۔

"بتائیں نا دادی جان! وہ اتنی خراب تھیں کہ کبھی ان کو اچھے نام سے پکارا نہیں جا سکتا ہے؟" اس کی آواز رندھ گئی تھی۔

"پری! ماضی کی اس کتاب کے باب کو کھولنے کی سعی مت کرو۔ اسی میں ہی بھلائی ہے۔"

"ماضی کبھی دفن نہیں ہوتا۔ یہ بھولے بھٹکے لوگوں کی طرح یادوں کے دروازوں پر دستک دیتا رہتا ہے۔ پکارتا رہتا ہے۔" دادی کے چہرے پر ناگواری و درشتگی سرخی بن کر پھیلنے لگی تھی لیکن پری کے چہرے پر حزن بھری اداسی اور آنکھوں میں چمکتی نمی نے ان کی ممتا کو بے دار کر دیا تھا۔

"فالتو باتیں مت کرو۔ تمہیں آج شاپنگ پر جانا تھا۔ اب تو ڈرائیور چلا گیا ہے۔ ایسا کرنا کل صبح ہی چلی جانا۔ ابھی عزیز و رشتے داروں کو خبر نہیں کر رہی ہوں۔ دو تین دنوں بعد کروں گی۔ تب تک تم اپنا کام کر لو۔ کپڑے وغیرہ لے آؤ۔ اپنے لیے، فیاض سے کہا تھا میں نے شاپنگ کے لیے رقم دے دے۔ اس نے دی یا نہیں؟"

وہ فوراً بہت مہربان ہوگئی تھیں۔ پری نے اثبات میں گردن ہلادی تھی۔
”شام میں چائے کے ساتھ کباب اور پھلوں کی چاٹ ضرور بنانا۔“



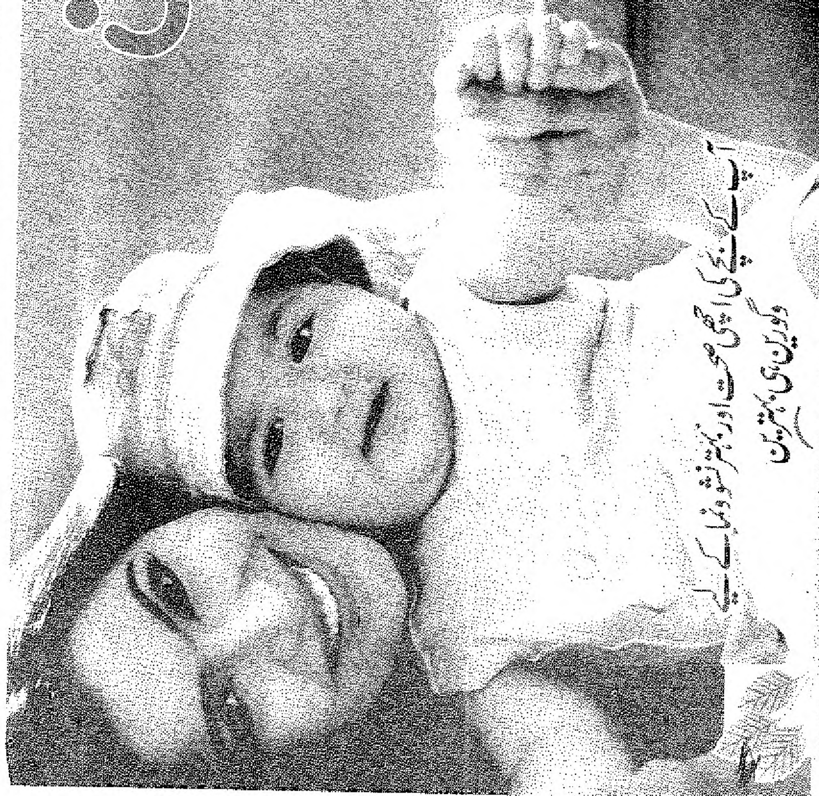
موقع ملتے ہی حاجرہ، رضیہ کے ہاں پہنچ گئی تھیں۔ رضیہ جو بیٹھی سبزی بنارہی تھیں۔ عادت کے مطابق انہیں دیکھ کر خوشدلی سے مسکرائی تھیں۔
”آؤ..... حاجرہ بہن! یہاں بیٹھو۔“ انہوں نے فلور کشن بڑھایا۔
ایمان داری کی بات ہے، تمہارے پاس آنے کے بعد طبیعت بہت خوش ہوجاتی ہے۔ آنے والے کو ”آؤ“ کہہ دو تو بڑی خوشی ملتی ہے۔“ رضیہ کی پرخلوص پذیرائی انہیں خوشی سے سرشار کردیتی تھی۔
”آؤ کا مطلب ہوتا ہے خوش آمدید..... پھر بھلا ہم کس طرح کسی کی آمد پر خوشی کا اظہار نہ کریں جب آنے والا خوشیاں لا رہا ہو؟“ رضیہ نے مزاج کے مطابق سادہ سی بات ہی کہی تھی مگر ناخواندہ حاجرہ اپنی سوچ سے یہ سمجھ کر کہ وہ تو نئی پڑوسن کے چھچھن پر بات کرنے آئی ہیں، خوشیوں کے ذکر پر شرمندہ سی ہوگئی تھیں۔
”بھنڈیاں بنارہی ہو آج؟“
”ہاں، تمہارے بھائی کو بے حد پسند ہیں۔ بھنڈی گوشت بنارہی ہوں۔“ انہوں نے بڑی نفاست سے بھنڈیاں صاف کی تھیں۔
”میرے ہاں تو روز یہ مسئلہ رہتا ہے کہ آج کیا پکایا جائے۔ سبزیاں اور دالوں سے یہ لوگ رغبت ہی نہیں رکھتے ہیں۔ نہ بیٹوں کو پسند نہ باپ کو اور تو اور بیٹیاں بھی ناک بھوں بناتی ہیں دال سبزی کے نام پر..... سب کو گوشت چاہیے۔ وہ بھی کسی دال و سبزی کے بغیر بھنا ہوا۔“
”آج کل زیادہ تر گھروں میں یہی مسئلہ رہتا ہے۔ صبح اسی سوال سے شروع ہوتی ہے کہ آج کیا پکایا جائے جو سب خوش ہوکر کھالیں۔“ انہوں نے بھنڈیاں رجاء کو تھماتے ہوئے کہا جو حاجرہ کو سلام کرنے آئی تھی۔
”امی! آپ خالہ کے پاس بیٹھ جائیں، روٹیاں میں بنالوں گی۔“ رجاء نے ان سے بھنڈیوں کی ٹوکری لیتے ہوئے کہا۔
”تم تیاری کرو امتحانوں کی..... روٹیاں میں خود بنالوں گی..... پھر کام ہوتا ہی کتنا ہے۔ میں خود کرلوں گی۔ تم بس خوب اچھی تیاری کرو۔“ رضیہ بیٹی کی طرف دیکھ کر دلار سے بولیں۔ حاجرہ نے رجاء کو دیکھ کر کہا۔
”کیا بات ہے رجاء بیٹی! بہت کمزور لگ رہی ہو۔ طبیعت تو ٹھیک ہے؟“
”جی خالہ! میں بالکل ٹھیک ہوں۔“ وہ ان کی کھوجتی نگاہوں سے خائف ہوکر وہاں سے کچن میں چلی آئی، ڈش کاؤنٹر پر رکھ کر بڑی تیزی سے دھڑکتے دل پر اس نے ہاتھ رکھا تھا۔ عجیب ذہن ہوگیا تھا اس کو ہر ایک سے خوف آنے لگا تھا کہ کوئی اس کے دل کا بھید نہ پالے۔ کسی کو اس کے مہکتے جذبوں کی خبر نہ ہو جائے۔ راتوں کی نیند، دن کا قرار، بھوک پیاس سب اس سے روٹھ گئے تھے۔ اس کی ماں سادہ و عام فہم

عورت تھی۔ وہ یہی سمجھ رہی تھی کہ وہ امتحانات کی تیاری کے باعث کمزور ہورہی تھی۔ جبکہ وہ محبت کی آگ میں کسی شمع کی مانند آہستہ آہستہ پگھلنے لگی تھی مگر کہاں کے امتحان..... کیسی تیاری..... وہ سب بھلائے بیٹھی تھی۔ ماں اس کی بہت سادہ و گھریلو عورت تھیں جن کا وقت نماز و اذکار کے علاوہ گھر کے دیگر کاموں میں گزرتا تھا یا پھر حاجرہ اور دوسری پڑوسنیں ان کے پاس آکر اپنا دکھ درد بیان کرتیں تو وہ خلوص و ہمدردی سے سنتیں اور کبھی دلاسوں سے، کبھی استطاعت کے مطابق ان مسائل کو حل کرنے کی سعی کرتی تھیں۔
خالہ حاجرہ نے جس کھوجتے انداز میں اس کی کمزوری کا اظہار کیا تھا اس سے وہ کچھ سہم سی گئی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ سیدھی سادی ماں تو اس پر اندھا اعتماد کرتی ہے۔ وہ اور وردہ گھنٹوں کمرے میں سنی کی باتیں کرتی تھیں اور یہ ان کا اعتماد ہی تھا کہ انہوں نے کبھی ان کی نگرانی نہیں کی تھی اور مہمان نوازی کے لیے وہ جب لوازمات لے کر آتی تھیں تو اس خیال سے کہ ان کی پڑھائی کا حرج نہ ہو، وہ ان کے پاس بیٹھتی بھی نہ تھیں۔ شروع شروع میں وہ ضمیر کی خلش سے بے چین ہوجاتی تھی یہ سوچ کر کہ وہ سادہ لوح ماں کو کس طرح دھوکا دے رہی ہے، ان کے اعتماد و اعتبار کا خون کررہی ہے لیکن..... یہ احساس مختصر مدت کے لیے اس کے اندر پیدا ہوکر سوگیا تھا۔
جب برائیوں میں کشش محسوس ہونے لگتی ہے تو اچھائیاں ذہن سے محو ہوجاتی ہیں۔ پھر نہ اپنا احساس رہتا ہے نہ دوسرے کا خیال۔ یہی اس کے ساتھ ہوا تھا۔ وردہ کی باتوں میں اسے اب سکون ملنے لگا تھا۔ وردہ کے جانے کے بعد بھی وہ سنی کے خیالوں میں کھونے لگی تھی، سنی سے محبت کیا ہوئی۔ اسے تنہائیاں اچھی لگنے لگی تھیں۔ حاجرہ خالہ کائیاں و چالاک عورت تھیں ان کا کام یا مشغلہ یہی تھا کہ وہ محلے کے ہر گھر پر نگاہ رکھتی تھیں۔ لڑکا لڑکی، میاں بیوی، ساس بہو، نند دیور ہر ایک کے معاملات پر ان کی نگاہ ہوتی تھی اور سب کے تعلقات کی ان کو خبر ہوتی تھی۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ان سے گھبرا گئی تھی اور کچھ دنوں سے وہ دیکھ رہی تھی کہ وہ نئی پڑوسن عموماً اس کے کمرے سے نظر آتی کھڑکی سے کھڑی اسے دیکھ رہی ہوتی اور اس کی نگاہیں بڑی بے باک ہوتی تھیں۔



خواب گاہ اسے بے حد پسند آئی تھی، بالکل اس کی مرضی و پسند کے مطابق تھی۔ بے حد نفاست لیکن سادگی سے آراستہ روشن، ہوادار اور کشادہ، اس کی دونوں کھڑکیاں باہر لان میں کھلتی تھیں۔ بیڈ پر دراز ہونے کے بعد بھی اور رنج خوشنما پھولوں سے لدے درخت نظر آتے تھے، دوسری کھڑکی سے ناریل کے پیڑ کی چھدری شاخوں سے آسمان پر چمکتا چاند کسی شرمیلی دوشیزہ کی مانند بادلوں کی اوٹ میں چہرہ چھپا رہا تھا۔
طغرل بیڈ پر دراز اس چاند کو تک رہا تھا۔
ایک عرصے بعد وہ اپنے وطن، اپنے گھر کی فضاؤں میں سانس لے رہا تھا۔ جب یہاں سے گیا تھا تو جدائی اور دوری جیسے احساسات کا ادراک ہی نہ تھا اور جب کئی دنوں تک اس کی اپنی عزیز ترین ہستیوں یعنی دادی جان اور چچا جان سے ملاقات نہ ہوسکی تو اس نے جانا جدائی کتنا بڑا کرب ہے۔ ایک ایسا درد جو کسی گیلی لکڑی کی مانند اندر ہی اندر سلگتا رہتا ہے تڑپاتا رہتا ہے۔ وہاں سیٹ ہونے کے لیے اس کو طویل





عرصہ کی جدوجہد کرنی پڑی تھی۔ دادی جان، چچا جان اور دیگر رشتے داروں اور کزنز کی یادوں سے اسے نکلنے میں مکمل کامیابی تو حاصل نہ ہوسکی تھی البتہ وقت رفتہ کے ساتھ وہ سمجھوتا کر بیٹھا تھا۔ تعلیم اور کھیلوں کے ساتھ اسے دوستوں اور کزنز کی دوستی وہاں بھی مل گئی تھی کہ اس کی مما کی فیملی یعنی آدھا میکہ وہاں رہائش اختیار کیے ہوئے تھا۔ نانا، نانی، تین ماموؤں اور دو خالاؤں کے گھرانوں کے علاوہ دیگر رشتے داروں اور دوست احباب سمیت ایک وسیع حلقہ وہاں رہائش پزیر تھا۔ جن سے عموماً علیک سلیک رہتی تھی، وہ فطرتاً آزاد خیال تھا اور لوگوں سے قربتیں، دوستیاں نبھانے کا از حد شوقین تھا۔ وہاں کی آزاد فضاؤں میں اسے سیٹ ہونے میں وقت نہ لگا تھا لیکن جن ہستیوں نے اس کو مضطرب رکھا تھا ان میں ایک اس کو جان سے بڑھ کر عزیز تھیں تو دوسری جانی دشمن!

وہ پھولے پھولے گالوں اور موٹی موٹی بے حد چمکیلی آنکھوں والی پری جس کی اس سے کبھی بنی ہی نہ تھی۔ وہ دھونس و دھاندلی والی طبیعت کے باعث سب کزنز پر رعب جما کر فائدہ اٹھاتا تھا۔ چچا اور پھوپیوں کے بچے جو سب ہی تقریباً ہم عمر تھے پر حکومت کرتا تھا ان میں فقط ایک وہ تھی جو اس کی کسی دھونس، دھمکی و رعب میں نہ آتی تھی۔

وہ اس کی ہم مزاج، ہم فطرت تھی۔

اس کی طرح ہی جنگجو و سر پھری، کسی کے رعب میں نہ آنے والی نڈر لڑکی، کھیل کا میدان ہو یا گھر کا ماحول، وہ ایک دوسرے سے سمجھوتا نہ کرتے تھے۔ ویسے تو ان میں کانٹے کا مقابلہ رہتا ہی تھا مگر...... جب بات دادی کی ہوتی تھی تو پھر ایک زبردست جنگ ہوتی تھی کہ دونوں ہی دادی کو اپنی اور صرف اپنی جاگیر گردانتے تھے۔ حالانکہ دادی بڑی دیانت داری کے ساتھ دونوں کو اپنے بازوؤں میں دبا کے یگانگت و برابری کا درس دیتی تھیں۔ ان کے انداز میں پیار بھری یکسانیت ہوتی تھی جس کو وہ تسلیم کرنے کو راضی نہ ہوتے تھے اور عموماً اس بات پر لڑائی چھڑ جاتی تھی، جب دادی کسی کی پیشانی پہلے چوم لیتی تھیں۔

طغرل قد میں پری سے لمبا ہونے کے باعث فائدہ اٹھالیا کرتا تھا جب بھی دادی پری کی پیشانی چومنا چاہتیں وہ بڑھ کر جھٹ اپنی پیشانی آگے کر دیا کرتا تھا اور اس بے ایمانی پر گھمسان کا رن پڑتا پھر پری غصے میں کسی جنگلی بلی کی مانند اس پر حملہ کر دیتی تو جواباً وہ بھی شدت سے اس کے بال کھینچ ڈالتا۔ دھکا دیتا تھا پھر کئی مرتبہ وہ ڈیڈی سے اس کی وجہ سے مار کھا چکا تھا۔ ڈانٹ تو اس کو اکثر ہی پڑا کرتی تھی کہ وہ اگر دادی، مما اور چچا کا لاڈلا تھا تو وہ اس کے ڈیڈی کی از حد لاڈلی تھی۔ اس کے ڈیڈی سب بچوں پر اس کو فوقیت دیتے تھے۔ ڈیڈی کی اس کو اتنی فکر بھی نہ تھی کہ ساری چاہتوں، الفتوں، محبتوں کا پیکر دادی جان تھیں اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ دادی جان پری کو پیار کریں اور اس نے ان سے وعدہ لیا تھا کہ وہ سب سے زیادہ پیار پری سے نہیں، اس سے کریں اور ایک دن دادی نے اسے چپکے سے بتایا تھا کہ وہ سب سے زیادہ پیار اس سے کرتی ہیں۔ پری سے بھی زیادہ...... اور وہ اس دن بہت ہی خوش ہوا تھا مگر دادی سے اسے وعدہ کرنا پڑا تھا کہ وہ یہ بات کسی کو نہیں بتائے گا اور پری کو تو بالکل بھی نہیں...... ورنہ وہ اس سے دوستی توڑ کر پوری کی پوری پری کی دادی بن جائیں گی اور ان کی یہ دھمکی اس کو خوفزدہ کر گئی تھی ورنہ کسی کو تو نہیں پری کو وہ ضرور

بتاتا کہ دادی اس سے زیادہ اس سے پیار کرتی ہیں اور جواباً وہ روتی۔ اس کی غلافی آنکھوں سے گرتے آنسو اسے بڑی خوشی دیتے تھے۔ جب وہ یہاں سے گیا تو اسے دادی سے بچھڑنے کے دکھ کے ساتھ ساتھ یہ بھی دکھ تھا کہ اب پری دادی پر قبضہ جمالے گی۔ دادی پوری کی پوری اس کی ہو جائیں گی۔ ان کا سارا پیار وہ حاصل کرلے گی۔ اس نے بہت ضد کی دادی کو ساتھ لے جانے کی، مما ڈیڈی نے بھی کہا مگر دادی کسی طور اپنا گھر، اپنا ملک چھوڑنے کو تیار نہ ہوئی تھیں۔ وہ خفا خفا سا یہاں سے گیا تھا۔ مگر وہاں جا کر دادی کی یاد نے ساری خفگی بھلا دی تھی۔ وہ ان کو باقاعدگی سے فون کرتا تھا...... ان کی یاد سے زیادہ اسے یہ احساس مضطرب و مشتعل رکھتا تھا کہ پری خوب دادی کی محبت کے مزے لوٹ رہی ہے۔ عادلہ اسے ہر بات سے آگاہ رکھتی تھی۔ یہاں رہتے تھے تو ان کے درمیان لڑائیاں کرانے والی عادلہ ہی تھی، وہاں بھی وہ ہر بات سے اس کو آگاہ رکھتی تھی۔ تمام کزنز سے اس کی دوستی وقت گزرنے کے ساتھ مضبوط ہوگئی تھی، سب کی تصاویر اس کے پاس تھیں ماسوائے پری کے...... نہ ہی کبھی اس سے بات ہوئی تھی اور نہ ہی اسے کبھی خواہش محسوس ہوئی تھی۔ بقول عادلہ کے وہ بدتمیز، بدزبان اور بداخلاق لڑکی تھی جس کو کئی طرح کے احساس کمتری لاحق تھے۔ بدلتے وقت اور عمر نے بھی اس پر کوئی اثر نہیں ڈالا تھا۔ وہ جانتا تھا وہ بچپن ہی سے ایسی تھی، گستاخ اور کسی کو خاطر میں نہ لانے والی...... اب بھی وہ دو دن گزرنے کے بعد بھی ملنے نہیں آئی تھی۔ مما تو از خود ہی اس سے ملنے چلی گئی تھیں اسے بھی کہا تھا مگر وہ سنی ان سنی کر کے بیٹھا رہا تھا۔ اسے کوئی شوق نہیں تھا اس سے ملنے کا۔



"تو یہ ہے! آپ کی بہنیں گھر آجائیں تو واپسی کا راستہ ہی بھول جاتی ہیں۔" بھابی اور طغرل جب سے آئے ہیں گھر کا ماحول ہی بدل کر رہ گیا ہے۔ پہلے ان کی ناز برداریوں میں لگے رہو۔ پھر ان سے ملنے آنے والوں کی خاطر داریوں میں۔" صباحت کاٹن کے تئے نکور پرنٹڈ تھری پیس سوٹ میں ملبوس تھیں، فیاض صاحب سے مخاطب ہوئی تھیں جو حسب عادت مطالعے میں مصروف تھے۔ عموماً وہ ان کی باتوں پر سنی ان سنی کر دیا کرتے تھے۔ مگر اس وقت انہوں نے جوان کے قریبی رشتوں کے متعلق جس نوعیت کی گفتگو کی تھی وہ ان کو برہم کرنے کے لیے کافی تھی۔ وہ ان رشتوں کو دل و جان سے چاہتے تھے۔

"میری بہنوں نے کون سے یہاں پڑاؤ ڈال لیے ہیں جو آپ کو فکر لاحق ہوگئی ہے؟ چند گھنٹوں کے لیے آتی ہیں ہفتوں بعد...... تم کو وہ بھی برداشت نہیں ہے...... پھر اس معاملے میں میں آپ کی بھابی صاحبہ کی برداشت و حوصلے کو داد دوں گا جو آپ اور آپ کی بہنوں کی ہر دوسرے دن آمد پر ماتھے پر شکن لائے بنا خندہ پیشانی سے پیش آتی ہیں۔"

"واہ! بہنوں کے معاملے میں آپ کی زبان کیسے کتر کتر سروتے کی مانند چل رہی ہے ورنہ منہ سیے بیٹھے رہتے ہیں۔" وہ دل ہی دل میں جل اٹھی تھیں۔

"یہ دوغلا پن چھوڑ دو جو اللہ کو بالکل بھی پسند نہیں ہے۔"

"میں نے کون سا دوغلا پن کیا؟" وہ مارے غصے کے سرخ ہو کر گویا ہوئیں۔

"بھابی بیگم اور طغرل کے سامنے آپ اور بچیاں از خود ہی بچھی جاتی ہیں، وہ لوگ تو باہر کے ملک میں وقت گزارنے کے باوجود بھی سادہ و بے تکلف ہیں۔ وہ ناز برداریاں کروانے والے نہیں ہیں۔" انہوں نے تیکھے انداز میں جواب دیا۔

"جب کوئی اپنوں سے دور غیروں میں رہتا ہے تو اپنوں کی قدر کرنی آجاتی ہے۔"

"تو پھر تو میرے حساب سے غیروں میں رہنا زیادہ سود مند ہے۔"

"اچھا...... وہ کیوں بھلا؟" وہ چڑ کر گویا ہوئیں۔

"اپنوں میں رہ کر جب حسد کرتے ہیں۔ ناراض رہتے ہیں، کینہ پالتے ہیں۔ ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوششوں میں لگے رہتے ہیں۔ اس کے بجائے اگر ہم ایک دوسرے سے پورے خلوص کے ساتھ محبت کرنے لگیں، رشتے اپنی اصل خوب صورتی کے ساتھ باہم مربوط ہو جائیں تو جدائی کی قربانیاں رائیگاں نہیں جائیں گی۔"

"آپ تو ایسی ہی باتیں کرتے ہیں گویا خدانخواستہ آپس میں جنگیں لڑی جارہی ہوں ہماری اور ہم ایک دوسرے کی شکلیں دیکھنے کے روادار نہ ہوں۔"

"دوسرے لوگوں کے متعلق تو مجھے معلوم نہیں ہے مگر آپ کے بارے میں میں حلفیہ کہہ سکتا ہوں کہ میرے رشتے دار اگر یہاں آکر اپنی شکلیں نہ دکھا جائیں تو آپ کبھی ان کے گھر جانے اور ان کی شکلیں دیکھنے کی روادار نہ ہوں۔" فیاض صاحب بڑے ٹھنڈے لہجے میں طنز فرما رہے تھے اور صباحت ایسے شعلوں میں گھر گئی تھی جس کی آگ تو دکھائی نہ دے رہی تھی پر وہ بری طرح جھلس رہی تھیں۔

"اچھا......! ابھی تو آپ مجھے آئے روز بھابی کے ہاں جانے کا طعنہ دے رہے تھے بلکہ میری ان بہنوں کو بھی گھسیٹ لیا تھا جو دل و جان سے آپ کی عزت کرتی ہیں اور اب...... آپ یہ طعنہ دے رہے ہیں کہ میں کسی کے ہاں جانے کی روادار نہیں ہوں۔ منافقت میرے اندر ہے یا آپ کے طرز افکار میں؟"

"میں اپنے میکے کی نہیں...... آپ کے میکے کی بات کر رہا ہوں۔ اپنے میکے تو آپ سر کے بل چل کر جاتی ہیں، خواہ صبح و شام کیوں نہ جانا پڑے۔"

"ارے مرد کا میکہ کہاں ہوتا ہے؟" وہ غصہ بھول کر اچنبھے سے بولیں۔

"لڑکی کے رشتے داروں کو جب میکہ کہا جاسکتا ہے تو مرد کے رشتے داروں کو کیوں نہیں؟"

"بات کا بتنگڑ بنانا تو کوئی آپ سے سیکھے۔ نامعلوم کیا کیا الٹی سیدھی باتیں آپ سوچتے رہتے ہیں مرد کا میکہ......!" وہ ہنس پڑی تھیں۔



وردہ کا اصرار ہر گزرتے دن کے ساتھ بڑھتا جارہا تھا۔

سلمان اس سے ملنے کے لیے تڑپ رہا ہے، اس سے ملنے کے لیے بے چین ہے۔ وہ اس کے پیغامات کی ترسیل کا ذریعہ بنی ہوئی تھی اور رجاء کے دل کی حالت ابتری کا شکار ہو جایا کرتی تھی اور وہ پر کٹے پرندے کی مانند بے بسی محسوس کرنے لگتی تھی اور سنی کی یاد اس پر اداسی بن کر چھانے لگتی تھی۔ بے کلی بن کر اس کے

دل کی دھڑکنوں میں اضطراب پیدا کرنے لگتی تھی۔
یہ کیسی محبت تھی؟
یہ کیسا جذبہ تھا؟
یہ کیسا احساس تھا؟

جو چند دنوں کا شناسا تھا مگر...... صدیوں کی واقفیت محسوس ہونے لگی تھی۔ اس سے ملنے کی چاہ دل میں ہمکنے لگی تھی۔ ایک طرف دل کے تقاضے تھے تو دوسری جانب ایک مسئلہ درپیش تھا۔ وہ تھیں سامنے والی پڑوسن کی پراسراری حرکتیں تھیں۔ اس کے کمرے کے سامنے والی دیوار میں اوپری حصے میں شیشے کی کھڑکی تھی جس کے پٹ نہ تھے صرف سفید شیشہ لگا تھا کیوں کہ اس کا کمرا اس طرز پر تعمیر ہوا تھا کہ گھر کے آخری حصے میں تھا۔ اس وجہ سے وہاں دن میں بھی نیم اندھیرا رہتا تھا اور روشنی اس شیشے والے حصے سے اندر آکر کمرا روشن کردیتی تھی۔ انہیں یہاں رہتے ہوئے برسوں گزر گئے تھے۔ پہلے دادا پھر اس کے ابو کی نماز و پرہیز گاری، شرافت و نیک نامی کے باعث سب محلے کے لوگ ان کی بے حد عزت کرتے تھے۔ کسی کی جرأت نہ تھی کہ ان کے گھر کی طرف کوئی میلی نگاہ سے دیکھ سکے۔ اس سامنے والے دو منزلہ گھر میں بھی سیکڑوں کرائے دار آئے اور گئے مگر کسی نے بھی اس طرف کھلنے والی کھڑکی یا بالکونی استعمال نہ کی تھی۔ وہ عورت جو محلے میں اچھی نگاہ سے نہ دیکھی جارہی تھی کہ جو جس قدر حسین تھی اتنا ہی مکروہ اس کا کردار رہا تھا۔ محلے کی کوئی عورت اس سے دوستی کرنے کی خواہاں نہ تھی تو مرد بھی مجبوراً اس لیے اس کو برداشت کررہے تھے کہ مالک مکان بنا اطلاع دیئے ملک سے باہر جاچکا تھا اور اس کی آمد تک سب کو اس عورت کو برداشت کرنا تھا اور اس عورت کا اپنی ذات میں دلچسپی لینا اس کو فکر میں مبتلا کرگیا تھا۔ وہ اکثر بالکونی میں کھڑی ہوکر اس کے کمرے میں جھانکتی رہتی یا کھڑکی میں اسے گھورا کرتی تھی۔ اس کی نگاہیں اسے کوئی پیغام دیتی محسوس ہوتی تھیں۔ وہ پیغام کیا تھا......؟ اور وہ اس سے کیا چاہتی تھی؟ اس کے لیے سمجھنا ناممکن تھا۔ وردہ ابھی آئی تھی اور آتے ہی اس نے سنی کی باتیں شروع کردی تھیں تب اس نے اسے اپنی اس نئی پریشانی سے آگاہ کرکے مشورہ مانگا۔

"واہ! وہ تمہیں دیکھتی ہے؟ دنیا اسے دیکھنے کے لیے ترستی ہے مائی ڈیئر۔" وہ کھلکھلا کر اس سے کہہ اٹھی۔

"تم جانتی ہو وہ کس قسم کی عورت ہے پھر بھی تمہیں مذاق سوجھ رہا ہے۔" وردہ کو اس کے چہرے پر چھائی خوف کی زردی نے سنجیدہ کردیا تھا۔

"تم اتنا سنجیدگی سے کیوں لے رہی ہو؟ وہ تمہیں یوں ہی دیکھ رہی ہوگی۔"

"نہیں۔ وہ نامعلوم کس طرح مجھے دیکھتی ہے کہ...... مجھے محسوس ہوتا ہے جیسے مجھے کچھ ہو جائے گا۔" بڑی پراسرار نگاہیں ہوتی ہیں اس کی۔" رجاء کے لہجے میں ابھی بھی خوف کی حکمرانی تھی۔

"تم نے اپنی امی ابو کو بتایا یہ سب......؟"

"نہیں......" اس نے آہستگی سے کہا۔

"کیوں......؟ تمہیں ان کو فوراً بتانا چاہیے۔"

"وہ کہیں گے بدگمانی گناہ ہے، میری بات کو بدگمانی پر محمول کریں گے۔"

"تم اپنی امی کو اس وقت بتاؤ جب وہ تمہیں دیکھ رہی ہو تو......"

"یہی تو مسئلہ ہے وہ کسی کی موجودگی میں نہیں دیکھتی ہے۔"

"فکر نہ کرو تم۔ یہ مسئلہ سنی ہی حل کرسکتا ہے۔ وہ ایسے لوگوں کو بالکل پسند نہیں کرتا جو اچھے کردار کے نہ ہوں۔ اب تم کو ہی یہ پرابلم سنی کو بتانی ہوگی۔ میں جانتی ہوں تم کہوگی "تمہارا اس سے ملنا ناممکن ہے۔" رجا کو لب وا کرتے دیکھ کر وردہ جتانے والے انداز میں کہہ رہی تھی۔

"یہ میری مجبوری ہے، سمجھنے کی کوشش کرو وردہ!"

"مل نہیں سکتی ہو...... فون پر تو بات کرسکتی ہو۔" وردہ نے جھلائے ہوئے لہجے میں کہا تو رجاء خوشامدی لہجے میں بولی۔

"تم خود ہی بتاؤ کس طرح ممکن ہے؟ سارے دن امی گھر میں موجود رہتی ہیں۔ رات کو ابو لاؤنج کے ساتھ والے کمرے میں دروازہ وا کرکے سوتے ہیں پھر......"

"ٹھیک ہے، میں تمہاری پرابلمز سنی کو پہنچادوں گی۔" وہ کہہ کر چلی گئی تھی۔ دوسرے دن اس کے مسئلے کا حل موجود تھا۔

سنی نے اسے "بلیک بیری" گفٹ کیا تھا۔ وردہ اسے پکڑا کر فوراً ہی چلی گئی تھی۔

"وہ قیمتی سیل فون دیکھ کر ساکت رہ گئی تھی۔



"طغرل بھائی! دل لگ گیا آپ کا یہاں......؟" عائزہ اس سے مخاطب ہوئی۔ وہ ٹی وی لاؤنج میں صوفے پر بیٹھا ایک ٹاک شو دیکھ رہا تھا۔

"دل......!" اس نے چونک کر استفسار کیا پھر مسکرا کر بولا۔ "میں یہاں دل لگانے نہیں آیا۔ آپ سب سے ملنے آیا ہوں۔"

"کیوں...... دل وہیں چھوڑ آئے گوری میموں کے لیے؟" ناخنوں پر کیوٹیکس لگاتی عادلہ معنی خیز لہجے میں بولی۔

"ہاں، سمجھ سکتی ہو۔" اس نے اس کی طرف دیکھے بنا اطمینان سے کہا۔

"یہاں کیا آپ کو دل دینے والیوں کی کمی تھی طغرل بھائی!" عادلہ سخت بدمزہ ہوئی منہ بنا کر بولی۔

"یہ کیا دل و دماغ کی باتیں لے کر بیٹھ گئی ہو۔ کوئی اچھی سی بات کرو یار!" اس نے ٹی وی بند کرکے بیزار لہجے میں کہا۔

"کیا اچھی بات کریں؟ ہمیں تو گھر ہی میں رہنا ہوتا ہے، دادی کو تفریح پسند ہے نہ پکنک اور نہ ہی کوئی ہلہ گلہ۔"

"اوہ بہت افسوس ہوا۔ لیکن فکر مت کرو بہنو جب تک میں یہاں ہوں آپ کو تفریح پر لے جاتا

رہوں گا۔"

"ارے واقعی! پھر تو بہت مزا آئے گا۔ خوب مزے کریں گے ہم۔" وہ دونوں ہی بے تحاشا خوش ہوگئیں۔ سیر وتفریح کی وہ دلدادہ تھیں لیکن اماں جان کی طرف سے عائد پابندیوں کے باعث شتر بے مہار نہ بن سکی تھیں۔ صباحت اتنی فرماں بردار نہ تھیں جو ساس کی باتوں پر من وعن عمل پیرا ہوتیں یا بچیوں کو یہ سعادت مندی سکھاتیں۔ وہ اماں جان کی لاعلمی میں ہر وہ کام کرتی تھیں جو روبرو کرنے سے گریز کیا جاتا تھا۔ کیونکہ صباحت نے بھی ساس کو وہ عزت رتبہ نہ دیا تھا جس کی وہ حق دار تھیں بظاہر تو وہ بڑی خوش اخلاقی و ادب کا مظاہرہ کیا کرتی تھیں مگر حقیقتاً وہ انہیں پسند نہ کرتی تھیں۔ سخت بدظن تھیں اور یہی منافقانہ انداز ان کی تربیت کے ذریعہ عادلہ و عائزہ میں سرایت کر گیا تھا۔ وہ باپ سے زیادہ ماں کے قریب تھیں اور ماں کی آنکھوں سے دیکھنے اور ان کے ذہن سے سوچنے کی عادی تھیں۔

"دادی جان سے اجازت آپ لیا کریں گے باہر جانے کی، وہ تو ہمیں کبھی بھی اجازت نہیں دیں گی۔" عادلہ نے حتمی انداز میں کہا۔

"جی ہاں! اور دادی کو غلطی سے بھی یہ نہ بتائیے گا کہ یہ ہماری خواہش ہے۔" عائزہ نے بھی عادلہ کی ہاں میں ہاں ملائی تھی۔

"میرے خیال سے تو دادی جان بے حد نرم مزاج اور محبت کرنے والی ہیں۔" طغرل کی بات پر عادلہ نے اس کی طرف دیکھا تھا۔ سفید وسرخ رنگت، مردانہ نقوش خوب صورت تھے۔ آنکھیں اعتماد کی چمک سے روشن تھیں۔ ایک بے نام سی جنوں خیزی وسرکشی اس کی ذات میں پنہاں تھی۔ ایک ایسی کشش جو دیکھنے والی آنکھ کو متحیر کرتی تھی۔ عادلہ کا دل چاہا وہ چپکے سے اسی کا ہو جائے۔ کوئی دوسری نگاہ اس کی طرف اٹھے ہی نا اور وہ کسی جگنو کی طرح اس کو دل کی مٹھی میں قید کرلے۔ یہ حقیقت تھی طغرل کو جب سے اس نے دیکھا تھا تب سے ہی اس کے دل کی دنیا بدلی بدلی تھی۔ وہ اس کے قرب کے مواقع تلاش کرتی تھی۔

"دادی جان! صرف اس گھر میں ایک ہی ہستی سے پیار کرتی ہیں اور وہ ہستی ہے ان کی لاڈلی چہیتی پری کی...... جو ان کے حواسوں پر ہر وقت چھائی رہتی ہے ہمیں تو وہ اس قابل سمجھتی نہیں کہ محبت کریں۔" عائزہ جو عادلہ کی کیفیت سے بے خبر تھی، منہ بسور کر بولی۔

پری کے نام پر وہ چونکا تھا اسے یہاں آئے ایک ہفتے سے زائد ہو چکا تھا اور اس عرصے میں وہ ایک بار بھی اس سے نہیں ملی تھی۔ پہلے تو اس نے خود ہی اس کو نظرانداز کیا تھا لیکن اس وقت اس کا نام سن کر اس سے ملنے کی خواہش انگڑائی لے کر بیدار ہوئی تھی۔ وہ پوچھ بیٹھا۔

"وہ محترمہ کہاں پائی جاتی ہیں؟ ابھی تک ان سے میرا ٹکراؤ نہیں ہوا ہے۔ کیا پری کہیں گئی ہوئی ہے؟" اس نے عادلہ سے استفسار کیا تھا۔

"وہ کہاں جائے گی......؟ یہیں گھر میں ہوتی ہے ہر وقت۔"

"حیرت! کہاں ہوتی ہے، مجھے کہیں دکھائی نہیں دی ابھی تک......؟" اس کے انداز میں حیرانی تھی۔ عادلہ کو جلن سی محسوس ہونے لگی تھی۔

"وہ ایسی ہی ہے سڑیل مزاج، مجال ہے جو کسی کو برداشت کرے، ہر ایک سے لڑنے جھگڑنے والی، بدتمیز وبدمزاج لڑکی ہے وہ۔"

"وہ ابھی تک ایسی ہی ہے جنگلی بلی کی طرح غرانے والی، نوچنے والی...... میں سمجھا تھا وقت نے اسے بدل دیا ہوگا۔"

"کچھ لوگ ہوتے ہیں ایسے جن کو وقت بھی بدل نہیں سکتا۔ آپ کے آنے سے کچھ عرصہ قبل تک وہ دادی جان سے لڑتی رہی تھی۔"

"دادی جان سے......! مگر کیوں؟" اس کے انداز میں ناگواری در آئی تھی۔

"کمرے کی وجہ سے......" عادلہ نے بھولپن کی اداکاری شروع کردی۔

"کیا کمرے کی وجہ سے...... یہ کیا بات ہوئی؟"

"دراصل جو کمرا آپ کو دیا گیا ہے وہ پری کا کمرا ہے، وہ اپنے کمرے میں کسی کو برداشت نہیں کرتی۔ میں نے بہت چاہا وہ اپنا کمرا کسی طرح مجھے دے دے چند دنوں کے لیے مگر اس نے انکار کردیا۔ پھر آپ کے آنے کا ہوا تو دادی نے کہا وہ کمرا آپ کے لیے خالی کردے اور یہیں سے وہ دادی کی دشمن بن گئی۔ نامعلوم کس طرح وہ کمرا خالی کرنے پر آمادہ ہوئی ہے۔" عادلہ نے مہارت سے اس کو معلومات بہم پہنچائی تھیں۔

"اوہ! سمجھا، میں تو کہیں بھی ٹھہر جاتا یہاں اور بھی کمرے ہیں۔ دادی نے خوامخواہ اس کی منتیں کیں۔" وہ سنجیدگی سے گویا ہوا۔

"کمرے تو بہت ہیں مگر پری کے کمرے جیسا کوئی نہیں۔ وہ اپنے کمرے کی بہت حفاظت کرتی ہے اس لیے اس کا کمرا سب سے زیادہ صاف وخوب صورت ہے۔"

"اس کو تو شوق ہے صفائی کا۔ اب دادی کے کمرے میں رہ رہی ہے تو وہاں کی ماسی بنی رہتی ہے۔" عائزہ کی ہنسی استہزائیہ تھی۔



وہ عشاء کی نماز ادا کرنے کے لیے وضو کر کے واش روم سے باہر آئی تو پاپا کو دادی کے پاس بیٹھے دیکھ کر وہیں رک گئی تھی وہ ماں بیٹے اپنی گفتگو میں مگن تھے پاپا اس کی موجودگی ان کے لیے ایسی اہمیت نہ رکھتی تھی کہ وہ نگاہ اٹھا کر دیکھتے۔ وہ دیوار سے ٹیک لگا کر کھڑی ہوگئی تھی۔

اس کی نگاہیں باپ کے چہرے پر تھیں، سفید رنگت...... عمدہ نقوش! ان کے چہرے پر بے حد وقار و بردباری تھی۔ درمیانی عمر میں بھی ان کی شخصیت بے حد جاذب نظر تھی۔ اس نے کبھی اپنے باپ کو ہنستے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ کبھی کبھار وہ مسکراتے تھے تو ان کی آنکھیں اس مسکراہٹ کا ساتھ نہیں دیتی تھیں۔ اس نے ان کی آنکھوں میں حزن وملال دیکھا تھا۔ کسی کو کھونے کا دکھ دیکھا تھا...... ایسا دکھ جو بچپن سے اس کے اندر بھی پروان چڑھتا رہا تھا۔

"ارے تم وہاں کیوں دیوار سے چھپکلی کی طرح چپکی کھڑی ہو۔ یہاں آؤ۔" دادی کی اس کی طرف نگاہ

اٹھی تو وہ گویا ہوئیں۔ وہ خاموشی سے ان کے نزدیک آ کر بیٹھ گئی تھی۔

''تم نے شاپنگ کی تھی؟ میں نے کہا تھا مزید رقم کی ضرورت ہو تو کال کر لینا۔'' فیاض صاحب نے اچٹتی ہوئی نگاہ اس پر ڈالتے ہوئے کہا۔

''وقت کہاں ملا بچی کو شاپنگ کا......؟ دوسرے دن یہ جاتی اور اس رات کو بہو اور طغرل بنا اطلاع کے آ گئے تب سے اب تک مہمانوں کی آمد و رفت ختم نہیں ہو رہی ہے۔ عادلہ اور عائزہ کو تو کام کے ذکر سے ہی گھبراہٹ ہونے لگتی ہے اور رہیں تمہاری بیگم صاحبہ، تو ان کو بس ہدایتیں دینی آتی ہیں، کام وام نہیں ہوتا ان سے پھر ظاہر یوں کرتی ہیں گویا سارے گھر کے کام وہ ہی سمیٹ رہی ہیں۔ شامت آئی ہے تو اس بچی کی تم نے شاپنگ کے لیے جو رقم دی تھی وہ میرے پاس ہے۔ پری نے مجھے دے دی تھی۔'' انہوں نے بہو اور پوتیوں کے رویے کا بھانڈا پھوڑا تھا۔

''اماں جان! آپ پریشان نہ ہوں۔ میں ایک اور ملازم رکھوا دوں گا۔''

''ارے یہ ملازم بڑے بدذات ہوتے ہیں۔ کتنا ہی اچھا کام کرنے والے کیوں نہ ہوں کام میں ڈنڈی مارنا اپنا حق سمجھتے ہیں۔ نامراد۔''

''ٹھیک ہے، میں صباحت کو سمجھاتا ہوں، اس کو اپنے فرائض ذمے داری سے ادا کرنے ہوں گے۔'' وہ اماں سے اجازت لے کر چلے گئے۔

''اب دیکھنا صباحت کو کس طرح بے عزت کرتا ہے فیاض، ساری اکڑ نکل جائے گی بیگم صاحبہ کی، بڑی مہارانی سمجھتی ہے خود کو۔''

''دادی جان! آپ کو پاپا سے مما کی شکایت نہیں کرنی چاہیے تھی اب خوامخواہ ان میں لڑائی ہوگی۔'' پری آہستگی سے بولی۔

''ارے خوامخواہ کیوں...... میں نے سچ کہا ہے۔ صباحت خود کو نا معلوم کیا سمجھنے لگی ہے۔ سیدھے منہ بات ہی نہیں کر رہی ہے۔ عورت مرد کے پیر کی جوتی ہے۔ اس کو اس کی جگہ پر ہی رکھنا مناسب ہے۔ پھر فیاض اچھی طرح جانتا ہے سر کی جگہ کس کے لیے ہے اور پاؤں کی کس کے لیے......'' وہ کچھ کہتے کہتے ایک دم رک گئیں تھیں۔ پری نے محسوس کیا پھر چپ رہی۔

''بڑی بہو چند دنوں کے لیے اپنے ماموں کے یاں مری گئی ہیں۔ اب مہمان نہیں آئیں گے۔ تم ایک آدھ دن اپنی نانو کے گزار کر آ جاؤ۔ کل بھی تم کہہ رہی تھیں کہ فون آیا تھا ان کا۔ بہت یاد کر رہی ہیں تمہیں۔''

''آپ کو چھوڑ کر کیسے جاؤں؟ آج کل آپ کے جوڑوں میں درد بھی زیادہ ہے۔''

''تمہارا دل چاہ رہا ہے جانے کو......؟'' عینک درست کر کے انہوں نے اس کی طرف کھوجتی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں دادی!'' اس کی زبان و سر انکار میں ساتھ ہلے تھے۔

''ٹھیک ہے...... ورنہ میں سوچ رہی تھی اگر تم چلی گئیں تو پریشانی ہو جائے گی۔ طغرل میری محبت میں اپنی ماں کے ساتھ مری نہیں گیا۔ تمہارے جانے کے بعد میں کس طرح بچے کا خیال رکھتی۔ اسے کھانے

پینے کا مسئلہ ہو جاتا۔" وہ صاف گوئی سے اس کو حقیقت بتانے لگیں جو اس کو پتنگے لگا گئی۔

"اچھا! ابھی ابھی آپ کہہ رہی تھیں میں نانو کے جا کر رہ آؤں تو وہ جھوٹ تھا؟"

"فضول گوئی کیوں کرتی ہے۔ چل! اتنی دیر سے وضو کر کے آئی ہوئی ہے۔ نماز ادا کر...... بلاوجہ کی باتوں میں وقت ضائع کر رہی ہے۔" دادی کو فوری اپنی غلطی کا احساس ہوا تو وہ اسے ٹالتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"میں آپ کے اس لاڈلے کی ملازم نہیں ہوں جو آپ مجھے سمجھ رہی ہیں۔" وہ نماز کی چادر باندھتے ہوئے بدمزاجی سے گویا ہوئی تھی۔

"میں پوچھتی ہوں کس بناء پر تم اتنی اکڑ دکھا رہی ہو؟ ہیں...... ! دماغ ہی تمہارے آسمان کو چھونے لگے ہیں، طغرل کو تم نے سلام تک کرنا بھی گوارا نہ کیا۔ اس بچے سے اس طرح چھپتی پھرتی ہو جیسے اسے "چھوت" کی بیماری ہو جو اڑ کر تمہیں لگ جائے گی۔"

دادی جان جو اس کا گریز و اجتناب بددلی سے برداشت کر رہی تھیں، کہہ اٹھیں۔

"اگر میں تمہیں کچھ کہہ نہیں رہی ہوں تو اس کا یہ مقصد نہیں کہ تم میرے سر پر چڑھتی چلی جاؤ۔ چھوٹے بڑے کا ادب ولحاظ بھول کر، میں نے تمہاری تربیت ایسی نہیں کی کہ تم گھر آئے لوگوں سے ایسی بدسلوکی کرو......" ابھی دادی کی ڈانٹ پھٹکار جاری تھی معاً کھلے دروازے سے دلفریب مہک داخل ہوئی تھی۔ ساتھ ہی بھاری جوتوں کی آواز تو سرعت سے جاءنماز لے کر کمرے سے ملحقہ گیلری کی طرف بڑھ گئی۔ اسے معلوم تھا آنے والا طغرل تھا۔ وہ ہی ایسے ہوش ربا پرفیومز استعمال کرنے کا عادی تھا جو خاصے فاصلے سے اس کی آمد کا پتا دیتے تھے۔ اب بھی ایسا ہی ہوا تھا۔ وہ کئی منٹ تک گیلری میں کھڑی یہ سوچتی رہی کہ وہ یہاں کیوں آیا ہے۔ اس سے قبل وہ کبھی رات کے وقت کمرے میں نہیں آیا تھا۔

"آؤ، آؤ بیٹے! کیا بات ہے ابھی تک سوئے نہیں؟" طغرل کو دیکھ کر دادی کے چہرے پر مسکراہٹ روشنی بن کر پھیل گئی تھی۔

"نیند نہیں آ رہی تھی اس لیے آپ کے پاس چلا آیا۔ آپ پریشان تو نہیں ہو رہی ہیں؟" وہ ان کے قریب بیٹھ کر بولا۔

"میں اپنے بچے کے آنے سے پریشان کیوں ہوں گی۔ آؤ آرام سے بیٹھ جاؤ۔" انہوں نے پیچھے کھسک کر اسے مزید جگہ دی، ویسے تو اس ڈبل بیڈ پر خاصی جگہ تھی۔ وہ آرام سے بیٹھ ہی نہیں لیٹ بھی سکتا تھا۔ ان کا اسے مزید جگہ دینا اس مثل کو صادق کر رہا تھا کہ اصل گنجائش گھروں میں نہیں، دلوں میں ہوتی ہے۔ اگر کسی سے ہم محبت کرتے ہیں، اپنا سمجھتے ہیں تو چھوٹی سے جھونپڑی میں بھی جگہ نکل آتی ہے اور کوئی اگر ہمیں ناپسند ہو تو محل میں بھی چھوٹی سی جگہ نکل نہیں پاتی ہے...... یہی چاہت بھرا حال یہاں بھی تھا اور گیلری میں نماز کے لیے کھڑی ہونے والی پری اس کی پذیرائی پر جل کر رہ گئی تھی۔

"اتنے بڑے بیڈ پر آپ تنہا سوتی ہیں دادی جان!" وہ ان سے مخاطب ہوا مگر اس کی متلاشی نظریں کمرے کا جائزہ لے رہی تھیں۔

"میں تنہا کہاں سوتی ہوں؟ پری سوتی ہے میرے برابر میں۔"

"پری؟ کون سی پری...... لال پری، سبز پری یا کالی پری......؟"

"چل ہٹ...... ! مسخرہ پن مت کر۔ پری یعنی پارس سوتی ہے میرے پاس۔"

"سنا ہے پارس جس کو چھو جائے وہ سونے کا ہو جاتا ہے لیکن یہاں مجھے کوئی ایسی تبدیلی نظر نہیں آ رہی ہے۔ اس کا مطلب ہے پارس اصلی نہیں ہے۔" وہ گیلری میں کھلنے والی کھڑکی سے گلابی آنچل کی جھلک دیکھ چکا تھا۔ وہ سمجھ گیا وہ اس کی وجہ سے وہاں روپوش ہے، سو مزے سے گویا ہوا۔

"بال کی کھال نکالنا کہاں سے سیکھ لیا تم نے؟" وہ متعجب ہوئیں۔

"جو میں نے سنا ہے وہ کہہ رہا ہوں دادی جان! کیا پارس پتھر سچ مچ ہوتا ہے۔"

"میں کیا جانوں؟ میں نے اپنے بڑوں سے سنا تھا پارس پتھر ہوتا ہے اور جو اسے چھو لے وہ سونے کا بن جاتا ہے۔" وہ اس کی باتوں میں آ گئی تھیں۔

"آپ نے اپنے بڑوں سے سنا اور یقین کر لیا اور شاید ان محترمہ نے بھی آپ کی سنی سنائی پر یقین کر لیا۔ تب ہی خود کو چھپا کر رکھتی ہیں کہ کوئی انہیں چھو کر سونا نہ بن جائے۔" اس نے قہقہہ لگاتے ہوئے اس پر طنز کیا تھا۔

"کمینہ! دل تو کر رہا ہے منہ توڑ کر ہاتھ میں دے دوں اس کا۔" وہ جو نماز پڑھ کر اس کے جانے کے انتظار میں بیٹھ گئی تھی اس کے بے تکلفی سے خود پر کیے جانے والے طنز پر تپ کر بڑبڑائی تھی۔

"ارے بچے! تو ابھی بھی نہیں سدھرا؟ پری سے ابھی بھی تیری چھیڑ خانی ایسی ہی جاری ہے، کیا اب بھی تو لڑائیاں لڑے گا؟"

"ہونہہ! کتے کی دم بھی کبھی سیدھی ہوئی ہے جو یہ سدھرے گا؟" وہ جو اس کی باتیں سن رہی تھی بڑبڑائی تھی۔

"نہیں...... نہیں...... میری ایسی جرأت کہاں کہ میں پری کی شان میں گستاخی کر سکوں؟" اگر اس نے جادو کی چھڑی سے مجھے پھول بنا کر اپنے جوڑے میں لگا لیا تو میں مرجھا کر رہ جاؤں گا۔" اس کے انداز پر دادی ہنس پڑی تھیں جبکہ مارے ضبط پری کا برا حال ہو رہا تھا۔ وہ سمجھ رہی تھی وہ یہ سب بکواس اس لیے کر رہا ہے کہ وہ غصے میں آ کر اس کے سامنے چلی جائے اور وہ اس کے سامنے جانا نہیں چاہتی تھی۔ اسی لیے اس کی باتیں سن سن کر گیلی لکڑی کی مانند اندر ہی اندر سلگ رہی تھی۔

"بس اب بہت ہو گیا۔ مت پریشان کر دپری کو......" دادی کو معلوم تھا وہ کس طرح اندر ہی اندر سلگ رہی ہو گی اسی خیال سے وہ طغرل سے مخاطب ہوئی تھیں۔

"میں تو کسی کو پریشان نہیں کر رہا پھر کمرے میں آپ اور میرے علاوہ کوئی تیسرا شخص نہیں ہے۔" وہ بھی اول نمبر کا کائیاں شخص تھا۔

"پری گیلری میں نماز پڑھ رہی ہے۔" وہ اس کو بتا کر پری سے کہنے لگیں۔

"پری! کیا سو رکعت نفل کی نیت باندھ کر کھڑی ہو گئی ہو؟"

"مجھے لگتا ہے دادی جان! شاید ہزار رکعت کی نیت باندھ لی ہے۔" طغرل کو نامعلوم کیوں بہت لطف محسوس ہورہا تھا۔

"ہیں، ہیں طغرل! یہ چلبلا پن کہاں سے سیکھ لیا بچے!"

"جب وقت بھاری پڑتا ہے تو سب سکھا دیتا ہے۔" وہ شرارتی انداز میں بولا۔

"اللہ نہ کرے، جو تم پر وقت بھاری پڑے...... کیوں اول فول بک رہے ہو......؟ چلو جا کر سوؤ۔ زیادہ جاگنے سے دماغ چل گیا ہے تمہارا۔" وہ تکیہ درست کر کے لیٹتے ہوئے گویا ہوئیں۔

"نیند نہیں آرہی دادی جان! آج ساری رات میں آپ سے باتیں کروں گا۔" وہ قریب ہی نیم دراز ہو کر بولا۔

"اب میں سوؤں گی اور جاگی تو تہجد کے لیے آنکھ نہیں کھلے گی۔" انہیں پری پر غصے کے ساتھ ترس بھی آنے لگا تھا۔ بلاوجہ ضد میں طغرل سے چھپ رہی تھی اور جو بات بلاسبب ہو وہ تکلیف کا باعث ہوتی ہے جیسے وہ اس وقت چھوٹی سی گیلری میں قید ہو کر رہ گئی تھی۔ اس کی عادت تھی عشاء کی نماز پڑھتے ہی سونے کی اور اسے نماز ادا کیے خاصا وقت گزر گیا تھا۔ نیند سے اس کی حالت بری ہورہی تھی۔

"اچھا...... کسی اور کی خاطر مجھے آپ بھگا رہی ہیں؟" وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔

"ارے نہیں میرے بچے! ایسا نہیں ہے، بس مجھ سے اب جاگا نہیں جاتا ہے۔" دادی نے جھٹ پٹ اس کی پیشانی چوم کر وضاحت کی تھی۔ اس کو بھی احساس ہوا کہ مذاق ہی مذاق میں وہ اب زیادتی کا مرتکب ہورہا ہے تو وہ فوراً ہی معذرت کرتا ہوا اٹھ کھڑا ہوا۔



وہ ساری رات، سارا دن ایک آزمائش و کشمکش میں بسر ہوا تھا۔ سیل فون اس نے بند کر کے اپنے ملبوسات میں چھپا کر رکھ دیا تھا۔ اس کے اندر جنگ چھڑ گئی تھی۔ ایک طرف اس کی نوزائیدہ محبت تھی تو دوسری جانب ماں باپ کا اعتماد و تربیت...... بچپن سے اسے حالات کی اونچ نیچ سکھائی گئی تھی کہ کسی راہ پر قدم ڈگمگائیں نا اور وہ راستہ بھٹک کر منزل نہ کھو بیٹھے۔

"میں اپنی رجاء کو اعلیٰ تعلیم دلواؤں گی۔ ہمارے مذہب میں تعلیم حاصل کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ماں کی گود سے قبر کی آغوش تک علم حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ تعلیم برائیوں سے بچاتی ہے، اچھائیاں سکھاتی ہے۔" امی کی پریقین آواز اس کی سماعتوں میں گونجنے لگتی تو کبھی ابو کا پراعتماد لہجہ اس کے ارادوں کو ڈانواں ڈول کررہا تھا۔

"رجاء بیٹی! جوان بیٹی جب گھر سے باہر جاتی ہے تو اس کے سر پر والدین کی محبت، اعتماد و عزت کا تاج ہوتا ہے جس کی ہر قدم پر، ہر نظر پر حفاظت کرنی پڑتی ہے، یہ تاج کانچ سے بھی زیادہ نازک اور ہیرے سے بھی بڑھ کر قیمتی و نایاب ہوتا ہے کہ ذرا سی لغزش، معمولی سی لڑکھڑاہٹ سے گر کر چکنا چور ہو جاتا ہے اور کانچ ٹوٹ کر جڑتے نہیں ہیں اب یہ ہماری عزت و مان کا تاج تمہارے ہاتھوں میں ہے۔"

کالج کا وہ پہلا دن تھا وہ گھر سے نکلنے والی تھی جب ابو اس سے مخاطب ہوئے تھے۔ اس وقت اس نے

کہا تھا کہ وہ جان دے دے گی مگر اس تاج کو ٹھوکر بھی نہ لگنے دے گی۔

آج دو سالوں میں ہی وہ سارے عہد بھول گئی تھی۔ ماں باپ کی برسوں کی محبت، سنی کی نوزائیدہ محبت اس محبت پر بازی لے جانا چاہتی تھی۔

"سنی کی محبت کو مت آزمانا بھی...... وہ بے حد جذباتی ہے، تم نے ذرا بھی اس کے جذبوں کو کچلنے کی کوشش کی تو وہ خود کو نقصان پہنچا لے گا۔ وہ محبت کا ترسا ہوا ہے۔ وہ تم میں اپنی دنیا دیکھتا ہے۔" وردہ نے گلوگیر لہجے میں کہا تھا۔

یہ سب آوازیں روتی، چلاتی، مسکراتی، گنگناتی ہوئی آوازیں جو کسی آسیب کی طرح اس کے اندر حشر برپا کررہی تھیں اور وہ سوچتی سیل فون وردہ کو واپس کردے اور صاف کہہ دے کہ وہ اس ٹائپ کی لڑکی نہیں ہے جو اپنے والدین کے اعتماد و عزت کا خون کر کے اپنے لیے خوشیاں خریدے۔ وہ کسی سے منسوب ہو چکی ہے اور اسے یہ حق حاصل نہیں کہ وہ کسی کے ساتھ محبت کی پینگیں بڑھائے۔ اس جیسی مذہبی گھرانے کی لڑکی کو یہ زیب نہیں دیتا۔ لیکن پھر اسے یاد آتا کہ سنی نے اگر خود کو کوئی نقصان پہنچا لیا۔ اس کی مجبوریوں کو اس نے بے وفائی سمجھا تو وہ کس طرح خود کو معاف کر سکے گی......؟ ایک طرف والدین کے اعتماد و عزت کا خون ہونے سے بچاتی تو دوسری طرف سنی اپنی بے وفائی کے خون میں لت پت دکھائی دیتا ہے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ کوئی ایسی ترکیب مل جائے جس سے نہ تو والدین کا اعتماد مجروح ہو اور نہ ہی سنی سے جدا ہو سکے۔ ابھی وہ اسی اُدھیڑ بن میں تھی کہ فون کی آواز سن کر کمرے کی طرف بھاگی تھی۔



دادی جان کو نزلہ اور کھانسی ہو گئی تھی۔ وہ ان کے لیے قہوہ بنانے کچن میں آئی اور قہوہ مگ میں ڈالنا چاہتی تھی کہ خوش بو کے زبردست جھونکے نے اسے اپنے حصار میں لے لیا تھا۔ قدموں کی آہٹیں بھی اس طرف آرہی تھیں۔

"اف خدایا! یہ یہاں کیوں آرہا ہے؟" اس نے گھبراہٹ میں مگ کاؤنٹر پر رکھا اور خود کاؤنٹر کے دوسری طرف بیٹھ گئی تھی۔ اسی وقت طغرل کچن میں داخل ہوا تھا۔

"اوہ......! ابھی تو محسوس ہورہا تھا یہاں کوئی ہے۔" وہ کچن میں نگاہیں دوڑاتا اونچے لہجے میں بولا تھا۔ "مگر یہاں تو کوئی نہیں ہے، چلنا چاہیے۔" وہ خود کلامی میں کہہ رہا تھا۔ دوسرے لمحے اس کے جاتے قدموں کی آوازیں دور ہوئیں تو یہ یقین کرنے کے بعد کہ وہ چلا گیا ہے، پری کاؤنٹر کے پیچھے سے نکل آئی تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی وہ اسے تنگ کرنے کے لیے ایسی حرکتیں کررہا ہے مگر وہ ہار ماننے والی نہیں تھی۔ وہ سوچتی ہوئی آگے بڑھی تھی پھر حیرت سے وہ ساکت رہ گئی۔ طغرل سینے پر بازو لپیٹے اطمینان سے کھڑا تھا کچن کے درمیان میں۔

(باقی آئندہ ماہ ان شاء اللہ)



بجھ گئے دیپ سارے

ایم جے صدا

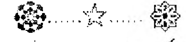
محبت میں کوئی صدمہ اٹھانا چاہیے تھا
بھلایا تھا جسے وہ یاد آنا چاہیے تھا
میری اور اس کی آرزو میں فرق یہ تھا
مجھے بس وہ' اسے سارا زمانہ چاہیے تھا

باہر بہت شدید بارش ہورہی تھی۔ زمین پہ گرتے بارش کے ہر قطرے کے ساتھ ساتھ اس کے خیالات اور سوچوں میں بھی اضافہ ہورہا تھا۔ شاہ میر اب تک گھر نہیں لوٹا تھا' رات ڈیڑھ بجے کا وقت ہوچلا تھا۔ اس کا سیل فون بھی مسلسل آف جارہا تھا اور اس پر طوفانی بارش......

"نہیں' شاید کہیں رُک گئے ہوں گے۔ بارش ختم ہونے کا انتظار کررہے ہوں گے۔" اس نے وسوسوں میں گھرے دل کو تسلی دی۔ "کہاں جاؤں' کس سے معلوم کروں' کسی کو جانتی بھی تو نہیں یہاں۔ یا خدا میرے میر کو صحیح سلامت گھر پہنچادے۔" ہر گزرتے لمحے کے ساتھ اس کی پریشانی میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ عجیب سی خاموشی نے پورے گھر کا احاطہ کررکھا تھا۔ اس ہیبت ناک خاموشی میں ذرا سی آہٹ بھی اسے ہلادینے کو کافی تھی۔ بار بار نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے ذہن میں ایک ہی خیال آرہا تھا۔ "کہیں یہ خاموشی آنے والے کسی طوفان کا پیش خیمہ تو نہیں...... نہیں نہیں میں خوامخواہ ہی وہم پال رہی ہوں' جائیں گے کہاں' ابھی آجائیں گے۔" اس نے ذہن میں اٹھنے والے تمام خیالات کو جھٹکا اور دھیان بانٹنے کی غرض سے اپنا نامکمل ناول سنبھال لیا۔ اس کے ناول کی آخری قسط رہ گئی تھی۔ جس کے مکمل ہوجانے کا شاہ میر کو بھی بے صبری سے انتظار تھا۔ اس خیال سے وہ اسٹڈی کی طرف بڑھ گئی۔ اسے پیاس محسوس ہوئی اس لیے پہلے کچن کا رُخ کیا' فریج سے پانی نکال کر دروازہ بند کیا۔ تو نظر دروازے پر لگی تصویر پر پڑ گئی۔ شاہ میر اور اس کے ہنی مون کی تصویر تھی' کتنا خوش دکھائی دے رہا تھا شاہ میر اور اس پر اس کی ہمیشہ سے چمکتی شوخ آنکھیں...... شادی کو ڈھائی ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا مگر اب تک وہ شاہ میر کی آنکھوں میں جھانک کر نہ دیکھ پائی تھی۔ کتنا دل چاہتا تھا اس کا کہ شاہ میر کی آنکھوں کو بغور دیکھے اور ڈوب جائے مگر اس کی آنکھوں کی چمک اور شوخی ہر بار اس کا ارادہ بدل دیتی تھی۔

وہ ناول مکمل کرنے کا ارادہ ترک کرکے وہیں کرسی گھسیٹ کر بیٹھ گئی' اچانک ہی میر کی بے انتہا یاد ستانے لگی تھی حالانکہ وہ تو ہر دم اس کے پاس تھا مگر پھر بھی اس

وقت اس کا شدت سے دل چاہا کہ شاہ میر کی مضبوط بانہوں میں جا چھپے اور پھر کبھی اس کو خود سے جدا نہ ہونے دے۔ ابھی چھ ماہ پہلے کی ہی تو بات ہے جب وہ شاہ میر پر نگاہ ڈالنا بھی پسند نہیں کرتی تھی اور اب یہ عالم تھا کہ جب تک اسے دیکھ نہ لے۔ اس کے دل کو چین نہیں آتا تھا۔ یونہی میر کو یاد کرتے کرتے وہ زندگی کے چھ ماہ اور تیرہ دن پیچھے لوٹ گئی۔



"اوہ! آج بھی انٹرویو کے لیے لیٹ ہو جاؤں گی۔" اس نے جلدی سے ہینڈ بیگ اٹھایا اور چادر درست کرتے باہر کی طرف قدم بڑھا دیے۔

"ارے ایمان بیٹا! ناشتا تو کرتی جاؤ۔" ماما جان نے اسے پکارا۔

"نہیں ماما جان! پہلے ہی بہت لیٹ ہوگئی ہوں بس آپ دعا کیجیے گا۔"

"ہاں بیٹا پر خالی پیٹ تو نہ جاؤ نا' کم از کم دودھ تو پی لو۔" ماما جان جلدی سے گلاس میں دودھ ڈال کر لے آئیں اور وہ جلدی سے ایک ہی سانس میں گلاس خالی کر کے انہیں تھماتی یہ جا وہ جا......

"یا اللہ میری بچی کو کامیاب کرنا۔" انہوں نے صدق دل سے دعا دی۔

بس اسٹینڈ تک تو وہ پہنچ گئی تھی لیکن اس سے پہلے کہ بس تک پہنچتی بس چل پڑی۔ اس نے اشارہ بھی کیا مگر بے سود۔

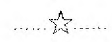
"یا اللہ اب کیا کروں۔ پہلے ہی بہت لیٹ ہو چکی ہوں۔ ٹیکسی کرتی ہوں مگر ٹیکسی کا کرایہ؟ خیر ایک بار جاب لگ جائے تو سب ٹھیک ہو جائے گا۔" یہی سوچ کر وہ ٹیکسی روکنے کے ارادے سے آگے بڑھی' ابھی دو قدم ہی چلی تھی کہ وہی سیاہ کار اسے نظر آئی جو پچھلے دو دن سے نکڑ سے بس اسٹینڈ تک اس کا پیچھا کر رہی تھی۔

پچھلے دو دن سے تو وہ نظر انداز ہی کر رہی تھی مگر اب اسے پریشانی نے گھیر لیا۔ شیشے کالے ہونے کی وجہ سے یہ بھی نہ جان سکتی تھی کہ چلانے والا کون ہے؟ گاڑی اب عین اس کے برابر آن رکی۔ شیشہ نیچے کیا گیا' اندر جو کوئی بھی تھا بغیر اس کی جانب دیکھے اس سے مخاطب ہوا۔

"آئیے محترمہ' آپ کو جہاں جانا ہے میں چھوڑ دوں گا۔"

ایمان چند لمحوں کے لیے اجنبی کی ہمت پر ساکت رہ گئی۔ اس کے لہجے میں لفٹ کی آفر کم اور بیٹھنے کا حکم زیادہ تھا۔

"نو تھینکس' میں خود چلی جاؤں گی۔" وہ مختصر سا جواب دے کر آگے بڑھ گئی اور اس کے ساتھ ہی گاڑی بھی ہوا ہوگئی۔



"السلام علیکم امی!"

"وعلیکم السلام بیٹا! تم چلو بیٹھو میں تمہارے لیے کھانا لگا دیتی ہوں۔"

"نہیں امی! مجھے بھوک نہیں ہے۔"

"کیوں بھوک نہیں ہے؟ صبح بھی تم ایسے ہی نکل گئی تھیں' صحت دیکھی ہے اپنی' روز روز انٹرویو کے چکر میں صحت تباہ کر لی ہے اپنی۔"

"فکر نہ کریں امی! اب مزید کوئی چکر نہیں لگے گا۔" اس کی آواز میں اداسی اور مایوسی نمایاں تھی۔

"تو کیا جاب پکی ہوگئی ہے۔"

"نہیں امی...... یہاں کون دے گا مجھے جاب بغیر سفارش کے' میری ڈگریاں تو دلانے سے رہیں مجھے نوکری۔ جہاں بھی جاؤ ایک ہی جواب سننے کو ملتا ہے۔ "سفارش ہے آپ کے پاس" یا "پھر آپ جائیے ہم آپ کو کال کر کے بتا دیں گے" اور آج تک ایک بھی کال نہیں آئی۔ بس اب میں تھک گئی ہوں امی! کچھ نہیں بن سکتا میرا۔" اس نے سر کرسی کی پشت گاہ سے ٹکا دیا۔

"مایوسی کی باتیں نہ کیا کرو بیٹا! کیوں اداس ہوتی ہو؟ خدا کے ہاں دیر ہے اندھیر نہیں۔ تمہارے اور میرے علاوہ ہے ہی کون اس گھر میں' تمہارے بابا کے بعد کیا کچھ نہیں کیا میں نے۔ آج تو تمہیں کھلا سکتی ہوں لیکن کل کے لیے تمہیں خود کوشش کرنی ہوگی۔"

"امی! ایسی باتیں نہ کریں۔" اس نے ان کے کندھے سے سر ٹکا لیا۔

"بیٹا! یہ باتیں نہیں حقیقت ہے۔ موت تو برحق ہے اور ایک نہ ایک دن آنی ہے' میں چاہتی ہوں بُرے اور مشکل وقت کے لیے تم پہلے سے اپنے آپ کو تیار کر لو۔ آج کل کوئی کسی کا نہیں ہے اور مجھے کسی پر بھروسا بھی نہیں ہے۔ جن رشتہ داروں نے تمہارے بابا کے چلے جانے کے بعد ہم سے رشتہ توڑ لیا ہے' ہوسکتا ہے میرے چلے جانے کے بعد یہ تمہارے طرف لوٹیں مگر وہ ان کی محبت اور ہمدردی نہیں بلکہ خود غرضی ہوگی اور میں تمہیں کسی بھی مشکل میں چھوڑ کر جانا نہیں چاہتی بلکہ میری تو مالک سے دعا ہے کہ میری حیات ہی میں تمہیں کوئی اچھا اور نیک جیون ساتھی مل جائے تاکہ مجھے سکون سے موت آ جائے۔"

وہ امی اور بابا دونوں کی لاڈلی تھی مگر بابا کے چلے جانے کے بعد وہ انہیں پہلے سے بھی زیادہ عزیز ہوگئی تھی اور اب وہ اس کے معاملے میں پہلے سے زیادہ حساس ہوگئی تھیں۔

"چلو تم ہاتھ منہ دھو لو' میں کھانا لگا دیتی ہوں اور یاد رکھو چاہے جیسا بھی کڑا وقت آ جائے' کبھی بھی خدا کی رحمت سے مایوس مت ہونا۔ وہ دے گا اور ضرور دے گا ان شاء اللہ۔"

"سوری ماما جان! آئندہ ایسا نہیں ہوگا۔"

ان کے کچن میں چلے جانے کے بعد وہ وہیں بیٹھی رہی اور اب وہ اسی گاڑی والے کے بارے میں سوچنے لگی۔

"کون ہے وہ اور اس طرح پیچھا کرنے کا مقصد' اور پھر آج والا واقعہ......" کوئی سرا اس کے ہاتھ نہیں لگ رہا تھا۔ اس کی زندگی میں ہونے والا یہ پہلا واقعہ نہیں تھا بلکہ جب سے اس نے جوانی کی سیڑھی پر قدم رکھا تھا' آئے دن اسے اس قسم کے حالات کا سامنا کرنا پڑتا۔ اللہ تعالیٰ نے دل کھول کر اسے حسن سے نوازا تھا اور اس پر اس کی چمکیلی سیاہ آنکھیں کسی کو بھی ہوش سے بیگانہ کرنے کے لیے کافی تھیں۔ ماما جان نے اسے شروع سے ہی ایسے حالات کا سامنا کرنا سکھایا تھا۔ وہ ڈرنے والوں میں سے نہیں تھی مگر کبھی کبھی اس کی جذباتی طبیعت اس پر غالب آجاتی۔ "جو بھی ہو' مجھے اس سے کیا۔" تمام خیالوں کو جھٹک کر وہ منہ ہاتھ دھونے اٹھ گئی۔



آج بھی اسے ایک فرم میں انٹرویو کے لیے جانا تھا اور اس بار اسے پورا یقین تھا کہ یہ جاب اسے ضرور ملے گی۔ اسے بس اسٹینڈ پر کھڑے کچھ دیر ہوئی تھی۔ جب اسے اپنے سائیڈ میں کسی کی موجودگی کا احساس ہوا پرفیوم کی مسحور کن خوشبو اور کلائی پر بندھی قیمتی گھڑی' اجنبی کی امارت کا پتا دے رہی تھی۔ اس نے ضروری نہیں سمجھا کہ نظر اٹھا کر اس ہستی کو دیکھا جائے اور پھر وہ اس کے کتنے قریب کھڑا تھا۔ اسے عجیب سا محسوس ہوا اس لیے خاموشی سے پانچ چھ قدم ہٹ کے کھڑی ہوگئی۔ ایک منٹ بھی پورا نہیں گزرا ہوگا کہ پھر وہی خوشبو...... لیکن اس بار بھی اس نے نظر اٹھا کر دیکھنا ضروری نہیں سمجھا۔ دو پل بھی نہ گزرے اور کہیں سُنی سُنی سی بارُعب آواز ابھری۔

"سنیے محترمہ! ٹائم کیا ہوا ہے؟"

اسے یاد نہیں آرہا تھا کہ یہ آواز کہاں سنی ہے، اس نے ذہن پر زور دیا تو دو دن پہلے والا واقعہ یاد آگیا۔ ”یہ وہی گاڑی والا تو نہیں؟“ اس نے سوچا۔

”محترمہ! میں نے کچھ پوچھا ہے۔“ اجنبی کی آواز اسے سوچوں سے کھینچ لائی۔

اس نے سوچا کھری کھری سنا ہی دے کہ گھڑی ہوتے ہوئے ٹائم پوچھنے کا کیا مقصد ہے۔ پھر یہ سوچ کر خاموش ہوگئی کہ خوامخواہ تماشا نہ بن جائے اور پھر وہ کیا سوچے گا کہ میں اسے بغور دیکھ رہی تھی، یہی سوچ کر اس نے ٹائم بتادیا۔

”جی ساڑھے نو۔“ اتنا کہہ کر وہ پھر سے دور ہٹ کے کھڑی ہوگئی۔ اجنبی کا چہرہ ابھی بھی نہ دیکھ پائی تھی اور نہ ہی اس کی تربیت اسے اس چیز کی اجازت دیتی تھی۔

بس کے آتے ہی وہ لپک کر بس میں چڑھ گئی اور جلدی سے دروازے کے ساتھ والی سیٹ سنبھال لی۔ بس چلنے سے قبل ہی غیر ارادی طور پر اس کی نظر اس اجنبی کی جانب اٹھ گئی۔ ”یا اللہ یہ تو وہ ہی ہے۔ اب اس کی اس حرکت کا کیا مطلب ہے؟“ اسے سوچ سوچ کے ہی جھنجلاہٹ ہونے لگی تھی۔ جس جگہ اسے جانا تھا اس کے لیے اسے دو بسیں بدلنی تھیں۔ گھنٹے بھر کے سفر کے بعد پسینے سے شرابور وہ آفس میں داخل ہوئی تو اسے احساس ہوا وہ غلط جگہ آگئی ہے۔ انٹرویو کے لیے آئی ہوئی تمام لڑکیوں کے لباس کی تراش خراش، بالوں کی کٹنگ اور میک اپ سے اسے وہاں کسی بیوٹی پارلر کا گمان ہو رہا تھا۔ وہ خاموشی سے ایک جگہ جا کر بیٹھ گئی۔ اس نے تو سوچا الٹے قدموں ہی واپس لوٹ جائے مگر بہت سی لڑکیوں کی نظر اس پر پڑ چکی تھی۔ ایسے میں واپس پلٹ جانا اور پھر اس نے سوچا چلو آج یہاں بھی قسمت آزما لیتی ہوں۔ اس کی توقع کے برعکس تمام لڑکیاں اندر جا کے بہت جلد باہر نکل آئیں اور جلد ہی اس کی باری بھی آگئی۔

اندر جاتے وقت ذہن میں ہمیشہ کی طرح کوئی ڈر خوف نہیں، اس نے سوچا اس بار بھی ہمیشہ کی طرح کوئی معمر سا بندہ، سپاٹ سا چہرہ لیے سامنے موجود ہوگا اور اس بار بھی ہمیشہ کی طرح اسے ٹکا سا جواب دے دیا جائے گا۔ سو وہ بڑے مطمئن انداز میں اندر داخل ہوگئی لیکن جیسے ہی اندر گئی۔ سامنے براجمان شخص کو دیکھ کر اس کا سارا اطمینان غائب ہوگیا۔ ”وہی اجنبی گاڑی والا...... یا خدا مدد!“

اس نے فوراً ہی اپنے آپ پر قابو پالیا اور خاموشی سے اس کے مقابل کرسی پر جا بیٹھی اور اپنی فائلز سامنے کردیں۔ جو اجنبی نے لے کر بجائے کھول کر دیکھنے کے سائیڈ پر رکھ دیں۔ ایک اور بات جو اس نے محسوس کی کہ اجنبی کے چہرے پر کوئی ایسا تاثر نہیں تھا جس سے پتا چلے کہ وہ پہلے کہیں اسے دیکھ چکا ہے، بالکل بے تاثر چہرہ، جیسے پہلی بار اس سے مل رہا ہو۔ اب اسے واقعی الجھن نے گھیر لیا۔

”عجیب پراسرار بندہ ہے۔ ہر بار ہی کچھ عجیب سی حرکت کرتا ہے۔ کہیں پاگل واگل تو نہیں۔“ وہ انہی سوچوں میں غرق تھی، جب اسے خیال آیا کہ اسے اندر آئے ایک منٹ سے زیادہ تو ہو ہی چکا ہے پر سامنے بیٹھے شخص نے اب تک کوئی سوال کیوں نہیں کیا۔

”مس ایمان حیدر! یہ بتایئے کہ جنگ صفین میں کتنے عراقی اور کتنے شامی کام آئے؟“ بڑے ہی مطمئن انداز میں سوال کیا گیا جیسے کہ یہی سوال تو پوچھنا تھا۔

ایمان کو عجیب قسم کی حیرانی نے آگھیرا اول تو وہ اس لیے حیران تھی کہ بنا اس کی فائل کھولے اس نے اس کا نام کیسے جان لیا اور پھر اس پر اس کا یہ غیر متوقع سا سوال اس نے سوچا وہ یہاں پرسنل اسسٹنٹ کے لیے انٹرویو

دینے آئی ہے یا پھر تاریخ اسلام کے پروفیسری کے لیے۔ سوال ضرور غیر متوقع تھا مگر جواب اسے معلوم تھا، سو بڑے سکون سے جواب دیا۔

”جی پچیس ہزار عراقی اور پینتالیس ہزار شامی۔“

”گڈ۔“ کچھ لمحے خاموشی کی نذر ہوگئے۔ وہ بدستور نظریں جھکائے سامنے پڑے پیپر ویٹ کو گھور رہی تھی۔

”اچھا تو یہ بتایئے انسان کی دل کی دھڑکنوں میں سے وہ کون سی ایسی دھڑکن ہوتی ہے جس کے دھڑکنے سے یا پھر مس ہوجانے سے انسان جان جاتا ہے کہ اسے محبت ہوچکی ہے۔“ اسی مطمئن لہجے میں سوال ہوا۔

”جی......؟“ اس کے اس سوال نے اسے نظریں اٹھا کر دیکھنے پر مجبور کردیا، مگر جیسے ہی نظر اجنبی کی براؤن آنکھوں سے ملی تو پھر سے جھکنے پہ مجبور ہوگئی۔ آنکھوں کا یہ رنگ اس کی کمزوری تھا، خود کی بے انتہا حسین آنکھیں ہونے کے باوجود بھی وہ کبھی کبھی خواہش کرتی کہ کاش! اللہ اسے بھی بھوری آنکھیں دیتا۔

”جی! سوری، مجھے پتا نہیں۔“ اس نے جواب دے کر پھر سے نظریں جھکالیں۔

”اوکے مس ایمان حیدر۔ اب آپ جاسکتی ہیں۔“ یہ کہہ کر ساتھ ہی اس نے فون کان کے ساتھ لگا کر کسی کو ہدایت دینا شروع کردیں اور وہ اس بات پر پکا ایمان لے آئی کہ یقیناً یہ شخص ذہنی مریض ہے۔ ورنہ انٹرویو میں کبھی ایسے سوالات پوچھے جاتے ہیں بھلا۔

”اب اس سے پہلے کہ یہ کہے مس ایمان مجھے بھوک لگی ہے پلیز ذرا اپنی انگلیاں کاٹ کر دے دیں...... پاگل ہے پاگل تو کچھ بھی کہہ اور کرسکتے ہیں۔“ لیکن پھر اسے خود ہی اپنی سوچ پر ہنسی آگئی لیکن اپنی اس ہنسی کو اس نے کیبن سے باہر نکلنے تک روکے رکھا۔

وہ خاموشی سے اٹھ کھڑی ہوئی فائل اٹھانے کے لیے اس نے ہاتھ بڑھایا تو ٹیبل پر رکھی نیم پلیٹ پر نظر پڑی۔

”شاہ میر سیف اللہ، مینجنگ ڈائریکٹر۔“ وہ زیرلب بڑبڑائی اور بنا یہ دیکھے اور جانے کہ سامنے بیٹھا اجنبی کب سے اسے نظروں کے حصار میں لیے اس کی ایک ایک حرکت کو آنکھوں کے ذریعے دل میں محفوظ کر رہا ہے۔

❁......☆......❁

”السلام علیکم بابا جان!“

”وعلیکم السلام بیٹا۔ جیتے رہو۔ خدا تمہیں دنیا و آخرت کی تمام نعمتیں عطا کرے۔“

”جی آمین! بابا جان۔“

شاہ میر آفس سے سیدھا بابا جان کی طرف چلا آیا۔ بابا جان جامع مسجد میں امامت کے فرائض انجام دیتے تھے۔ شاہ میر کی سلجھی ہوئی شخصیت اور طبیعت میں ان کی پرورش کا خاصا حصہ تھا۔

تیرہ سال کی عمر میں ماں باپ کا اکلوتا اور لاڈلا شاہ میر والدین کے شفیق سائے سے محروم ہوگیا۔ تب بابا جان ہی نے اپنا دست شفقت اس کے سر پر رکھا اور اسے اپنے ساتھ اپنے گھر لے گئے مگر شاہ میر نے ان کے ساتھ ان کے گھر میں رہنے سے انکار کردیا۔ بابا جان نے بھی اس پر زیادہ زور نہ دیتے ہوئے مدرسے کے ہاسٹل میں داخل کرادیا۔ شاہ میر بچپن سے ہی بہت ذہین تھا۔ مگر اب والدین کی محبت کی کمی اور غیر موجودگی نے اسے خود سے بے پروا بنادیا تھا۔ وہ یہ سوچ سوچ کر ہی حیران ہوجاتا کہ جو کزن رشتے دار ہر ویک اینڈ پر ان سے ملنے آیا کرتے تھے وہ سب اچانک کہاں غائب ہوگئے ہیں، کیوں کوئی بھی میرا حال نہیں پوچھنے آتا؟ ”ماما، بابا آپ کیوں مجھے تنہا کرکے چلے گئے ہیں۔“ کتنی کتنی دیر تک وہ ان دونوں کو یاد کرکے روتا رہتا۔ صرف سات ماہ کے عرصے میں ہی وہ پہلے والے شاہ

میر سے یکسر بدل گیا تھا۔ جہاں کبھی شوخیاں اور شرارتیں اس کے دن رات کا حصہ تھیں وہیں اب اس کی طبیعت میں اداسی اور خاموشی گھل کر رہ گئی تھی۔

وقت اپنی رفتار سے چلتا رہا اپنی تعلیم مکمل کر لینے کے بعد اب وہ بہتر نوکری کی تلاش میں تھا۔ دو باتیں جو اس نے والدین کے گزر جانے کے بعد اب تک جانی اور سیکھیں کہ اس دنیا میں محبت اور توجہ اس کو ملتی ہے جس کے پاس پیسہ ہو اور دوسرا یہ کہ تنہائیوں اور محبتوں کے بنا زندگی کاٹنا کس قدر مشکل ہوتا ہے۔ جہاں کہیں بھی وہ انٹرویو کے لیے جاتا اس سے سفارش کا مطالبہ کیا جاتا۔ آئے دن انٹرویو کے چکر اور بسوں کے دھکوں سے وہ تنگ آ گیا تھا۔ حالانکہ جو دھچکا اسے تقدیر سے لگا تھا اس کے آگے تو یہ دھکے کچھ بھی نہیں تھے مگر ایک انسان کب تک برداشت کر سکتا ہے۔ اپنی گزر اوقات کے لیے اس نے ایک پرائیویٹ کمپنی میں جاب شروع کر دی تھی مگر ایک بہترین نوکری کی تلاش جاری تھی۔

شاہ میر باقاعدگی سے اخبار پڑھا کرتا تھا اور اب اس میں اور بھی باقاعدگی آ گئی تھی اور اس کی وجہ تھی ہر ہفتے چھپنے والے ”ایمان حیدر“ کے کالم۔

اس دن بھی وہ تھکا ہارا مایوس سا لوٹا تھا اور آتے ہی اس نے اپنی تمام فائلز دیوار پر دے ماریں، ٹائی گلے سے اتار پھینکی اور جوتوں سمیت بیڈ پر اوندھے منہ گر گیا۔ اسے لگ رہا تھا آج وہ رو پڑے گا۔ برسوں سے جمع ضبط کا گلیشیئر آج پگھل کے بہہ جائے گا۔ اسے شدت سے ماما بابا کی یاد آنے لگی۔ اگر آج وہ اس کے ساتھ ہوتے تو شاید اسے یوں دھکے نہیں کھانے پڑتے۔ کچھ دیر اوندھے پڑے رہنے کے بعد وہ اٹھ بیٹھا بے مقصد ہی اخبار اٹھا لیا۔ سویرے ہی اسے اکرم (چپراسی) اخبار دے گیا تھا مگر جلدی میں ہونے کے باعث وہ پڑھ نہیں سکا۔ یونہی صفحے پلٹتے ہوئے اس کی نگاہ ایک موضوع پہ جا رکی۔

”زندگی امتحان لیتی ہے۔“ غیر ارادی طور پر ہی اس نے کالم پڑھنا شروع کر دیا اور کالم کے اختتام میں اس کی سوچوں کا رُخ یکسر بدل گیا تھا۔ پڑھ لینے کے بعد اس نے لکھنے والے کا نام دُہرایا۔ ”ایمان حیدر“ زندگی میں ہونے والے امتحانات بُرے سے بُرا وقت آنے پر کیسے فقط دل میں پختہ یقین ہونے سے ان کا سامنا کیا جا سکتا ہے۔ اس کی تحریر کا لفظ لفظ شاہ میر نے اپنے ذہن میں بٹھا لیا۔

اگلے ہفتے ایمان حیدر کی اگلی تحریر ”یقین اور ایمان“ اس کے سامنے تھی اس کی یہ تحریر اسے پہلے سے بھی زیادہ موثر لگی، اس سے اس کی محنتوں اور کوششوں میں اضافہ ہو گیا تھا۔ وہ ہر ہفتے باقاعدگی سے نہ صرف ایمان حیدر کے کالم پڑھتا بلکہ انہیں کاٹ کر ساتھ ہی ساتھ ایک فائل میں محفوظ کر لیتا۔

اسے ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر چکا تھا، ایمان کے کالم پڑھتے پڑھتے اور آج جب وہ کامیابیوں کی راہوں پر گامزن تھا اس کا سارا کریڈٹ وہ ”ایمان حیدر“ کو دیتا تھا۔ وہ اسی کی تحریر تھی، جس نے اس کے اندر سے مایوسیوں کو نکال پھینکا اور اس کی زندگی میں منزلیں آسان ہوتی گئیں۔ شاہ میر کبھی بھی ”ایمان حیدر“ سے نہیں ملا تھا مگر صرف اس کی تحریروں سے ہی اس نے اس کے بارے میں بہت سے اندازے لگا لیے تھے اور جس دن اسے پتا چلا کہ ”ایمان حید“ کا پہلا ناول ”دیا جلائے رکھنا“ شائع ہو چکا ہے۔ تو وہ پہلا شخص تھا جس نے سب سے پہلے اس کا ناول خریدا۔ ”ایمان حیدر“ کا یہ ناول اسے اپنی زندگی میں پڑھی گئی تمام تحریروں سے زیادہ اچھا لگا۔ اس کے ناول کا ایک ایک لفظ اسے اپنا لگا، یوں جیسے وہ سامنے بیٹھ کر بول رہا ہو اور ایمان حیدر اس کے الفاظ کو قلمبند کر رہی ہو۔

جس کمپنی میں وہ منیجنگ ڈائریکٹر کے عہدے پر فائز تھا۔ وہاں سے اس کی قابلیت اور محنت دیکھتے ہوئے اس کا ٹرانسفر کینیڈا کر دیا گیا۔ اس نوکری کے ساتھ اسے رہائش اور دیگر کئی سہولتیں بھی مہیا کر دی گئیں۔ اس دن وہ جتنا بھی خوش ہوتا کم تھا اور اپنی اس خوشی میں وہ اپنی محسن کو کیسے بھلا سکتا تھا۔ اس نے ارادہ کر لیا تھا کہ کینیڈا جانے سے پہلے وہ ”ایمان حیدر“ سے ضرور ملاقات کرے گا۔ تھوڑی بہت کوشش کے بعد وہ اخبار کے دفتر سے ایمان حیدر کا پتا معلوم کر لینے میں کامیاب ہو گیا۔ کینیڈا جانے سے چند روز قبل اس نے ایمان حیدر سے ملنے کا ارادہ کیا مگر جب اس نے اسے پہلی بار دیکھا تو اسے اپنا ارادہ بدلنا پڑا۔ اپنے مطلوبہ گھر سے وہ دس قدم دور کھڑا تھا اور ایمان حیدر سے ملنے کے لیے کوئی معقول وجہ سوچ رہا تھا۔ کیوں کہ صرف اس کے کالم اور ناول سے پسندیدگی کوئی خاص وجہ نہیں بنتی تھی اس سے ملنے کے لیے۔ ابھی وہ اسی سوچ میں گم تھا۔ جب اس کے مطلوبہ گھر کا دروازہ کھلا اور ایک اکیس بائیس سالہ لڑکی اپنے نازک سے وجود کو چادر میں لپیٹے باہر نکلی وہ جلدی سے قریبی درخت کی اوٹ میں ہو گیا، یوں کہ وہ اس سے دو قدم کے فاصلے سے گزری لیکن اسے دیکھ نہیں سکی مگر شاہ میر کی نظروں نے دور تک اس کا پیچھا کیا۔ حالانکہ اس کا دل چیخ چیخ کر گواہی دے رہا تھا کہ یہی ہے وہ مگر پھر بھی اس نے اپنی تسلی کرنی چاہی۔ جس گھر سے وہ نکلی اس کے ساتھ والے گھر کے باہر بارہ تیرہ سالہ بچہ کھڑا بال سے کھیل رہا تھا۔ شاہ میر اس کے قریب جا کر اس سے مخاطب ہوا۔

”ڈیئر کیا آپ بتا سکتے ہو ایمان حیدر کا گھر کہاں ہے؟“

”جی انکل یہ ساتھ والا گھر ہی تو ان کا ہے، آپ تھوڑی دیر پہلے آتے، وہ ابھی تو نکل کے گئی ہیں۔“ بچے کے جواب سے وہ من ہی من میں کھل اٹھا۔

”اوہ اچھا...... ویل تھینکس ڈیئر۔“

”اوہ ویلکم۔“ بچے نے مسکرا کر جواب دیا۔

اگلے دو تین دن تک وہ لگاتار اس کا پیچھا کرتا رہا لیکن پھر اس نے اپنے آپ کو اس حرکت سے باز رکھا۔ وہ جہاں جہاں تک جاتی وہ وہیں تک اس کا پیچھا کرتا اور اس سے اس نے اندازہ لگایا تھا کہ شاید وہ کسی جاب کی تلاش میں ہے۔ ایک دفعہ اس نے اس کا راستہ روک کر لفٹ کی آفر بھی کی لیکن اس کے صاف اور سخت لہجے میں کیے گئے انکار سے اسے اپنے انتخاب پر خوشی محسوس ہوئی۔

اگلے دو تین دن تک وہ اس کے علاقے میں نہ جا سکا اور جب اگلے دن اس نے جانے کا ارادہ کیا تو یہ سوچ کر رک گیا کہ وہ یہ سب کیوں کر رہا ہے؟ اسے تو صرف اس سے ایک بار ملاقات ہی کرنی تھی اور بس...... حالانکہ اس کے دل کے پاس اس کے سوالوں کے جوابات موجود تھے اور اس کا احساس تو اسے اسی دن ہی ہو گیا تھا جس دن اس نے ایمان حیدر کو پہلی مرتبہ دیکھا تھا۔ ہر بات کو دل و دماغ میں رکھتے ہوئے اس نے اپنی زندگی کا اہم ترین فیصلہ کر لیا اور باقی سب خدا تعالیٰ پر چھوڑ دیا...... اس دن وہ گھر سے تہیہ کر کے نکلا کہ آج وہ ایمان حیدر سے بات کر کے ہی رہے گا۔ بس اسٹینڈ سے تھوڑی سی دور اس نے گاڑی پارک کی اور خود بس اسٹینڈ پر رک کر اس کا انتظار کرنے لگا۔ اس کے آنے کے دو تین منٹ بعد وہ اس کے قریب گیا مگر وہ پانچ چھ قدم دور ہٹ کھڑی ہوئی۔ نہ جانے کیوں اس کی اس حرکت سے شاہ میر کے ہونٹ خود بخود ہی پھیل گئے۔ کچھ لمحوں بعد وہ پھر اس کے قریب جا رکا ابھی ترتیب شدہ الفاظ کہنے کے لیے لب وا کیے ہی تھے کہ

زبان نے ساتھ دینے سے انکار کردیا۔ پھر سے ہمت مجتمع کی لیکن اس بار بھی اسے کہنے کا موقع نہیں مل پایا۔ اس کا سیل فون بج اٹھا۔ اس کے دوست اسد منیر کا فون تھا اس کی ٹرانسفر کے بعد اسد منیر کو ہی اس کا عہدہ سنبھالنا تھا۔ دونوں میں بہت اچھی دوستی تھی۔ اسد منیر کیبن میں کچھ تبدیلی کروانا چاہ رہا تھا اور اسی کے لیے اس نے شاہ میر کو فون کیا تھا کیونکہ ابھی کیبن میں سے اسے اپنا کچھ سامان اٹھانا باقی رہ گیا تھا۔

بات کے اختتام پر وہ مسکرا رہا تھا مگر جیسے ہی وہ سیل فون بند کرکے پلٹا تو ایمان حیدر کی غیر موجودگی نے اس کی مسکراہٹ چھین لی۔ ایک دم ہی اس کا موڈ آف ہوگیا اور اسی موڈ کے ساتھ وہ آفس روانہ ہوگیا۔

''السلام علیکم۔''

''وعلیکم السلام۔ یار میرے، کدھر تھے؟ بڑی دیر لگادی آنے میں۔''

''کچھ خاص نہیں بس ٹریفک بہت تھی اس لیے......'' صوفے پر بیٹھتے ہوئے شاہ میر نے جواب دیا۔

''کیا بات ہے جانِ جگر...... آج کل بہار کی آمد آمد ہے تو پھر یہ یار کے چہرے پہ خزاں کیوں لہرا رہی ہے؟'' اسد منیر نے اس کے ساتھ بیٹھتے ہوئے پوچھا۔

''ایسی کوئی بات نہیں ہے یار...... بس ایسے ہی تھکن ہے۔'' شاہ میر نے ساتھ پڑا میگزین اٹھاتے ہوئے کہا۔

''اچھا تو پھر اس تھکن کی وجہ بھی بتادے جو درحقیقت تو اداسی ہے مگر تو اسے تھکن کا نام دے رہا ہے۔'' اس نے پہلے سے انداز میں پوچھا۔ شاہ میر نے پیار بھری نظروں سے اس کی جانب دیکھا۔ وہ ہمیشہ سے ہی ایسا تھا۔ فوراً جان جاتا کہ اسے کوئی پریشانی ہے۔ تبھی تو چار سال پہلے ہونے والی اس دوستی نے اب بھائیوں کی سی محبت کا روپ دھار لیا تھا۔

''کچھ نہیں یار! آج پھر بات نہیں ہو پائی......'' اس نے صوفے کی پشت گاہ پر سر ٹکاتے ہوئے جواب دیا۔

''اوہ اچھا تو یہ وجہ ہے یار کی اداسی کی...... او یار تو اداس کیوں ہوتا ہے، آج بات نہیں ہوئی تو کل ہوجائے گی۔ فکر کیوں کرتا ہے اور ویسے تو نے آج تک جس کام کی ٹھانی ہے وہ کرکے رہا ہے تو پھر ٹینشن کیوں لیتا ہے؟'' اسد نے اسے تسلی دینی چاہی۔

''نہیں یار اسد! یہ معاملہ پچھلے تمام معاملات سے الگ ہے وہ وقتی ضرورتیں تھیں۔ یہاں تو زندگی بھر کے لیے آ پہنچی ہے اور میں کسی بھی قیمت پر اسے کھونا نہیں چاہتا۔''

''ابے پہلے پا تو لے پھر کھونے کی سوچیں گے۔'' اسد نے اسے چھیڑنے کی خاطر کہا۔ وہ ہمیشہ ہی ایسا کہا کرتا جب بھی شاہ میر ڈپریسڈ ہوتا وہ کوئی نہ کوئی ایسی بات ضرور کردیتا جو شاہ میر کو ہنسنے پر مجبور کردیتی۔ شاہ میر نے ہاتھ میں پکڑا میگزین اسے دے مارا مگر اس نے کشن آگے کرکے اپنا بچاؤ کرلیا۔

''خبیث انسان! میں یہاں اتنی سیریس بات کررہا ہوں' اتنا پریشان ہوں اور تو...... تجھے مذاق سوجھ رہا ہے۔''

اسی لیے تو یہ بات کی تاکہ تو اپنا یہ دیوداس بننے کا پروگرام تھوڑی دیر کے لیے ملتوی کردے کیوں کہ تجھے ابھی بڑی خاص الخاص ہم انجام دینی ہے۔''

''کیا مطلب......؟''

اس کے پوچھنے پر اسد اس کا ہاتھ پکڑ کے میز کے پاس لے گیا اور اسے کرسی پر بٹھاتے ہوئے کہا۔

''وہ یار دراصل بات یہ ہے کہ آج تیری یہ اداس صورت دیکھ کر میرا جی کٹ گیا ہے اور میں نے دل پر پتھر رکھ کر ارادہ کیا ہے کہ تجھے ایک دن اور اس کرسی پر بیٹھنے دیا جائے۔''

اس بار شاہ میر نے اسے رسید کرنے کے لیے پیپر ویٹ اٹھالیا جسے دیکھتے ہی اسد نے ہاتھ جوڑ لیے۔

''او بھائی میرے...... رحم کر...... آج نہیں پھر کبھی یہ حسرت پوری کرلینا...... آج تو ہم شان دار تیاری کے ساتھ شہادت کی پہلی سیڑھی پہ قدم رکھنے جارہے ہیں۔''

''مطلب؟'' شاہ میر نے پیپر ویٹ رکھتے ہوئے پوچھا۔

''مطلب یہ کہ خاکسار کے لیے بھابی کی لندن پلٹ بہن کو پسند کرلیا گیا ہے اور آج بابدولت انہیں اپنی پسند کی سند بخشنے جارہے ہیں۔''

''تو پھر......؟'' شاہ میر نے پوچھا۔

''تو پھر جھٹ منگنی اور پٹ بیاہ۔'' اسد نے چٹکی بجاتے ہوئے شوخی سے جواب دیا...... اور ساری بات شاہ میر کی سمجھ میں آگئی۔

''اچھا تو اب موصوف یہ چاہتے ہیں کہ باہر جو فہرست کی صورت آفتیں موجود ہیں، انہیں میں ہینڈل کروں؟''

''ارے واہ' قربان جاؤں...... اسے کہتے ہیں دوست۔ سچا دوست' تو کس قدر عظیم ہے میرے یار......!''

''محترم اسد منیر صاحب! براہِ مہربانی آپ اپنا یہ مکھن اپنے سسرال والوں کے لیے بچا کر رکھیے' ہم پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوتا اور ویسے بھی کافی دن ہوگئے بابا کی طرف چکر نہیں لگایا۔ بس میں نکلنے لگا ہوں۔'' شاہ میر نے اسے ستانا چاہا۔

''ابے یار...... سمجھنے کی کوشش کر...... میرے مستقبل کا...... میرا مطلب میری شادی شدہ زندگی کے مستقبل کا سوال ہے...... سب کیا سوچیں گے کہ ہونے والا دولہا ہے کہ آ کر ہی نہیں دے رہا...... بھابی کا فون بھی آچکا ہے۔ سچویشن کو سمجھو یار...... تجھے تیری ایمان حیدر کی تحریروں کا واسطہ۔'' اور ایمان حیدر کی تحریروں کا واسطہ اسد کا آخری حربہ ہوتا۔

''اچھا ٹھیک ہے اب اتنی مسکینیت بکھیرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تو جا، ہوجائے گا تیرا کام۔''

''یہ ہوئی نا یاروں والی بات' تھینکس آلاٹ۔''

''اچھا سن' اپنی نیم پلیٹ میں' میں نے تھوڑی سی تبدیلی کروائی ہے' تھوڑی دیر میں دلاور لے کر آئے گا۔ اس کی پے منٹ کردینا میں تجھ سے رات کو ملتا ہوں۔'' اسد نے باہر نکلتے نکلتے تاکید کی۔

''بے فکر ہوکر جا۔ سب ہوجائے گا۔''

شاہ میر نے پیون سے پانی منگوایا اور پانچ منٹ بعد پہلی امیدوار کو اندر بھیجنے کو کہا۔

ایک کے بعد ایک امیدوار آتی رہی اور جاتی رہی مگر کوئی شاہ میر کو اسد کے معیار کے مطابق نہیں لگی۔ بے شک خود وہ ذرا من چلی اور شوخ طبیعت کا مالک تھا مگر کام کے معاملے میں غفلت بالکل بھی برداشت نہیں کرسکتا تھا۔ اسے لگا پرسنل اسسٹنٹ کے انٹرویو کے لیے آنے والی تمام لڑکیاں محض ''پرسنل'' کو ذہن میں رکھ کر آئی ہیں۔ کسی کی بھی ادائیں اسسٹنٹ بننے کے حق میں نہیں تھیں۔ اسی لیے اب اسے اُکتاہٹ ہونے لگی اور اس نے ارادہ کرلیا کہ بس یہ آخری امیدوار ہوگی۔ اس کے بعد وہ یہاں سے چلا جائے گا۔

آخری امیدوار کا کہہ کر اس نے فائل ٹرے میں رکھ دی۔

چند سیکنڈز بعد اس نے دوبارہ نظر اٹھا کر دیکھا اور اس بار نظریں واپس پلٹنا بھول گئیں...... سامنے وہی موجود تھی۔ ایمان حیدر......

ایمان حیدر نے فائل آگے کی۔ جسے اس نے لے

کر سائیڈ پر رکھ دیا۔ اسے بیٹھنے کو کہا اور ایک بار پھر نظریں جھکالیں اور اب وہ سوچ رہا تھا، آج کے دن اس سے کون سی ایسی نیکی ہوگئی جس کا صلہ اسے یوں اس کی دعاؤں کی قبولیت کی صورت میں ملا ہے۔ کچھ دیر کے لیے وہ بالکل ہی بھول گیا کہ وہ یہاں کیوں بیٹھا ہے اور پھر ذہن میں ایک خیال آیا اور انٹرویو کی نوعیت سے ہٹ کر سوال پوچھا حالانکہ وہ جانتا تھا اس سوال کا جواب اسے معلوم ہوگا۔

''سو مس ایمان! بتائیے کہ جنگِ صفین میں کتنے عراقی اور کتنے شامی کام آئے؟''

ایمان حیدر کے جواب سے اسے اس کے لہجے میں پہلی سی سختی محسوس نہیں ہوئی ذرا دیر کو تو اس کے دل میں خیال آیا کہ سامنے بیٹھی نازک سی لڑکی سے ہر بات صاف صاف کہہ دے...... بتادے اسے کہ نازک سی نظر آنے والی اس لڑکی نے کیسے ایک مضبوط شخص کے دل کی اس کے احساسات کی اس کے خیالات کی دنیا تہ و بالا کر کے رکھ دی...... بتادے اس کے سامنے موجود یہ ہستی کیسے اسے فقط ایک ہی لمحے میں دنیا کی ہر شے سے زیادہ عزیز ہوگئی ہے۔ لیکن پھر کچھ سوچ کر اپنا ارادہ ترک کر دیا۔

اس کے اگلے سوال پر ایمان حیدر نے جس بے یقینی سے اس کی جانب دیکھا تھا...... اس کا دل چاہا دنیا کی تمام تر چیزوں میں بے یقینی کا رنگ اتر آئے۔ وہ ایک لمحہ جب ایمن حیدر نے بے یقینی سے اس کی آنکھوں میں دیکھا تھا اسے لگا اس کی تمام تر تحریروں کے ساتھ ساتھ ایمان حیدر نے اسے اس لمحے کا بھی قرض دار بنادیا ہو۔

......☆......

اپائنمنٹ لیٹر کو تین چار مرتبہ پڑھ لینے کے بعد بھی اسے یقین کرنا مشکل ہو رہا تھا کہ اسے اس جاب کے لیے اپائنٹ کر لیا گیا ہے۔ ''ضرور کہیں غلطی ہوگئی ہے'' اس نے بے یقینی کی سی کیفیت میں ان سے کہا تو وہ مسکرادیں۔

''کوئی غلطی نہیں ہوئی ہے کسی سے یہ بالکل صحیح جگہ آیا ہے اور صرف اور صرف ایمان حیدر کے لیے ہے۔'' ماما جان نے اس کے ہاتھ سے لیٹر لے کر لفافے میں ڈالتے ہوئے کہا۔

''مجھے تو ابھی بھی یقین نہیں ہو رہا ماما جان! ایک سے ایک اسٹائلش اور اس جاب کے لیے موزوں لڑکی موجود تھی...... پھر بھی......؟''

''بعض اوقات ایسا ہوتا ہے بیٹا! جیسا ہم سمجھ رہے ہوتے ہیں اکثر حالات اس سے ہٹ کر ہوتے ہیں اور اب تم زیادہ سوچو نہیں جلدی سے شکرانے کے نوافل ادا کرلو میں چائے رکھ دیتی ہوں۔'' وہ اس کا ہاتھ تھپتھپا کر اٹھ کر کچن کی طرف چل دیں اور وہ وضو کرنے چل پڑی۔

......☆......

اس دن اس کا آفس میں پہلا دن تھا اپنے فلور تک پہنچتے پہنچتے اسے بہت سی بے یقینی سے تکتی نگاہوں کا سامنا کرنا پڑا جو اسے بہت کچھ باور کرا رہی تھیں۔ جس کی وجہ سے اس کا سلیقہ سے اوڑھا گیا دوپٹہ اور سر پر بندھا اسکارف تھا۔ سب کی نظروں اور تبصروں کو نظر انداز کرتی وہ چپ چاپ اپنی جگہ پر جا بیٹھی۔ اسے بیٹھے چند منٹ بھی نہ گزرے تھے کہ اندر سے اس کا بلاوا آ گیا اور وہ یہ سوچ کر کہ پھر سے اس کا سامنا کرنا پڑے گا۔ تھوڑی سی بدمزہ ہوگئی۔

دروازہ ناک کر کے وہ اندر داخل ہوگئی۔ مگر جیسے ہی اندر گئی حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی کیوں کہ نہ صرف کیبن کی حالت بلکہ وہاں موجود آدمی بھی بدلا ہوا تھا۔

''لیس مس ایمان حیدر کم ان۔''

''تھینک یو سر۔''

''تشریف رکھیے۔'' سامنے بیٹھے شخص نے اپنے مقابل کرسی کی جانب اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

''تھینک یو سر۔'' وہ سیدھی اس کرسی پر جا بیٹھی، جس کے برابر میں پہلے کوئی خاتون براجمان تھی۔

''مس ایمان! یہ مسز فاروقی ہیں، اگلے ہفتے تک یہ آپ کی آپ کے کام میں مدد کریں گی۔ اپنے کام سے متعلق ساری باتیں آپ ان سے معلوم کرسکتی ہیں۔'' انہوں نے سامنے بیٹھی خاتون کی جانب دیکھتے ہوئے بتایا۔

''جی سر......'' مختصر سا جواب دے کر اس نے ایک کھوجتی ہوئی نگاہ ٹیبل پر ڈالی۔ نیم پلیٹ پہ نگاہ روک کر نام پڑھا۔

''اسد میر شاہ، مینیجنگ ڈائریکٹر۔''

اس کے لیے آنے والا ہر لمحہ اپنے اندر حیرانیاں سموئے ہوئے تھا۔

''یہ کیا معاملہ ہے...... وہ سائکی کہاں گیا؟'' اس نے سوچا۔ کیبن سے باہر آ کر مسز فاروقی نے اسے اس کے کام کی تفصیلات بتائیں اور اسے ایک لیٹر تیار کرنے کو کہا اور ساتھ میں یہ بھی تاکید کی کہ جیسے ہی لیٹر ٹائپ کر کے پرنٹ آؤٹ نکال کر سر کو جا کر دے۔

❁❁❁❁

شاہ میر بابا جان سے ملنے کے لیے گیا۔ واپسی پر اس نے اسد کے آفس کے رخ کیا۔

''بتائیے ایم ڈی صاحب! کیسے رہے حالات؟'' شاہ میر نے بڑی گرم جوشی سے سوال کیا۔

''حالات...... بھئی حالات تو کچھ زیادہ ہی با حیا رہے۔''

''اب جناب اپنے الفاظ کی تشریح بھی فرمادیجیے۔'' شاہ میر کچھ نہ سمجھتے ہوئے بولا تو اسد مسکرادیا۔

''بھئی یہ آپ کی ایمان حیدر کی آنکھوں کے ساتھ کوئی مسئلہ ہے کیا یا پھر جن سے وہ ہم کلام ہوتی ہیں، ان کے چہرے انہیں سامنے کے بجائے زمین میں نظر آتے ہیں؟'' اسد نے رازدارانہ انداز میں پوچھا۔

''تشریح ہوگئی، اب ذرا تفصیل کی طرف آجائیے اور صاف صاف بتائیے۔''

''ارے صاف صاف بات بھی بتادیں گے۔ ایسی بھی کیا بات ہے پہلے ذرا......'' دروازے پر ہونے والی دستک سے اسد کا جملہ ادھورا رہ گیا اور وہ اٹھ کر اپنی کرسی پہ جا بیٹھا۔

''لیس کم اِن۔''

اس بار بھی داخل ہوتے ہی حیرانی نے اس کا استقبال کیا، ایمان نے بس ایک ہلکی سی نظر شاہ میر پہ ڈالی اور پھر جھکالی۔

''سر یہ لیٹر۔'' اس نے لیٹر اسد کی طرف بڑھا دیا۔ شاہ میر پر اٹھی نگاہ سے لے کر واپسی تک اس کی نگاہیں جھکی رہیں جنہیں شاہ میر کی نظروں نے اس کی موجودگی تک اپنے حصار میں لیے رکھا۔ اس کے باہر جاتے ہی اسد، شاہ میر کی طرف متوجہ ہوا۔

''اب سمجھ میں آیا؟'' اس کے جواب میں وہ دھیرے سے مسکرادیا۔ بھلا وہ اس کی اس عادت سے انجان رہ سکتا تھا؟ اس نے تو اسے اس کی تحریروں سے ہی جان لیا تھا۔ جب جب بھی وہ اس کی جھکی نظروں کو دیکھتا، اس کی آنکھوں میں جھانک کر دیکھنے کی خواہش مزید جڑ پکڑ لیتی اور وہ ایک ہی بات سوچتا۔ ''دیکھو گا...... ضرور دیکھوں گا، اس جھیل کی گہرائی...... مگر حق سے۔''

❁❁❁❁

ایمان حیدر کو جوائن کیے ہفتہ ہوچلا تھا۔ اس نے اس دن کے بعد دوبارہ شاہ میر کو آفس میں نہیں دیکھا۔

اس دن وہ معمول کے مطابق گھر لوٹی تو ایک تبدیلی اس کی منتظر تھی۔

گھر میں داخل ہوتے ہی اس نے گھر کی فضا میں تبدیلی محسوس کی حالانکہ اس کے اور ماما جان کے علاوہ کوئی نہ رہتا تھا گھر میں مگر اسے احساس ہوا کہ کچھ تو ہوا ہے جو معمول سے ہٹ کر ہے اور اس کی وجہ جاننے کے لیے اسے زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا۔ کھانے کے دوران ہی ماما جان نے باتوں باتوں میں اس سے پوچھا۔

"بیٹا! تم شاہ میر کو کب سے جانتی ہو؟"

ایمان حیدر کا منہ میں نوالا لے جاتا ہاتھ رک گیا۔

"ماما میں اس کے نام کے علاوہ کچھ نہیں جانتی۔" اس نے ایمان داری سے جواب دیا۔ "کیا بات ہوئی ہے ماما جان؟"

"بیٹا! آج شاہ میر اور رحمٰن صاحب (بابا جان) آئے تھے تمہارا رشتہ لے کر۔" ایمان کو اپنی سماعتوں پہ یقین نہیں آرہا تھا۔

"لیکن ماما جان! میں تو اسے جانتی تک نہیں۔" ایمان نے کھانے کی پلیٹ پرے کرتے ہوئے کہا۔

"میں جانتی ہوں بیٹا! اس بات کا اعتراف خود شاہ میر نے بھی کیا ہے۔" ماما جان نے اسے ان کے اور اپنے مابین ہونے والی گفتگو سے آگاہ کیا اور شاہ میر کے متعلق جو بابا جان نے انہیں بتایا تھا سب اس کے گوش گزار کیا۔ بابا جان کی اور ان کی واقفیت اسے وقفیت ایمان کے والد کے حوالے سے تھی۔ اس کے والد کے گزر جانے کے بعد بابا جان باقاعدگی سے ان دونوں کی خیریت معلوم کرتے رہے۔ ایک دو بار جب ایمان کے لیے رشتے کا ذکر چلا تو بابا جان نے شاہ میر کا نام پیش کیا تھا مگر شاہ میر سے براہ راست وہ آج ملی تھیں۔

"دیکھو بیٹا! مجھے رشتہ ہر لحاظ سے موزوں لگا ہے اور پھر یہ رحمٰن صاحب کے توسط سے آیا ہے تو مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ لیکن بیٹا! زندگی تمہیں گزارنی ہے اور اس معاملے میں فیصلہ کرنے کا تمہیں مکمل حق ہے اور مجھے یقین ہے تم سوچ سمجھ کر درست فیصلہ کرو گی۔ مجھے شاہ میر میں کوئی خامی نہیں نظر آئی بلکہ اس کی آنکھوں میں میں نے وہ بات محسوس کی ہے جو تمہیں ہر سرد و گرم سے بچا کر رکھ سکتی ہے اور یہ بات میں اپنے تجربے کی بنا پر کہہ رہی ہوں۔"

انہوں نے ذرا دیر رک کر ایمان کی جانب دیکھا، وہ مسلسل گلاس کے کناروں پر انگلی پھیر رہی تھی اور اس کی نظر گلاس میں موجود پانی پر ٹکی تھی۔

"تم جو بھی فیصلہ کرو مجھے بتا دینا لیکن ذرا جلدی۔ انہوں نے کل تک جواب مانگا ہے کیوں کہ شاہ میر کو چار روز بعد کینیڈا روانہ ہونا ہے۔"

ماما جان اسے تاکید کر کے اٹھ کھڑی ہوئیں اور وہ فقط نظریں جھکائے بیٹھی رہی۔

مغرب کی نماز سے فارغ ہو کر وہ سیدھی کچن کی طرف چلی گئی۔ جہاں ماما جان رات کے کھانے کی تیاری کر رہی تھیں۔ اس نے چپ چاپ ماما جان کے ہاتھ سے سبزی لے لی اور اسے دھو کر کاٹنے بیٹھ گئی۔ دراصل وہ ماما جان ک اپنا فیصلہ سنانے آئی تھی اس لیے تھوڑی دیر کے توقف کے بعد اس نے بات شروع کی۔

"ماما جان! میں نے فیصلہ کر لیا ہے۔"

"کیا فیصلہ کیا ہے؟"

"مجھے شاہ میر سے شادی نہیں کرنی۔"

"اس کی وجہ جان سکتی ہوں؟" ماما جان نے پوچھا۔

"مجھے وہ پسند نہیں ہے۔"

"یہ تو کوئی وجہ نہ ہوئی انکار کی۔ ہاں اگر تمہیں اس

میں کوئی برائی نظر آئی ہے تو بتاؤ۔"

"ماما جان! جب میں اسے ٹھیک سے جانتی ہی نہیں تو اس کی اچھائی یا برائی کے متعلق کیسے جانوں گی؟"

"تو پھر تم نے درست فیصلہ نہیں کیا۔ کسی کو بنا جانے محض اس سے ناپسندیدگی کی بنا پر تم انکار نہیں کر سکتیں اور ویسے بھی شاہ میر اپنی عمر کے لڑکوں سے مختلف طبیعت کا مالک ہے۔ جس طرح آج کل......"

"کوئی مختلف نہیں ہے ماما جان! بلکہ وہ تو ان سے بھی آگے ہے آپ کو علم ہے ماما جان وہ کتنے دنوں تک لگاتار میرے تعاقب میں رہا ہے کیا مقصد تھا اس کا یہ سب کرنے کا؟ کیا جاننا چاہتا تھا وہ؟ میں کس کردار کی مالک ہوں؟ کہاں آتی جاتی ہوں؟ کیا کرتی ہوں؟ پوری تفتیش کر لینے کے بعد اس نے رشتہ بھیجا ہے؟" اس نے ماما جان کی بات کاٹ کر کہا۔

"بیٹا! یہ محض تمہاری غلط فہمی بھی ہو سکتی ہے۔ حقیقت جانے بنا کسی کے بارے میں یوں رائے قائم کرنا کوئی سمجھداری نہیں۔" انہوں نے اسے سمجھانا چاہا۔

"نہیں ماما جان! مجھے کوئی غلط فہمی نہیں ہوئی ہے اور آپ پلیز انہیں جواب دے دیں۔"

"بیٹا! میں چاہتی ہوں تم ایک بار پھر ذرا سکون سے اس بارے میں سوچو۔"

"ماما جان! میں اچھی طرح سوچ چکی ہوں اور ہزار مرتبہ سوچ لینے کے بعد بھی میرا فیصلہ نہیں بدلے گا۔ بس مجھے اس شخص کے ساتھ زندگی نہیں گزارنی۔ اس کے علاوہ آپ جہاں چاہیں گی میں آپ کو مایوس نہیں کروں گی۔" وہ اپنا فیصلہ سنا کر اٹھ کھڑی ہوئی اور کٹی ہوئی سبزی کی ٹوکری اٹھا کر نل کے نیچے لے گئی۔

رات کو دیر تک جاگنے کے باعث صبح اس کی آنکھ ذرا تاخیر سے کھلی۔ آفس سے لیٹ ہو جانے کی فکر میں ناشتا کیے بغیر ہی نکل گئی۔ حالانکہ اسے خاصی بھوک لگی تھی اور وہ من ہی من اپنے آپ کو کوس رہی تھی کہ کیا ضرورت تھی رات دیر تک اس سائکی کے بارے میں سوچنے کی......

آفس پہنچ جانے کے کافی دیر بعد بھی اس پر جھنجلاہٹ طاری رہی۔ اسی دوران اس کی ٹیبل پر رکھا فون بجا۔

"یس؟" اس نے فون اٹھا کر کان سے لگایا۔

"مس ایمان! پلیز اندر آئیں فوراً۔" دوسری طرف سے آواز آئی۔ وہ خاموشی سے فون رکھ کر اسد کے کیبن کی جانب بڑھ گئی۔ یہ جانے بنا کہ فون پہ آواز کس کی تھی۔ دروازہ ناک کر کے وہ اندر داخل ہوئی اور حسب معمول خاموشی سے ڈکٹیشن لینے کے لیے سامنے کرسی پہ جا بیٹھی۔ رائٹنگ پیڈ کا نیا صفحہ کھولا اور بدستور نگاہیں جھکائے بیٹھی رہی۔

"یس سر!"

"مس ایمان! اپنے انکار کی وجہ ذرا تفصیل سے بیان کر دیجیے۔"

"یہ اسد سر تو نہیں اور پھر؟" اس نے سیکنڈ کی تاخیر کیے بغیر نظریں اٹھا کر سامنے بیٹھے شخص کو دیکھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"پلیز مس ایمان! مجھے میرے سوال کا جواب چاہیے۔ اپنے انکار کی کوئی ایک قابلِ قبول وجہ بتا دیجیے اس کے بعد وعدہ میں آپ کو پریشان نہیں کروں گا۔" شاہ میر کے لہجے میں ہلکی سی بے چینی پا کر ایمان نے رخ موڑ لیا۔

"آئی ایم سوری میں آپ کے کسی بھی سوال کا جواب دینے کی پابند نہیں اور نہ میں آپ کو وجہ بتانا ضروری سمجھتی ہوں۔"

"یہ ناانصافی ہے ایمان حیدر۔" وہ اس کے مقابل آ کھڑا ہوا۔

”دیکھیے مسٹر! زندگی میری ہے اور میں فیصلہ کرچکی ہوں۔“

”تو بدل دو یہ فیصلہ۔“ اس بار بھی شاہ میر کے لہجے میں التجاء کم اور حکم زیادہ تھا اور یہی لہجہ ایمان کو تپا گیا۔

”ایمان حیدر اپنے فیصلے نہیں بدلا کرتی اور نہ کوئی مجھے اس کے لیے مجبور کرسکتا ہے۔“ وہ حتمی لہجے میں کہتی دروازے کی جانب چل دی۔

”سنو ایمان......“ شاہ میر نے دل سے پکارا۔ وہ بنا رخ موڑے رک گئی اور وہ ایک بار پھر چل کے اس کے مقابل آرکا۔ اس نے دونوں ہاتھ سینے پہ باندھ لیے اور نظروں کو اس کی آنکھوں میں آزاد چھوڑ دیا۔

”اس وقت خدا کو حاضر ناظر جان کر میں تمہارے سامنے اس بات کا اعتراف کرتا ہوں ایمان حیدر...... مجھے تم سے دل کی تمام تر گہرائیوں سے محبت ہے اور بے انتہا محبت ہے۔ پلیز بدل دو اپنا فیصلہ۔“

اس نے ذرا دیر کو نظر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں جھانکا جہاں سچائیوں کے دیپ اپنی پوری آب و تاب سے جل رہے تھے مگر ان کی تپش مقابل کے دل کو نہیں پگھلا سکی۔ وہ بنا کچھ کہے کمرے سے نکل گئی اور شاہ میر نے بھی ایک فیصلہ کرلیا۔

❁......☆......❁

اسد کی منگیتر عریشہ بہت خوش اخلاق اور شوخ لڑکی تھی۔ شاہ میر کی اس سے منگنی پر ملاقات ہوئی تھی۔ اسد نے شاہ میر کے ترقی کے متعلق بھی بتایا' اسی لیے اس نے مطالبہ کیا کہ جانے سے پہلے ٹریٹ دے کر جائے۔ کینیڈا جانے سے دو روز قبل وہ اسد اور عریشہ کو ان کا مطالبہ پورا کرنے کے لیے لے گیا۔

تھوڑی دیر قبل ویٹر ان کے سامنے جوس کے گلاس رکھ کے گیا اور اب عریشہ نے بات چیت کے دوران اسد کی شکایت پیش کی کہ وہ اسے بالکل بھی وقت نہیں دیتا ہے۔ جب کہ وہ اسے ٹھیک سے جاننا چاہتی ہے سمجھنا چاہتی ہے اور اس کے لیے وقت تو درکار ہوگا ہی۔

”جب بھی فون کرو۔ بزی ہوں' صبح کو فون کرو بزی' رات میں فون کرو بزی' ہر وقت بزی بزی بزی...... آخر ایسی بھی کیا بیزیت۔“

عریشہ کے آخری لفظ ”بیزیت“ پر اسد کو ہنسی آ گئی۔

”شاہ میر نے اسے ہنسانے کی خاطر اسد کے یونیورسٹی کے ناکام عشق کا ذکر چھیڑ دیا۔ جسے سن کر وہ جی بھر کے ہنسی تھی۔ آخر کو اب اس کے ہاتھ بھی اسد کو تنگ کرنے لیے جواز آ گیا تھا۔

آفس سے آف ہونے کے باعث ایمان نے ارادہ کیا کہ آج بازار جا کر اپنے لیے دو تین سوٹ لے آئے' اب چونکہ وہ جاب کرنے لگی تھی اس حساب سے اسے مناسب کپڑوں کی بھی ضرورت تھی۔ اپنا مطلوبہ سامان لینے کے بعد اب وہ گھر جانے کے لیے رکشے کی منتظر تھی۔ رکشا روکنے کے لیے اس نے ہاتھ بڑھایا ہی تھا کہ نظر سامنے موجود فاسٹ فوڈ ریسٹورنٹ میں کھلکھلاتی لڑکی پر جا پڑی اور اس کے ساتھ بیٹھا شخص بے شک شاہ میر ہی تھا' اسے یوں کسی لڑکی کے ساتھ دیکھ کر اس کی ناپسندیدگی کی جگہ نفرت نے لے لی تھی۔

”اچھا تو یہ ہے تمہاری بے انتہا محبت...... جو اور پتا نہیں کس کس کے حصے میں جا لگی۔ ایک طرف تو شرافت کا لبادہ اوڑھ کر رشتا بھیجا اور دوسری طرف جناب ہوٹلنگ فرما رہے ہیں۔“ تمام راستے وہ سوچ سوچ کر کڑھتی رہی۔

❁......☆......❁

حسب معمول ایمان آفس کے لیے نکلی۔ مختصر فاصلہ ہی طے کیا تھا کہ شاہ میر پر نظر پڑی۔ وہ گاڑی کے ساتھ ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اسے دیکھتے ہی اس کی جانب بڑھ گیا۔ اسے اپنی جانب آتا دیکھ کر ایمان کے

قدموں میں تیزی آ گئی مگر اس کی رفتار اس کا ساتھ نہیں دے سکی۔ شاہ میر نے اس کے قریب پہنچ کر سختی سے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”چلو میرے ساتھ۔“

”کک...... کہاں؟“ ہاتھ چھڑانے کی سعی میں بہ مشکل اس کے حلق سے الفاظ نکلے۔ اس نے نظر گھما کر آس پاس دیکھا کہ کوئی دیکھ تو نہیں رہا۔ مارے خوف کے اس کی گلابی رنگت سفید پڑ گئی۔ ایک دم سے ہی اس کے حواسوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا۔ اسے لگا وہ بس گر پڑے گی۔ شاہ میر نے اسے لے جا کر گاڑی میں بٹھا دیا اور وہ کسی روبوٹ کے مانند چلتی ہوئی گاڑی تک پہنچی مگر گاڑی میں بیٹھنے تک وہ ہوش سے بے گانی ہوچکی تھی۔

شاہ میر نے پانی کی چھینٹیں ڈال کر اسے ہوش میں لانا چاہا' ہوش میں آتے ہی وہ چیخ پڑی۔ اس نے آس پاس کا جائزہ لیا وہ شہر سے دور کسی انجان' سنسان علاقے میں تھی۔ اس نے جلدی سے دروازہ کھولنا چاہا مگر گاڑی آٹو میٹک لاکڈ تھی۔

شاہ میر خاموشی سے اس کی کارروائی دیکھتا رہا۔ کافی کوششوں کے بعد وہ دروازے کے ساتھ لگ کے بیٹھ گئی۔ اس پر خوف غالب آنے لگا۔

”ک...... ک...... ک...... کیا چاہتے ہو؟ کیوں لائے ہو مجھے یہاں؟“

”زندگی...... تمہیں چاہتا ہوں میں اور یہاں تمہیں اپنا بنانے لایا ہوں۔“ شاہ میر نے اطمینان سے جواب دیا۔

”ک' ک کیا مطلب' کیا کرنا چاہتے ہو تم؟“

”ڈرو نہیں۔ تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاؤں گا۔ بس ان کاغذات پر سائن کردو۔“ شاہ میر نے ڈیش بورڈ سے کچھ پیپرز نکالے۔

”کیسے کاغذ؟“

”نکاح کے۔“

”کیا......؟“

”ہاں! نکاح کے کاغذات پر سائن کردو پھر میں تمہیں چھوڑ آؤں گا۔“

”نہیں کبھی نہیں۔“

”ٹھیک ہے مرضی ہے تمہاری۔ میرا تو کوئی نہیں ہے' تمہارے تو گھر پر کوئی ہے' جسے تمہارے گھر پہنچنے کا انتظار رہتا ہے۔“ یہ کہہ کر وہ آرام سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا۔

”ماما جان......“ ماما جان کا خیال آتے ہی وہ ضرور پریشان ہوگئی۔

”پلیز تمہیں خدا کا واسطہ۔ مجھے گھر چھوڑ آؤ۔“ ساتھ ہی آنکھوں سے موتی جھڑنے لگے۔ شاہ میر کا دل کٹ گیا مگر اس نے خود اسے مجبور کیا تھا' ایسا قدم اٹھانے کے لیے۔

”تم میری بات مان لو' میں تمہاری بات مان لوں گا۔“

”تم زبردستی نہیں کرسکتے۔“

”بالکل کرسکتا ہوں۔ جو محبت کرتے ہیں وہ کچھ بھی کرسکتے ہیں۔ معلوم تو ہوگا ہی تمہیں' محبت اور جنگ میں سب جائز ہے۔“ یہ کہہ کر اس نے کاغذ اور قلم اس کی جانب بڑھائے' جنہیں اس نے سختی سے جھٹک دیا۔

”مجھے کوئی اعتراض نہیں۔ تم کہو تو ساری زندگی تمہارے ساتھ اس گاڑی میں گزار دوں لیکن اس سے پہلے اپنے بارے میں سوچنا۔ صرف آج کی رات تم گھر نہیں پہنچیں تو کیا ہوسکتا ہے......؟ بلکہ کیا کیا نہیں ہوسکتا۔“ اس نے اسے ڈرانا چاہا اور کچھ بھی ہو وہ اپنی عزت پر کوئی حرف کیسے برداشت کرسکتی تھی۔ شاہ میر نے ایک بار پھر کاغذات آگے کیے۔ اس بار اس نے

خاموشی سے دستخط کردیے۔
"گڈ..... اب تم پر صرف میرا حق ہے۔" کہہ کر اس نے گاڑی اسٹارٹ کردی۔

دروازے پر ہونے والی دستک سے ماما جان نے گھڑی کی جانب دیکھا۔ ایمان کی واپسی میں ابھی دو ڈھائی گھنٹے باقی تھے۔

"شاید رحمٰن بھائی ہوں گے۔" سوچ کر انہوں نے دروازہ کھولا مگر سامنے شاہ میر اور ایمان کو اس کی اڑی ہوئی رنگت کے ساتھ دیکھ کر پریشان ہوگئیں۔

"بیٹا تم! اس وقت.....؟ خیریت تو ہے.....؟ کیا ہوا ہے تمہیں؟" ماما جان اس کا ہاتھ پکڑ کے اندر لے گئیں۔

"آنٹی!" شاہ میر کے پکارنے پر انہوں نے مڑ کر دیکھا۔

"بیٹا! کیا بات ہوئی ہے تم ہی بتاؤ۔"

"آنٹی آپ پریشان نہ ہوں سب ٹھیک ہے یہ میرے ساتھ تھیں۔"

"تمہارے ساتھ.....؟"

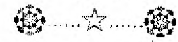
"جی....." کچھ دیر توقف کے بعد وہ پھر گویا ہوا۔

"آنٹی! آپ کی بیٹی جیسی تھی ویسی ہی صحیح سلامت آپ کے سامنے ہے مگر اب یہ میری امانت ہے کل صبح میں یہاں سے روانہ ہو رہا ہوں اور میں آپ سے عہد چاہتا ہوں کہ میری واپسی تک آپ اسے فقط میری امانت سمجھ کر خیال رکھیں۔ ٹھیک دو ماہ بعد میں اسے لینے آؤں گا۔ اس درمیان آپ اپنی مرضی سے شادی کی تیاری کرسکتی ہیں لیکن میرے آنے تک آپ کو مکمل تیاری کر لینی ہوگی کیونکہ میرے لیے فقط چھ سات روز کے لیے آنا ممکن ہو پائے گا۔ یہ رہے نکاح کے کاغذات۔ ہم دونوں کے علاوہ گواہوں کے دستخط بھی ہیں۔ اس کے علاوہ بھی اگر آپ کوئی تحریری ثبوت چاہتی ہیں تو میں دینے کے لیے تیار ہوں۔"

"لیکن اس طرح اچانک تم دونوں نے نکاح کیسے کرلیا؟" ماما جان مزید پریشان دکھائی دینے لگیں۔

"آنٹی! میں ایسا ہرگز کرنے کا ارادہ نہ کرتا اگر ایمان نے رشتے سے انکار نہ کیا ہوتا۔ بے شک میرا طریقہ غلط تھا مگر میری نیت میں کوئی کھوٹ نہیں ہے۔"

ماما جان نکاح کے کاغذات دیکھنے لگیں۔ شاہ میر نے ایک نظر سر جھکائے کھوئی کھوئی سی بیٹھی ایمان پر ڈالی اور خاموشی سے باہر نکل گیا۔



وقت کا کام ہے گزرنا اور اپنی رفتار سے گزر رہا تھا۔ شاہ میر کو گئے ایک ماہ کا عرصہ گزر چکا تھا۔ ماما جان نے اپنی استطاعت سے بڑھ کر شادی کی تیاریاں شروع کردی تھیں۔ ایمان اس معاملے میں بالکل خاموش تھی بلکہ جب بھی ماما جان کچھ خریدنے سے پہلے اس کی پسند جاننا چاہتیں تو وہ پھیکی سی ہنسی ہنس دیتی۔

"ماما جان! وہ نہیں آئے گا..... یہ سب..... ساری تیاریاں دھری کی دھری رہ جائے گی۔"

اس کے جواب میں ماما جان خاموشی اختیار کرلیتی۔

"جس نے جا کر خبر تک نہیں لی وہ بھلا کیوں واپس آئے گا۔" اس کی ہر بات کا اختتام اسی جملے پر ہوتا۔

سر میں شدید درد ہونے کے باعث ایمان نے آفس سے چھٹی لے لی تھی۔ ماما جان کچن میں موجود اس کے لیے قہوہ تیار کر رہی تھیں اور وہ لاؤنج میں دھرے صوفے پہ سینے تک چادر تان کر لیٹی ہوئی تھی۔

دروازے پر دستک ہوئی۔ ماما جان اندر مصروف ہوں گی، اس خیال سے وہ اٹھ کر دروازہ کھولنے چل دی۔ دروازہ کھولتے ہی اس پر حیرتوں اور بے یقینی کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ سامنے شاہ میر موجود تھا۔ ہمیشہ کی طرح آنکھوں میں محبتوں کے دیپ جلائے مگر آج اس

دیپ کی لو کچھ زیادہ ہی تیز تھی۔ وہ بدستور دروازہ تھامے اسے بے یقینی سے دیکھتی رہی اور ایک بار پھر اس کی آنکھوں میں حسین سا بے یقینی کا رنگ دیکھ کر وہ شوخ ہوا۔

"نظر لگانے کا ارادہ ہے کیا؟"

"ج..... ج..... جی؟"

"اوہ تو واقعی ارادہ ہے۔"

"جی نہیں....." اس کی بوکھلاہٹ سے وہ جی بھر کے محظوظ ہوا۔

"کون ہے ایمان؟" ماما جان لاؤنج میں چلی آئیں۔ "ارے شاہ میر۔"

"السلام علیکم آنٹی۔"

"وعلیکم السلام بیٹا! جیتے رہو خوش رہو۔ تم کب آئے؟"

"آنٹی! کل رات ہی آیا ہوں۔"

"آؤ بیٹھو..... جاؤ ایمان چائے لے کر آؤ۔"

"نہیں آنٹی، آج نہیں مجھے ذرا جلدی ہے۔ دراصل میرے دوست اسد کا ولیمہ ہے۔ میں بس یہ ڈیزائن دکھانے آیا تھا۔" اس نے ایک فائل ان کی جانب بڑھائی۔ "آپ پلیز شادی کارڈ کا ڈیزائن پسند کر لیجیے، میں جاتے ہوئے پرنٹنگ کے لیے دیتا جاؤں گا۔"

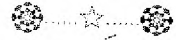
"لیکن بیٹا اتنی جلدی۔"

"آنٹی آپ کو یاد ہوگا میں جانے سے پہلے آپ کو آگاہ کرکے گیا تھا میں محض دس روز کی ارجنٹ چھٹی پر آیا ہوں۔"

"ٹھیک ہے بیٹا! جیسے تمہاری مرضی ویسے ہماری تیاری بھی مکمل ہے۔ لو ایمان اس میں سے کارڈ پسند کرلو" انہوں نے فائل ایمان کی طرف بڑھائی۔

"ماما جان! آپ خود پسند کر لیجیے۔" کہہ کر وہ اندر

کمرے میں چلی گئی۔



کمرے میں جا بجا بکھرے پیلے اور سرخ گلابوں سے یوں محسوس ہوتا تھا جیسے بہاریں صرف اسی ایک کمرے میں اتری ہوں۔ حجلہ عروسی کی ایسی سج دھج دیکھ کر کوئی بھی لڑکی اپنی قسمت پر ناز کرسکتی تھی مگر وہ...... خوشی کی ایک رمق بھی عیاں نہ تھی اس کے چہرے پر نہ کسی کی ہوجانے کا احساس، نہ کسی کی آہٹ کا انتظار نہ ہی دل کی دھڑکنوں میں کوئی انتشار۔

وہ خاموشی سے بیڈ سے اتر کر سنگھار میز کے سامنے جا رکی۔ خالی خالی نگاہوں سے اپنا جائزہ لیا اور پھر ایک ایک کرکے اپنے زیورات اتارنے لگی۔

اسی لمحے شاہ میر کمرے میں داخل ہوا۔ شیشے میں دیکھ لینے کے باوجود بھی اس نے اس کے آنے کا کوئی نوٹس نہیں لیا۔ خاموشی سے اپنا کام جاری رکھا۔ شاہ میر بھی چپ چاپ کھڑا اس کا خاموش احتجاج دیکھتا رہا۔ شاہ میر نے اس کے قریب جاکر اسے اس کے شانوں سے تھاما۔ وہ کسی زخمی شیرنی کی طرح مڑی۔

''ہاتھ مت لگانا مجھے...... دور رہو مجھ سے۔''

شاہ میر کو اس سے اسی قسم کے رویے کی توقع تھی۔ اس نے مزید اس سے کچھ نہ کہا' خاموشی سے کوٹ کی جیب سے مخمل کی ڈبیا نکال کر اس کی جانب بڑھادی۔

''یہ تمہارے لیے ہے' اسے قبول کرلو۔ میں وعدہ کرتا ہوں تمہیں تمہاری مرضی کے بغیر چھونے کی گستاخی کبھی نہیں کروں گا۔''

وہ اس کی بات ان سنی کرکے واش روم میں گھس گئی۔ شاہ میر نے ڈبیا ڈریسنگ ٹیبل پر رکھ دی اور خود کمرے سے باہر نکل گیا۔

صبح جب اس کی آنکھ کھلی تو اسے اپنا آپ جنت میں محسوس ہوا۔ کمرہ ابھی تک گلابوں کی خوشبو سے مہک رہا تھا۔ وہ ایک دم سے اٹھ بیٹھی۔ اسے عجیب سے احساس نے گھیر لیا' کچھ دیر وہ کمبل اوڑھے بیٹھی رہی' پھر ہاتھ بڑھا کر اس نے پیلے گلابوں کی ایک لڑی تھام لی۔ اس نے گجرے کی طرح اسے کلائی پہ لپیٹ لیا۔ ٹھیک اسی وقت شاہ میر دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا' دشمن جاں پر نظر پڑی تو گزری رات کی نامکمل آرزوؤں نے انگڑائی لی...... مگر ضبط کی ڈور تھامے ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے جا رکا۔ بالوں میں برش کرتے ہوئے اس سے مخاطب ہوا۔

''فریش ہوجاؤ جلدی سے' ماما جان کا فون آیا تھا، وہ آدھے گھنٹے تک پہنچ رہی ہیں۔ ناشتا لے کر ان کے ساتھ گھر جاکر اپنا کچھ سامان لینا چاہو تو لے آنا لیکن شام تک پیکنگ مکمل کرلینا' ہمیں آج رات کو ہی نکلنا ہے۔''

''کہاں......؟'' ایمان نے پوچھا۔

شاہ میر برش رکھ کر اس کے قریب آن رکا وہ غیر محسوس طریقے سے سمٹ کر بیٹھ گئی۔

''اپنے گھر......'' اس نے اس کی آنکھوں میں جھانک کر کہا اور مسکرا کر باہر نکل گیا۔ ماما جان ناشتا لے کر پہنچ چکی تھیں' اس نے فون کرکے اسد کو بھی بلالیا تھا اور اب سب ساتھ ناشتہ کررہے تھے۔ عریشہ کی طبیعت ٹھیک نہیں تھی' جس کی وجہ سے وہ اپنے میکے میں تھی اسی لیے اسد کے ساتھ نہیں آسکی۔

''تو پھر کہاں گھمانے لے جارہا ہے بھابی کو؟'' اسد کے سوال پر دھیمے سے تبسم نے شاہ میر کے ہونٹوں کو چھوا۔ جب کہ ایمان بدستور خاموش رہی۔

''ترکی جائیں گے۔''

''ترکی...... تجھے اور کوئی جگہ نہیں ملی ہنی مون منانے کے لیے؟''

''کیوں اس میں کیا برائی ہے؟''

''ولیکن ترکی ہی کیوں؟''

''وہ تو نہیں سمجھے گا۔'' شاہ میر نے ایمان کی جانب دیکھتے ہوئے کہا' جس کے چہرے پہ ترکی کا نام سن کر ایک رنگ سا آکر گزر گیا۔ اسے اچھی طرح یاد تھا بہترین کالم نگار کی حیثیت سے مقامی میگزین میں اس کا انٹرویو چھپا تھا۔ جس میں اس سے سوال کیا گیا تھا کہ اگر بطور تحفہ اسے کسی ملک کی سیاحت کا موقع ملے تو وہ کہاں جانا پسند کرے گی۔ جس کے جواب میں اس نے ترکی جانے کی خواہش ظاہر کی تھی' لیکن وہ یہ سوچ کر حیران تھی کہ اس بات کا علم شاہ میر کو کیسے ہوا؟

ماما جان اور اسد نے ڈھیروں دعاؤں کے ساتھ انہیں ائر پورٹ سے رخصت کیا۔ ماما جان سے جدا ہوتے وقت ایک عجیب سے احساس سے اس کی آنکھیں نمناک ہوگئیں۔ اسے بار بار رونا آرہا تھا۔

''جاؤ بیٹا! خدا تمہارا حامی و ناصر ہے' خدا تمہیں ساری زندگی تمہارے ساتھی کے ساتھ خوش رکھے۔'' ماما جان نے دل کی گہرائیوں سے دعا دی۔

شاہ میر کی ارجنٹ چھٹی کی وجہ سے انہیں اپنا ہنی مون فقط تین روز تک محدود رکھنا پڑا۔

اسلام آباد پہنچ کر ایمان عجیب سے احساس کا شکار تھی۔ اپنے اس احساس کو وہ کوئی نام نہیں دے پارہی تھی۔ وہ احساس جو کسی خواہش کی تکمیل سے انسان کے دل و دماغ پر چھا جاتا ہے۔

شاہ میر نے محسوس کیا کہ وہ اس کے ساتھ ہوتے ہوئے بھی اس کے ساتھ موجود نہیں تھی۔ اس کا خیال تھا کہ شاید اس کی اس کیفیت کی وجہ اس کی موجودگی ہے۔ اسی لیے اس نے غیر محسوس طریقے سے ہر ممکن کوشش کی کہ خود کو اس سے دور رکھے تاکہ وہ اکیلے میں جس طرح چاہے جی بھر کے انجوائے کرسکے۔

اب انہیں کینیڈا پہنچے سات آٹھ روز بیت چکے تھے۔ شاہ میر نے آفس جوائن کرلیا تھا۔ زندگی ڈگر پہ چلنے لگی تھی۔ وہ دن رات خاموشی سے اس شخص کے ساتھ گزار رہی تھی۔ وہ شاہ میر کے لیے کھانا بناتی' اس کے کپڑے پریس کرتی۔ اس کے جوتے پالش کرتی۔ ایک روز شاہ میر نے حلیم کی فرمائش کی جب کہ شاہ میر کو حلیم بالکل بھی پسند نہ تھا اور اس بات سے ایمان بھی واقف تھی وہ کچن میں مسالا تیار کررہی تھی۔ جب شاہ میر کچن میں چلا آیا۔ وہ جاننا چاہتا تھا وہ یہ سب کیوں کررہی ہے۔ ایک طرف تو مجھ سے ٹھیک سے بات تک نہیں کرتی' دوسری طرف میرے کہنے کی دیر ہوتی ہے فوراً تکمیل ہوجاتی ہے۔ وہ آنچ ہلکی کرکے مڑی تو وہ سامنے تھا اس نے اس کے ہاتھ تھام لیے۔

''سنو زندگی...... اب بس کردو نا۔ کب تک آزماتی رہوگی؟''

''کیا کہنا چاہتے ہیں؟'' اس نے ہاتھ چھڑا لیے۔

''تمہیں اچھی طرح علم ہے کہ میں کیا کہنا چاہتا ہوں۔''

اس کی بات کے جواب میں اس نے خاموشی سے منہ پھیرلیا۔

''آخر کیا مسئلہ ہے یار، کب تک یہ ناراضی رہے گی؟''

''ناراض نہیں ہوں میں۔''

''تو پھر کیا وجہ ہے؟''

''کچھ نہیں۔''

''کچھ تو ہے۔'' اس نے شانوں سے پکڑ کر رخ اپنی جانب کیا۔ ''بتاؤ کیا بات ہے؟''

''بس آپ مجھے پسند نہیں۔'' غیر ارادی طور پر اس کے منہ سے نکل گیا۔

''تو پھر یہ بھاگ بھاگ کر کام کرنے کی وجہ؟''

''بیوی ہوں اس لیے فرض ہے۔''

"قرض تو کچھ اور بھی ہیں......" وہ شوخ ہوا' آنکھوں میں دیپ جل اٹھے جن کی تپش سے ایمان کانوں تک سرخ ہوگئی۔

"پلیز شاہ میر......" اس نے سختی سے کہہ کر چہرے سے منہ پھیر لیا مگر میر کے ضبط میں آج ہلکا سا خلاء واقع ہوگیا تھا۔ اس نے ایک بار پھر اسے تھام لیا مگر اس بار اس کی گرفت اس کی ارادے کا پتا دے رہی تھی۔

"شاہ میر آپ اپنے وعدے سے نہیں مکر سکتے۔"

اس کی آواز میں لرزش نمایاں تھی۔ اچانک ہی شاہ میر کے چہرے پر سایہ سا لہرا گیا۔ اس نے خاموشی سے ہاتھ ہٹا لیے۔

"کب تک پابند رہنا پڑے گا مجھ کو؟"

"مجھے نہیں پتا...... آپ پلیز باہر جا کر بیٹھیے تیار ہوجائے گی تو میں لے آؤں گی۔" ایمان نے جلدی سے بات بدلتے ہوئے کہا۔

"کوئی ضرورت نہیں، بھوک نہیں ہے مجھے۔" وہ سختی سے کہتا ہوا باہر نکل گیا اور وہ گم صم کھڑی اسے جاتا دیکھتی رہی۔

ایک دن آفس سے واپسی پر شاہ میر نے اسے خوب صورت پیکنگ میں ایک پیکٹ دیا۔ اس نے خاموشی سے لے کر کھولا اندر نہایت خوب صورت اور قیمتی پین اور رائٹنگ پیڈ موجود تھا۔ جنہیں دیکھ کر اس کا چہرہ چمک اٹھا۔ جہاں نہیں اگر وہ کورا کاغذ اور قلم دیکھ لیتی تو اس کی انگلیوں میں سنسناہٹ ہونے لگتی۔ اس قدر جنون تھا اسے لکھنے کا۔ کتنے دنوں سے اس نے کچھ بھی نہ لکھا تھا۔ اس نے کتنی بار کوشش کی کہ وہ شاہ میر سے کہے کہ وہ اسے سامان لادے مگر جس احساس میں وہ جی رہی تھی وہی احساس اسے ہر بار ہی باز رکھتا اور اب وہ حیران تھی کہ اس نے کیسے جان لیا۔

"میں نہیں چاہتا کہ میری وجہ سے تمہارے ہنر کو زنگ لگے۔ کچھ بھی ہوجائے تم لکھنا نہ چھوڑنا...... تمہاری تحریر کسی کے لیے بے حد انمول ہے۔ لکھنا شروع کردو اور اس کے لیے اگر تم چاہو تو میری اسٹڈی بھی استعمال کرسکتی ہو۔"

"کیسا شخص ہے یہ......" وہ سوچنے لگی۔ شروع سے لے کر اب تک اس نے اسے اپنے ہر عمل سے حیران ہی کیا ہے۔

ایمان نے لکھنا شروع کردیا تھا۔ لیکن وہ اسٹڈی میں بیٹھ کر لکھنے کے بجائے اپنے بیڈروم میں ہی لکھا کرتی تھی۔ اسٹڈی میں اب تک اس نے جھانک کر بھی نہ دیکھا تھا۔ البتہ شاہ میر رات کو سونے سے پہلے کافی وقت اسٹڈی میں گزارتا تھا۔ ایمان کے رویے میں بھی کافی حد تک تبدیلی آچکی تھی۔ اب شاہ میر سے بات کرتے وقت اس کا لہجہ موم رہتا۔ اس کی اکثر باتوں پر وہ ہنس بھی دیتی۔ اکثر اوقات اس کے ساتھ باہر گھومنے بھی چلی جاتی۔ مگر اب تک وہ شاہ میر کو اپنے وعدے سے آزاد نہیں کرسکی تھی۔

شاہ میر کے لیے اس کی یہ تبدیلی کسی بڑی کامیابی سے کم نہ تھی۔ اس کے باوجود بھی اس نے اس سے اپنی کسی خواہش کا اظہار نہ کیا تھا' اس کا خیال تھا کہ وقت کے ساتھ ساتھ اس کی محبت اسے یکسر بدل دے گی۔ اس نے پہلے سے بھی زیادہ اس کا خیال رکھنا شروع کردیا تھا۔ وہ ہر ممکن کوشش کرتا اسے خوش رکھنے کی۔

ایمان نے ناول لکھنا شروع کیا جس کے ختم ہونے کا شاہ میر کو بے چینی سے انتظار تھا اس نے سوچ رکھا تھا کہ جس دن وہ اپنا ناول مکمل کرے گی اسی دن وہ اسے تمام تر حقیقتوں سے آگاہ کردے گا۔ کہ آخر کیا رشتہ ہے اس کا اس کی تحریروں سے......

آفس کے کام سے شاہ میر کو شہر سے باہر جانا تھا اور سفر اسے بائے روڈ طے کرنا تھا۔ اس دن پہلی بار ایسا ہوا تھا وہ اسے دروازے تک چھوڑنے آئی تھی۔ شاہ میر کو خوش گوار حیرت ہوئی۔

"میں نو دس بجے تک لوٹ آؤں گا تم اپنا خیال رکھنا۔" اس نے اس کے گال کو تھپتھپا کر کہا۔ جس کے جواب میں اس نے نظریں جھکالیں۔ شاہ میر کے باہر نکلتے ہی اس نے دروازہ بند کرکے لاک لگادیا۔

کچن کی صفائی کرکے وہ لاؤنج میں جا بیٹھی۔ گھڑی کی سوئیاں گیارہ بجا رہی تھیں۔ اچانک ہی اس کے دل میں ایک خیال آیا اور وہ اٹھ کر اسٹڈی کی طرف چل دی۔ اسٹڈی کے نام سے اس کے ذہن میں ایک کمرے میں ایک عدد رائٹنگ ٹیبل اور ایک ریک میں چند کتابوں کا خاکہ موجود تھا۔ مگر اسٹڈی میں داخل ہوتے ہی وہ حیران ہوئے بغیر نہ رہ سکی۔ وہ تو اچھی خاصی ڈیکوریٹیڈ لائبریری تھی۔ وہ چلتی ہوئی درمیان والے ریک کے پاس جا رکی۔ ریک جہاں موجود تھا وہاں "محمد حسین آزاد"، "محمود میاں رونق، ممتاز مفتی، ابن انشاء، ایثار داعی، اشفاق احمد، بانو قدسیہ، شیکسپیر، تھامس ہارڈی، رابرٹ لوئی سٹیونس، پی جی وڈ ہاؤس" جیسی ہستیوں کے نوادرات موجود تھے...... اس نے پڑھنے کے خیال سے محمد حسین آزاد کی "آب حیات" اٹھالی...... واپس جاتے وقت وہ ٹیبل کے پاس سے گزری تو ایک کتاب پر نظر پڑی۔ اس نے فوراً ہاتھ بڑھا کر کتاب اٹھالی۔ وہ اسی کا ناول تھا "دیا جلائے رکھنا"

"یہ تو میرا ناول ہے لیکن یہ شاہ میر کے پاس......"

اس نے کچھ نہ سمجھتے ہوئے ناول کھول لیا۔ پہلے صفحے پر انگلش میں شاہ میر کا نام اور ساتھ تاریخ لکھی ہوئی تھی جو کہ شاہ میر نے ناول خریدنے کے روز لکھی تھی۔ جہاں سے اس نے کتاب اٹھائی تھی۔ اس کے نیچے نیلے رنگ کی ایک فائل موجود تھی۔ جس پر جلی حروف میں "زندگی" لکھا تھا۔ اسے اٹھا کر کھولا ایک کے بعد دوسرا' دوسرے کے بعد تیسرا...... جیسے جیسے وہ صفحے پلٹتی گئی اس کے ذہن میں موجود گتھیاں سلجھتی گئیں...... اس کے علاوہ ایمان کے ہر کالم کے ساتھ نوٹ موجود تھا۔ جس میں شاہ میر نے اپنے احساسات اور خیالات درج کیے تھے۔

"میرے خدا...... یہ کیا راز ہے؟ کب سے جانتے ہیں یہ مجھے...... کیا قصہ ہے یہ؟"

وہ ہر چیز وہیں چھوڑ کر بیڈ روم میں چلی آئی۔ گزرے ڈھائی ماہ اس کے ذہن کی اسکرین پر کسی فلم کی مانند چل رہے تھے۔ وہ کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پا رہی تھی۔ سوچ سوچ کر سر دکھنے لگا تھا۔ میڈیسن لینے کے خیال سے اس نے دوائی نکالنے کے لیے سائیڈ ٹیبل کی دراز کھولی۔ دوائیوں اور کچھ کاغذات کے علاوہ اس کی شادی کا البم بھی موجود تھا جسے اس نے محض ایک دو تصویریں دیکھنے کے علاوہ باقی دیکھنا ضروری نہیں سمجھا تھا' دوا اور البم لے کر وہ کچن میں چلی آئی۔ دوا لے کر اس نے البم کھول لی۔ شادی کی تصاویر کے بعد کچھ تصاویر ان کے ہنی مون کی تھیں۔

"ارے یہ کب ڈیولپ کروائیں۔" اس نے سوچا اور ساتھ ہی پانی کا ایک گھونٹ بھرا۔ آخری صفحے پر دو تصویریں الگ سے تھیں' جس میں دولہا بلاشبہ اسد ہی تھا' لیکن ساتھ بیٹھی دلہن...... اس نے تصویر کو قریب سے دیکھا...... میک اپ کے باوجود بھی وہ اسے پہچان چکی تھی۔

"یہ تو لو ہی ہے ریسٹورنٹ والی...... او میرے خدایا...... یہ کیا ہوگیا......" اس کے ساتھ ہی اس کی آخری گتھی بھی سلجھ گئی تھی...... ساری حقیقت جان کر اس کا جی بھر آیا۔ ٹیبل پر سر رکھ کر وہ پھوٹ پھوٹ کر رودی۔ کافی دیر رو لینے کے بعد اٹھ کھڑی ہوئی۔ البم بند

کرنے سے پہلے اس نے اپنے ہنی مون کی ایک تصویر نکال لی اور اسے فوٹو فریم میں لگا کر فریج پر لگا دی۔

یک دم سب کچھ صاف شفاف سا ہو گیا تھا جیسے برسات کے بعد کائنات کا ذرہ ذرہ نکھر آتا ہے۔ بیڈ روم میں آ کر اس نے شاہ میر کو فون کرنے کے خیال سے موبائل اٹھایا مگر پھر یہ سوچ کر کہ کہیں وہ مصروف نہ ہوں، واپس رکھ دیا۔ اب وقت کاٹنا اس کے لیے دوبھر ہو گیا تھا۔ ہر لمحہ سال برابر لگ رہا تھا۔ اس نے جی لگا کر پورے گھر کی صفائی کی۔ رات کا کھانا تیار کیا پھر سارے کاموں سے فارغ ہو کر وہ نہانے چلی گئی۔ شاہ میر کی گفٹ کی ہوئی ساڑھی پہنی اور بڑے ہی دل سے تیار ہوئی۔ آئینے میں بال سکھاتے ہوئے اس نے عقب میں شاہ میر کی موجودگی کو محسوس کیا۔ اس کے مضبوط ہاتھوں کی گرفت اب بھی اسے اپنے کندھے پر محسوس ہوئی..... اس نے پلٹ کر دیکھا..... وہاں کوئی نہیں تھا۔ پھر وہ خود ہی اپنی حرکت پر جھینپ گئی۔

جیسے جیسے گھڑی کی سوئی دس کے ہندسے کی طرف بڑھتی جا رہی تھیں، ویسے ویسے اس کی بے چینی میں اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ جیسے ہی گھڑیال نے دس بجائے اس کے دل کی دھڑکنیں منتشر ہو گئیں..... اس نے جلدی سے کھانا گرم کیا۔ ڈائننگ ٹیبل پر موم بتیاں جلائیں اور اب فقط شاہ میر کے آنے کا انتظار تھا۔

دس..... ساڑھے دس..... گیارہ..... ساڑھے گیارہ۔ وقت گزرتا جا رہا تھا مگر شاہ میر کا کہیں پتا نہیں تھا۔ اس نے دوبارہ سیل فون بھی ٹرائی کیا مگر آف جا رہا تھا۔ باہر ہونے والی بادلوں کی گرج سے اس کا دل دہل گیا۔ اب اسے فکر ہونے لگی تھی آفس کے نمبر پہ بھی کوئی اٹینڈ نہیں کر رہا تھا..... اس نے شاہد بھائی سے بات کرنے کا سوچا مگر پھر گھڑی میں ایک بجے کا وقت دیکھ کر رک گئی۔

شاہد صاحب کچھ دن ہی ہوئے تھے ان کے سامنے والے فلیٹ میں مع فیملی شفٹ ہوئے تھے، ہم وطن ہونے کے ناتے اچھی سلام دعا تھی۔

"کس سے معلوم کروں..... کہاں چلے گئے ہیں....." وہ بے حد پریشان تھی۔ اس پر شدید بارش..... انجانے خوف نے اسے ڈسنا شروع کر دیا تھا۔

……☆……

ڈور بیل مسلسل بج رہی تھی۔ بیل کی آواز سے وہ خیالات کی دنیا سے واپس لوٹ آئی..... اس نے گھڑی کی جانب دیکھا، تین بج رہے تھے.....

"شاید میر آ گئے ہیں۔" وہ سوچ کر دروازہ کھولنے چل دی۔ دروازہ کھولا گیا..... وہ شاید کوئی ریسکیو ٹیم تھی اور دو تین پولیس والے بھی اور ان کے ہمراہ شاہد صاحب۔

"شاہد بھائی آپ..... اس وقت؟ اور یہ سب..... سب خیریت تو ہے نا؟"

لفظ بہ مشکل اس کے ہونٹوں سے ادا ہوئے۔ دل اس قدر زور زور سے دھڑک رہا تھا کہ ابھی پسلیاں توڑ کر سینے کی قید سے آزاد ہو جائے گا۔

شاہد صاحب نے قریب جا کر اس کے سر پہ ہاتھ رکھا۔

"کک..... کیا ہوا شاہد بھائی.....؟" خشک حلق سے بہ مشکل آواز نکلی اور ساتھ ہی نظر دروازے کی جانب گئی۔ جہاں ریسکیو ٹیم کے دو ممبران اسٹریچر اٹھائے گھر کے اندر داخل ہو رہے تھے۔ اسٹریچر نیچے رکھ کر انہوں نے نعش کے منہ سے کپڑا ہٹایا..... اس کے ساتھ ہی آفیسر نے اسے آ کر بتایا۔

"ہمیں افسوس سے کہنا پڑ رہا ہے آپ کے شوہر جاں بحق ہو گئے ہیں۔"

اسے لگا کسی نے اس کے کانوں میں گرم گرم سیسہ

انڈیل دیا ہو..... وہ دوڑ کر اسٹریچر کے قریب گئی اور آہستہ آہستہ گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔ سامنے وہی موجود تھا..... اس کا شاہ میر..... خون میں لت پت چہرہ اور اس کی وہ آنکھیں..... جن میں ہمہ وقت چاہتوں کے دیپ جلتے تھے۔ آج وہ تمام دیے بجھ گئے تھے۔ اس کے ہونٹ جن پر شوخ سا تبسم اسے سب سے جدا اور حسین رکھتا تھا۔

"آپ کے شوہر کی کار کا ٹائر برسٹ ہو جانے کے باعث برج سے نیچے جا گری۔ آپ کے شوہر موقع پر ہی جاں بحق ہو گئے تھے۔ جائے حادثہ سے ہم نے آپ کے شوہر کی باڈی کے پاس سے یہ چیزیں برآمد کی ہیں۔" آفیسر نے ایک پیکٹ اس کی جانب بڑھایا مگر وہ جوں کی توں بیٹھی رہی۔ بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے.....؟ وہ کیسے جا سکتا تھا..... ابھی تو اس نے اس کی محبت کو پہچانا تھا..... ابھی تو اس کے سنگ سفر کا آغاز ہوا تھا اور وہ اسے آغازِ سفر میں ہی کیسے چھوڑ سکتا ہے..... اس کے ذہن میں شاہ میر کے الفاظ کی باز گشت ہونے لگی جو اس نے اس کے آخری کالم کے ساتھ درج کیے ہوئے تھے۔

"وہ اکثر مجھے بے یقینی سے دیکھتی ہے اور اس کی بے یقینی سے تکتی آنکھیں میرا ایمان ڈگمگا دیتی ہیں۔ شاید اسے مجھ پر یقین نہیں ہے۔ ہو جائے گا، میں دلاؤں گا اسے یقین..... پھر چاہے اس یقین کی قیمت میری جان ہی کیوں نہ ہو۔"

اور آج جب اسے یقین ہو چلا تھا تو وہ ہی نہیں تھا۔ شاہ میر نے اس کی قیمت ادا کی تھی۔

آج ایک مرتبہ پھر وہ اسے بے یقینی سے دیکھ رہی تھی..... لیکن اس بار اسے یقین کرنا پڑا کیوں کہ اب اسے یقین دلانے کے لیے کوئی شاہ میر نہیں بچا تھا..... اس نے ہاتھ بڑھا کر آہستہ سے اس کی بند آنکھوں کو چھوا..... جو اب ہمیشہ کے لیے ویران ہو چکی تھیں۔

"شاہ میر....." اس نے چلا کر اسے پکارا..... اس کی پکار سے نہ صرف پاس کھڑے نفوس کے دل بلکہ در و دیوار بھی لرز اٹھے۔

……☆……

آج وہ عمر کے اس دور میں تھی جہاں اک بار پھر ساتھی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

"کچھ بھی ہو جائے، تم لکھنا مت چھوڑنا۔" اس نے اپنی تمام عمر فقط شاہ میر کے اس جملے کے نام کر دی تھی۔

جب بھی اس کی کوئی نئی تحریر یا ناول شائع ہوتا تو وہ سب سے پہلے اسے شاہ میر کی تصویر کے پاس جا کر رکھتی۔

"لو میر پڑھ لو....." وہ اس سے یوں گویا ہوتی جیسے وہ اس کے سامنے بیٹھا ہو۔"

آج اس کا شمار ملک کے بہترین مصنفین میں ہوتا ہے..... لوگوں کا ماننا ہے کہ اس کے لفظوں میں جادو ہے، ایک سحر ہے، جو پڑھنے والوں کو مدہوش کر دیتا ہے..... پر وہ یہ نہیں جانتے کہ اس جادو کا جادوگر اس کا قلم نہیں بلکہ اس شخص کی محبت کا احساس ہے، جو اپنی تمام تر چاہتیں سونپ کر سوئے ہوؤں کی نگری میں جا بسا ہے۔ بظاہر آباد نظر آتی اِن آنکھوں کو برسوں پہلے ہی کوئی ویران کر گیا..... ہونٹوں پہ ہمہ وقت سجا یہ تبسم دکھ کی شدت کے باعث قائم رہتا ہے..... بظاہر زندگی روشن نظر آتی ہے..... ورنہ اس کی حسرتوں، امنگوں، محبتوں، چاہتوں کا دیا تو کب سے بجھ چکا ہے۔



قسط نمبر 17

اور کچھ خواب

عشنا کوثر سردار

تتلی کا رنگ ٹھہر گیا تھا' مٹھی کھلنے سے پہلے
خواب لہو میں اتر گیا تھا' آنکھ کھلنے سے پہلے
ویران کھنڈروں میں اب کیا ڈھونڈنے آئے ہو
کتنا شور اٹھا تھا' دل کی بستی اجڑنے سے پہلے

ایسا کیا تھا اس کی نظروں میں...... انائیا ملک سمجھ نہیں پائی تھی۔ وہ کیا جتانا چاہ رہا تھا؟
وہ محبت تو نہیں تھی
نہ کوئی لگاوٹ تھی
نہ عشق تھا نا پاگل پن...... نہ کوئی جنون تھا
نہ عقل وخرد سے بیگانہ تھا وہ
تو کیا تھا ان آنکھوں میں پھر......
وہ اسے اس طرح کھونا نہیں چاہتا تھا تو پھر کیا......
اتنی ناسمجھ تو نہیں تھی کہ وہ حلاوت نہ سمجھ سکتی تو یہ اس کی صرف غلط فہمی تھی کیا وہ محبت تھی' جس کے بل بوتے پر وہ اسے اس راہ پر لا سکا؟

"کیا ہوا مسز انائیا تغلق! اس طرح کیوں دیکھ رہی ہو؟" وہ اس کے شانوں پر ہاتھ رکھتا ہوا' اسے متوجہ کرتا ہوا بولا۔ اس نے خاموشی سے سر انکار میں ہلا دیا تھا۔

"کوئی راز ہے جو چھپا رہی ہو مسز تغلق۔" معارج تغلق اس کی ناک کو ہلکے سے دباتے ہوئے مسکرایا۔ وہ جوں کی توں بدستور پیلا دوپٹا اوڑھے ہوئے کھڑی تھی۔ پیلے رنگ کے احاطے میں وہ چہرہ اس طرح کھل رہا تھا جیسے چاند کے گرد ہالہ...... ! کوئی روشنی سی آنکھوں سے پھوٹ رہی تھی۔ وہ اس کے چہرے کو بغور دیکھ رہا تھا۔

"مجھے بڑا عجیب لگا۔" اس نے بولنے کا آغاز کیا تھا۔

"کس بات کو لے کر؟" وہ چونکی۔

"تمہیں اپنی بیوی کہہ کر بلاتا۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔ "سچ میں نے نہیں سوچا تھا اس سچائی کو اس طرح قبول کروں گا۔ ان چکروں میں پڑنے کا قائل نہیں تھا۔ مجھے شادی وادی کرنا ہی نہیں تھی مگر جب ہوگئی تو یقین نہیں ہوا کیسے ہوئی مگر کل بے ارادہ...... بے اختیاری میں تمہیں ڈھونڈنے کے جتن کرتے ہوئے تمہیں اپنے سے منسوب رشتے سے بلایا تو کچھ حیرت ہوئی۔" ایک گہری سانس خارج کرتے ہوئے پھر گویا ہوا۔ "یہ سب کیا ہے' میں نہیں جانتا مگر کبھی کبھی رشتے حیرت میں ضرور ڈال دیتے ہیں۔" معارج تغلق بولا۔

"کیونکہ انہیں عجیب انداز سے بنایا جاتا ہے۔" وہ براہِ راست اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی بولی تھی۔ جیسے اپنے ساتھ ہونے والے سانحے کا حساب چاہتی ہو۔

"شاید...... مگر میں نے کہا نا میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں تھا۔" وہ صاف گوئی سے بولا۔

"پھر ارادہ کس بات کا تھا؟" وہ مکمل اعتماد سے سر اٹھا کر اسے دیکھ رہی تھی۔ معارج تغلق نے لمحہ بھر کو خاموش ہو کر اسے دیکھا تھا پھر مسکرا دیا۔

"بڑی متجسس ہیں آپ یہ جاننے کے لیے......؟"

"تم نے میرے ساتھ اتنا کچھ کیا تو کیا میں اس کا جواز بھی مانگ نہیں سکتی؟" انا یا ملک نے کہا۔

"مانگ سکتی ہو' جو چاہو مانگ سکتی ہو' مگر یہ مجھ پر منحصر ہے کہ میں دینا چاہتا ہوں یا نہیں...... چاہے وہ کسی سوال کا جواب ہو یا جواز!" وہ بات کو مذاق میں اڑا دینا چاہتا تھا شاید وہ بغور اس کی آنکھوں میں دیکھ رہی تھی جیسے ہر بھید کا پتا چاہتی ہو۔ "یہ پیلا دوپٹا اوڑھے تم بہت خوب صورت لگ رہی ہو انا یا تغلق! مگر دلہن اتنی دیدہ دلیری سے اپنے دولہا کو دیکھتی اچھی نہیں لگتی۔" وہ مسکرایا۔

"تم جانتے ہو معارج تغلق! یہ شادی کیا معنی رکھتی ہے؟ شاید میں کسی سازش کا شکار ہوئی ہوں اور سازش کا شکار ہونے والی لڑکی کو "وکٹم" کہتے ہیں' دلہن نہیں...... ! مجھے تو یہ بھی نہیں پتا کہ مجھے کیا کرنا چاہیے اور کیسے پیش آنا چاہیے۔ میری تو جیسے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت ہی سلب ہوگئی ہے۔ میں اس سارے ڈرامے کا حصہ ایسے ہوں جیسے میں کوئی جیتا جاگتا وجود نہیں' کوئی مجسمہ ہوں۔ میرے ساتھ یہ کھیل کھیل کر تمہیں کیا مل رہا ہے معارج تغلق!" انا یا ملک کا لہجہ مضبوط تھا۔

"کوئی کھیل نہیں کھیل رہا تمہارے ساتھ انا یا ملک! عزت دے رہا ہوں' میرے گھر میں میری بیوی کی حیثیت سے جگہ پا رہی ہو تم۔ میرے رشتے تمہیں مان دے رہے ہیں' پیار سے اپنا رہے ہیں اور کیا درکار ہے تمہیں؟ وہ مسکرایا۔ "مجھے تو جلن ہوتی ہے کہ تم مجھ سے میرا ہر رشتہ چھین رہی ہو۔" وہ مذاق کررہا تھا' سنجیدہ نہ تھا جیسے مگر وہ خاموش رہی تھی۔

"کیا ہے یہ سب معارج تغلق!" قدرے توقف سے وہ بولی۔

"یہ آج تمہیں اچانک دھیان کیسے آگیا پوچھنے کا...... کیوں پوچھ رہی ہو تم یہ سب؟"

"اچانک سے نہیں آیا دھیان معارج تغلق! میں کوئی بات بھولی نہیں ہوں مگر...... یہ عشق تو نہیں نہ کوئی جنون ہے؟" انا یا ملک نے مدعا چھیڑا تو وہ مسکرا دیا تھا' جیسے اس کی بات سے محظوظ ہوا ہو۔

"ہوسکتا ہے کوئی عشق ہی ہو۔ تمہیں یہ گمان ہے کہ کوئی تم سے عشق میں مبتلا نہیں ہوسکتا؟" وہ اس کی کسی بات کو سنجیدہ نہیں لے رہا تھا۔ "تم سے کہیں کوئی میری پرانے جنموں کی کوئی دشمنی تو نہیں نکلتی؟" معارج تغلق کی مسکراہٹ گہری ہوئی تھی۔

"دشمنی ہوتی تو آپ کے قریب بھی نہ ہوتی۔ میرا دل بڑا ہے' میرے دشمن نہیں ہیں' نہ میں کسی کی دشمن ہوں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر درگزر کرسکتی ہوں' دشمنی نبھانے کی نوبت نہیں آتی۔" وہ کہہ رہی تھی۔

"ہم سے تو دوستی بھی کبھی نہیں کی آپ نے؟" وہ جیسے شکوہ کررہا تھا۔ وہ سر اٹھا کر خاموشی سے دیکھنے لگی۔

"آپ اچھے نہیں ہیں۔" وہ بولی تھی' وہاں سے جانے کے لیے باہر کی طرف قدم بڑھایا ہی تھا کہ معارج تغلق کی آواز پہ رک گئی۔

"انا یا......" معارج تغلق نے پکارا تھا۔ اس نے آہستگی سے پلٹ کر دیکھا تھا۔ معارج تغلق نے خاموشی سے اسے دیکھا تھا اور سر نفی میں ہلا دیا تھا۔ انا یا ملک نے پیلا آنچل اتار کر صوفے پر رکھا تھا اور پلٹ کر وہاں سے نکل گئی۔

* * *

وہ کلاس لینے کے بعد نکل رہی تھی' جب اس سے سامنا ہوگیا تھا۔ اناہیتا بیگ کنی کترا کر نکل جانا چاہتی تھی۔ مگر اس نے روک لیا۔

"سنو......!" اناہیتا بیگ کے قدم جیسے بندھ گئے تھے مگر وہ اس کی جانب دیکھنے سے گریز کررہی تھی۔

"تمہارا پروجیکٹ کیسا جارہا ہے؟" سوال شاید غیر متوقع تھا وہ براہِ راست اس کی طرف دیکھنے پر مجبور ہوگئی تھی۔ وہ معمول کی بات کرکے جانے کیا ثابت کرنا چاہ رہا تھا۔ اس کے پاس سر ہلانے کے علاوہ کوئی چارہ نہیں تھا۔ "ایکسل تم سے بات کرنا چاہ رہا تھا۔"

"کیسی بات......؟" اناہیتا بیگ نے پوچھا۔ دامیان سوری نے شانے اچکا دیے تھے۔

"یہ تو میں نہیں جانتا۔"

"اوہ!" اسے اس کا بے نیاز انداز اچھا نہیں لگا تھا۔ ایک لمحہ کو نظر اس کی نظر سے ملی تھی۔ شناسائی کا شائبہ دور تک نہ تھا۔

"ایکسل کو کچھ کام تھا تو اس نے مجھ سے کیوں نہیں کہا؟" وہ جیسے خود کلامی میں بولی۔

"زیادہ سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ جب ملے گا تو تمہیں بتادے گا۔" دامیان نے کہا اور تبھی للی میک آگئی تھی اور وہ اس کی سمت بڑھ گیا۔ اناہیتا بیگ نے ایک نگاہ ان دونوں پر ڈالی اور پھر وہاں سے آگے بڑھ گئی۔ پارسا اسے راہداری میں مل گئی تھی۔

"کیا ہوا؟ یہ چہرہ اتنا بے رنگ کیوں لگ رہا ہے؟" پارسا نے پوچھا۔

"کچھ نہیں' تم نے ایکسل کو دیکھا؟"

"نہیں' میں نے نہیں دیکھا۔ کیوں کیا ہوا؟" پارسا نے پوچھا۔

"دامیان تم سے کچھ کہہ رہا تھا؟" پارسا غالباً اسے دامیان کے ساتھ کھڑا دیکھ چکی تھی۔

"کچھ خاص نہیں' تمہارا پروجیکٹ کیسا جارہا ہے؟" اس نے پارسا سے پوچھا تھا۔

"ٹھیک! مگر فی الحال مکمل ہونے میں دیر لگے گی۔ مجھے مٹریل کو منتخب کرنے میں کچھ پرابلم ہو رہی ہے۔" پارسا نے کہا۔

"مجھے بھی یہی پرابلم پیش آرہی ہے' دوسرے فی الحال امن کی کیفیت نہیں۔ کچھ عجیب شور سا ہے۔ میں یکسو نہیں ہو پارہی۔" وہ تھکے ہوئے سے انداز میں وہیں سیڑھیوں پر اس کے پاس بیٹھ گئی تھی۔ پارسا نے اسے بغور دیکھا تھا۔

"تم ٹھیک تو ہو؟"

"ہاں!" اس نے سر ہلا دیا۔

"اناہیتا! اگر طبیعت ٹھیک نہیں تو گھر میں رہو' آرام کرو۔ میں تمہارا پروجیکٹ مکمل کردوں گی۔" پارسا نے پیشکش کی تھی۔

"نہیں' شکریہ! میں ٹھیک ہوں۔" اناہیتا بیگ نے سہولت سے منع کردیا۔

"تمہیں کوئی کام تو نہیں؟"

"کیوں' گھر جانا ہے؟" پارسا نے پوچھا۔

"ہاں' گرمی بہت ہو رہی ہے' اگر تم نے کام ختم کرلیا ہے تو گھر چلتے ہیں۔" اناہیتا نے کہا۔

"ہاں کام تو کچھ زیادہ نہیں مگر مجھے یلماز کمال سے ملنا تھا' شام کو اس کا فون آیا ہے' اس نے کہا تھا اماں کا کوئی پیغام ہے۔ سو میں یہاں اس کا انتظار کروں۔" پارسا نے بتایا۔ اناہیتا نے اسے بغور دیکھا تھا۔ پارسا شاید دانستہ اس کی سمت سے چہرے کا رُخ پھیر کر دیکھنے لگی تھی۔ کیا اسے کوئی خوف تھا کہ وہ اس کے چہرے پر لکھی کوئی تحریر پڑھ نہ لے......

"پارسا! میں نے تمہیں گھر بات کرتے نہیں دیکھا۔ کوئی بات ہے جو تم مجھ سے بانٹ نہیں سکیں یا بانٹنا نہیں چاہتیں؟" اناہیتا نے اس کے ہمیشہ کے گریز کو توڑنا چاہا تھا۔

"وہ......میں......!" پارسا سے جیسے کوئی بات بن نہیں پارہی تھی۔

"کوئی بات نہیں' اگر تم نہیں بتانا چاہتی ہو تو ٹھیک ہے۔" اناہیتا نے اس کی احتیاط کے پیش نظر کہا۔ اگر وہ بتانا نہیں چاہتی تھی تو وہ بھی اس پر کوئی دباؤ ڈال کر اگلوانا نہیں چاہتی تھی' یہ ٹھیک نہیں تھا کہ اس پر زبردستی کرتی' اگر وہ مائل نہیں تھی۔

"میرے براہِ راست بات نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے۔" پارسا نے اپنے طور پر جیسے صفائی دینا چاہی۔ "میں تم سے کچھ چھپانا نہیں چاہتی مگر......" وہ بولتے بولتے رُک گئی تھی۔

"کوئی بات نہیں پارسا! تم اگر نہیں بتانا چاہتی ہو تو میں تمہیں مجبور نہیں کروں گی۔" اناہیتا بیگ نے ملائمت سے کہا۔ مگر پارسا کو شاید احساسِ جرم محسوس ہوا تھا۔ وہ اس کی قریبی دوست ہے اور اس کی ہمیشہ مدد کرتی رہی تھی' اگر وہ اس سے ہی اپنے دل کی بات کہہ نہیں سکتی تو اس کا مطلب تھا وہ اس پر

اعتبار نہیں کرتی۔

"ایسا نہیں ہے کہ میں تم پر اعتبار نہیں کرتی اناہیتا بیگ! مگر بعض باتوں کے نہ کہنے کے کچھ جواز ہوتے ہیں۔" پارسا سر جھکا کر بولی۔

"میں سمجھتی ہوں پارسا! تمہیں کسی بات کو لے کر شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ میں یہ قطعاً نہیں سوچ رہی کہ تم مجھ پر اعتماد نہیں کرتی ہو۔" اناہیتا بیگ نے اسے نرمی سے مسکراتے ہوئے دیکھا۔

"تم میری بہت اچھی دوست ہو نا! یہاں اس بیگانے شہر میں تم نے مجھے ہمیشہ ہر طرح سے مدد دی ہے اور میرے ساتھ رہی ہو۔"

"جانے بھی دو پارسا! چھوڑو نا......اچھا بتاؤ آئس کریم کھاؤ گی؟" اناہیتا نے موضوع بدل دیا تھا۔ اس کا انداز بہت دوستانہ تھا۔ پارسا کو اپنے طور پر کسی قدر شرمندگی ہوئی تھی۔ اناہیتا بیگ نے اس کا ہاتھ تھاما اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"چلو آئس کریم کھانے چلتے ہیں۔ آج گرمی بہت زیادہ ہے نا!" پارسا کے پاس اٹھ جانے کے علاوہ جیسے کوئی چارہ نہیں تھا۔



وہ شام میں لان میں بیٹھی چائے پی رہی تھی' جب ایکسل آ گیا تھا چونکہ دامیان نے بتایا تھا کہ وہ اس سے کوئی بات کرنا چاہتا تھا تو اس لیے اسے کوئی حیرت نہیں ہوئی اس کی آمد پر۔

"آؤ ایکسل بیٹھو۔ چائے پیو گے؟" اناہیتا نے پوچھا۔

"ہاں چائے پیوں گا اور ساتھ کچھ کھاؤں گا بھی...... مگر جلدی ہونا چاہیے۔" ایکسل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ وہ کھانے کے لیے ہر لمحہ تیار رہتا تھا' اناہیتا اس کا مزاج جانتی تھی تبھی مسکرائی۔

"ٹھیک ہے! مگر اتنی جلدی میں کیوں ہو......ٹرین چھوٹ رہی ہے کیا......" اناہیتا نے پوچھا۔

"نہیں ٹرین تو نہیں چھوٹ رہی مگر باہر دامیان سوری گاڑی میں بیٹھا ہے۔"

"اوہ!" اناہیتا بیگ جانتی تھی' اپنی اس روز کی بے عزتی کے باعث وہ اندر نہیں آنا چاہے گا' تبھی اس کا ذکر سن کر بات بدل دی تھی۔

"تم کچھ کہنا چاہتے تھے؟" اس نے نوکر کو بلا کر چائے اور سموسوں کا کہا۔

"ہاں کہنا تو چاہتا تھا مگر مجھے یہ اچھا نہیں لگ رہا۔" ایکسل نے افسوس بھرے انداز میں کہا۔

"کیا اچھا نہیں لگ رہا؟" اناہیتا نے پوچھا۔

"تم دونوں اچھے دوست ہو اور یہ فاصلے......؟ دوستی میں چھوٹے موٹے اختلافات ہوتے رہتے ہیں' جھگڑے بھی ہوتے ہیں مگر اس طرح نہیں ہوتا۔" ایکسل نے کہا۔

"تم سے کس نے کہا کہ ہم میں کوئی جھگڑا ہوا ہے یا کوئی فاصلہ ہے؟" اناہیتا چونکی تھی۔ "اور تم کیا یہاں یہی بات کرنے آئے ہو؟"

"نہیں' اس بارے میں بات کرنے یا تمہیں سمجھانے نہیں آیا مگر وہ اس طرح باہر گاڑی میں بیٹھا رہے

گا تو اچھا نہیں لگے گا۔“ ایکسل بولا۔

”تم چاہتے ہو میں اسے اندر بلواؤں؟“

”وہ تمہارے گھر کے باہر کھڑا ہے اناہیتا بیگ! کسی کے گھر کوئی آئے اور اندر قدم نہ رکھے‘ یہ اچھی بات نہیں ہے۔ دشمنی کے بھی کوئی اصول ہوتے ہیں۔ اپنے گھر دشمن بھی چل کر آجائے تو اسے اندر داخل ہونے کو کہہ دیتے ہیں۔“ ایکسل نے سمجھایا۔

”تم اسے اگر اندر بلانا چاہتے ہو تو کہہ سکتے ہو۔ میں اسے اندر بلوانے سے منع نہیں کررہی۔ وہ اندر آسکتا ہے۔“ وہ قدرے بے گانگی سے بولی تھی۔ انداز لاتعلق تھا‘ جیسے اس کا کوئی واسطہ نہ ہو۔

”ایسے نہیں ہوتا اناہیتا! یہ ٹھیک نہیں ہے۔“ ایکسل نے پھر افسوس بھرے انداز میں کہا۔ اناہیتا خاموش ہوگئی تھی۔

”اناہیتا! تمہیں دامیان کو اندر بلانا چاہیے۔“ ایکسل نے اسے کہا تھا مگر وہ سر جھکائے لاتعلق انداز میں بیٹھی رہی تھی۔

”اناہیتا! دامیان اتنا بڑا دشمن نہیں ہے۔ ہم سب دوست ہیں‘ چھوٹی چھوٹی باتوں کو بھول جانا مناسب ہوتا ہے۔“

”ہم میں کوئی دشمنی نہیں ہے ایکسل! تم غلط سمجھ رہے ہو اور بلاوجہ اس کی حمایت کررہے ہو۔“ اناہیتا بولی۔

”میں حمایت نہیں کررہا مگر یہ اچھا نہیں لگتا‘ وہ گھر کے باہر گاڑی میں بیٹھا ہے۔“

”تو اسے اندر بلالو۔“ اناہیتا نے لاتعلقی سے کہا۔

”کسے اندر بلالو؟“ ممی جو چائے لے کر آئی تھیں‘ اس کی بات سن کر پوچھنے لگیں۔

”آنٹی وہ......!“ اس نے اناہیتا کی طرف دیکھا تھا پھر دانستہ چپ ہوگیا۔

”کیا ہوا ایکسل! کوئی پریشانی ہے؟“ ممی نے دریافت کیا۔

”نہیں آنٹی! پریشانی تو کوئی نہیں۔ میں بھائی کی شادی کا دعوت نامہ دینے آیا تھا اور میرے ساتھ دامیان بھی ہے۔“

”دامیان بھی ہے......؟ کہاں ہے وہ......؟“ ممی نے پوچھا۔

”وہ باہر گاڑی میں ہے“

”اوہ!“ ممی نے اناہیتا کی طرف دیکھا اور پھر چائے کی ٹرے میز پر رکھ کر صدر دروازہ کی طرف بڑھ گئیں۔ جانے انہوں نے کیا کہا تھا کہ دامیان کچھ ہی دیر میں اندر آتا دکھائی دیا۔ اناہیتا نے اسے اندر آتے اور ان کی طرف بڑھتے دیکھا تھا مگر وہ ہر طرح سے اپنے احساسات کو چھپا کر کوئی ردعمل ظاہر نہیں کرنا چاہتی تھی‘ تبھی اس کی جانب متوجہ نہیں ہوئی تھی اور چائے کے گھونٹ لینے لگی تھی۔ دامیان اس کے سامنے والی کرسی پر بیٹھ گیا تو ممی نے اسے چائے پیش کی‘ ساتھ ہی پلیٹ میں لوازمات رکھ کر دیئے تھے۔ اناہیتا ایسے بیٹھی تھی جیسے اس ماحول کا حصہ نہ ہو۔

”آنٹی! آپ کے ہاتھ کے سموسوں کا جواب نہیں......اگر اتنے پیار سے کھلائیں گی تو میں روز آجایا کروں گا۔“ ایکسل سموسوں سے انصاف کرتا ہوا مسکرایا۔

”تمہارا اپنا گھر ہے بیٹا! جب دل چاہے آؤ۔ میرے لیے تم انا یا عدن سے کم نہیں ہو۔“ ممی مسکرائیں۔

”واہ آنٹی جی! ماں ہو تو آپ جیسی‘ کیا شیر جیسا دل ہے۔ آپ تو سونے کا نوالہ بھی کھلاتی ہیں اور شیر کی نظر سے بھی دیکھتیں۔ مگر اتنا کچھ اور اتنے پیار سے کھلائیں گی تو میں موٹا ہو جاؤں گا۔“ ایکسل مسکرایا۔

”ایکسل! کچھ نیا نہیں ہوگا۔ تم پہلے بھی کمزور نہیں ہو۔“ دامیان سوری نے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے کہا تھا۔ اناہیتا بیگ اس سارے ماحول سے اجنبی سی بنی بیٹھی تھی۔ اس کا کپ غالباً خالی ہوچکا تھا مگر وہ بھرم رکھنے کو اور غالباً توجہ ہٹانے کو اب تک کپ ہاتھ میں تھامے ہوئے تھی۔

”تم چائے اور لے لو اناہیتا! تمہارا کپ خالی ہے غالباً۔“ ایکسل نے مسکراتے ہوئے کہا۔ اناہیتا نے دانستہ نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا۔ اس کی چوری پکڑے جانے پر عجیب کیفیت ہوئی تھی۔ دامیان سوری اس کی جانب متوجہ تھا۔ اس سے ملنے پر وہ نگاہ کا زاویہ بدل کر ایکسل کی طرف دیکھنے لگی۔

”تم کچھ لو نا دامیان بیٹا!“ ممی نے پلیٹ آگے بڑھائی تھی۔

”نہیں ممی! میں صرف چائے لوں گا۔ میں نے کھانا دیر سے کھایا تھا‘ بھوک نہیں ہے۔“ اس نے سہولت سے منع کیا۔

”ممی بھی کہتے ہو اور میرے ہاتھ کا بنا چکھو گے بھی نہیں......؟“ ممی مسکرائی تھیں۔ ان کا نرم انداز دیکھ کر جانے کیوں وہ اناہیتا کی طرف دیکھنے لگا۔ جیسے وہ اس کے اور ممی کے مزاج کا موازنہ کررہا تھا۔ اناہیتا نے توجہ نہ کرتے ہوئے اپنے لیے چائے اُنڈیلی تھی۔

”آپ کے ہاتھ کے بنے کھانوں کا جواب نہیں ہے ممی! مگر اس وقت بھوک نہیں ہے لیکن آپ کہتی ہیں تو چکھ لیتا ہوں۔“ اس نے تھوڑا سا سموسہ توڑ کر منہ میں رکھا تھا شاید ممی سمجھ رہی تھیں کہ وہ اس دن کے بعد اس گھر میں قدم رکھنے میں کتنی جھجک محسوس کررہا تھا۔ دامیان آ تو گیا تھا مگر کچھ زیادہ بول نہیں رہا تھا۔ چپ چاپ چائے کے گھونٹ لے رہا تھا۔

”آنٹی! یہ میرے بھائی کی شادی کا دعوت نامہ ہے اور آپ سب کو اس شادی میں ضرور آنا ہے۔ یہ دعوت نامہ تو یوں آپ کو دے رہا ہوں تاکہ آپ یہ نہ کہیں کہ صرف اناہیتا کو مدعو کیا ہے۔“ ایکسل نے کہا تو ممی مسکرادی تھیں۔

”ٹھیک ہے۔ ہم کوشش کریں گے کہ ضرور شرکت کریں۔“

”اناہیتا! تم بھی ضرور آنا۔“ ایکسل اس کی طرف دیکھ کر مسکرایا۔

”پروجیکٹ کا کافی کام باقی ہے مگر میں کوشش کروں گی۔“ وہ عجیب سرد لہجے میں بولی تو دامیان نے اسے بغور دیکھا تھا۔ وہ ایسی تو نہیں تھی۔ کیا ہوگیا تھا اسے...... کیا صرف ایک چھوٹی سی بات سے کوئی یوں بدل سکتا ہے؟ وہ سوچ کر رہ گیا تھا۔

ایکسل اٹھ کھڑا ہوا تھا۔ دامیان نے بھی تقلید کی تھی۔

"ٹھیک ہے آنٹی! بہت شکریہ چائے اور سموسوں کے لیے۔ ہم چلتے ہیں اب۔" ایکسل نے کہا۔

"او کے ممی! شکریہ! آپ کو دیکھ کر ہمیشہ لگتا ہے کہ ساری مائیں شاید اتنی ہی نرم اور محبت کرنے والی ہوتی ہیں۔ آپ کے ساتھ اس دن کھانا پکانے کا بہت اچھا تجربہ رہا تھا۔ آپ بہت اچھی ہیں۔" وہ ملائمت سے مسکراتے ہوئے بولا تو ممی مسکرا دی تھیں۔

"تم جب چاہو آ کر وہ تجربہ دہرا سکتے ہو۔ بیٹے کو ماں سے گھر آنے کے لیے کسی اجازت کی ضرورت نہیں ہوتی نا تمہیں بھی جھجک محسوس نہیں ہونی چاہیے۔" ممی نے اسے اپنائیت کا احساس دلایا۔

دامیان سوری جانے کیوں انابیتا بیگ کی سمت دیکھنے لگا تھا۔ وہ بھی اس کی جانب دیکھ رہی تھی۔ نگاہ پل بھر کو ملی تھی پھر وہ پلٹا تھا اور دروازے کی سمت بڑھنے لگا۔ وہ دانستہ اس جانب سے نگاہ ہٹا گئی۔ ممی نے اس کی سمت دیکھا...... اسے لگا تھا کوئی سرزنش ہوگی یا پھر کوئی نصیحت مگر ممی خاموشی سے پلٹ کر اندر کی جانب بڑھ گئی تھیں۔

×......✿......×

انابیا ملک ممی کی طرف جانے کے لیے نکل رہی تھی جب معارج تغلق کہیں سے نکل کر اس کے سامنے آ گیا۔

"کہاں جا رہی ہو تم......؟" دریافت کیا گیا۔

"ممی کی طرف......!" اس نے جواب دیا۔

"آج کے لیے جانا ملتوی کر دو۔" حکم صادر ہوا۔

"کیوں......؟" وہ چونکی۔

"میں تمہیں خود لے جاؤں گا ممی کی طرف۔ مگر آج کے لیے غالباً ایشاع کے پاس تمہارے لیے کوئی منصوبہ ہے۔"

"آج کے لیے...... کیا مطلب......؟" انابیا الجھے ہوئے انداز میں بولی۔

"اس میں اتنا الجھنے والی کون سی بات ہے، ممی کے گھر کسی اور وقت بھی تو جایا جا سکتا ہے نا!" وہ اس کے چہرے کے تاثرات دیکھتے ہوئے بولا۔ تبھی کان سے سیل فون لگائے کسی سے بات کرتی ان کی طرف آتی ایشاع دکھائی دی۔

"بھائی! کہیں جائیے گا مت...... ذرا انتظار کریں، میں آتی ہوں۔" اسے ایک مروت بھری مسکراہٹ کے ساتھ دیکھتی ہوئی ایشاع دوسری طرف نکل گئی۔

اس گھر کے مکینوں کو شاید رواداری نبھانا آتا تھا۔ قتل بھی کرتے تو بڑے قرینے اور سلیقے سے کرتے تھے کہ بندہ جان بھی دے دے اور افسوس بھی نہ ہو۔ اس نے تھک کر صوفے پر بیگ رکھا اور پھر اس کی جانب متوجہ ہوئی تھی جو اسے جانے کیوں بغور دیکھ رہا تھا۔

"کیا سوچ رہی ہو تم؟"

"میرے سوچنے کی فکر آپ کو کب سے ہونے لگی؟" وہ چونکی۔

"تمہاری فکر نہیں ہوگی تو پھر کس کی فکر ہوگی...... بیوی ہو میری!" وہ مسکرایا۔ وہ اس کی فطرت جانتی تھی تبھی کوئی تاثر نہیں دیا تھا۔

"تم جواب دیا کرو مسز تغلق! خاموش رہتی ہو تو کچھ دور جاتی لگتی ہو۔" وہ غالباً اسے چھیڑ کر لطف محسوس کر رہا تھا۔

"مجھے اس سارے ڈرامے کی وجہ سمجھ نہیں آ رہی معارج تغلق!" وہ تپ کر بولی۔

"کس ڈرامے کی وجہ مسز تغلق!" وہ جیسے اس کی کیفیت سے محظوظ ہو رہا تھا۔

"تم سب شہد سے زیادہ میٹھا ہونے کی کوشش کیوں کرتے ہو؟"

"تمہیں میٹھا زیادہ پسند نہیں ہے کیا......؟" وہ برجستگی سے بولا۔

"معارج تغلق! یہ کوئی طریقہ نہیں ہے۔ ہر ایک کی اپنی زندگی ہوتی ہے اور......" معارج تغلق نے کچھ کہنے سے قبل ہی اس کے لبوں پر انگلی رکھ دی تھی۔ وہ الجھی نظروں سے اسے دیکھنے لگی تھی۔

"نئی دلہن اپنے دولہا سے اس طرح بحث نہیں کرتی۔" معارج تغلق نے اسے جیسے گر کی بات سمجھائی تھی مگر اس کی نگاہوں میں ہزار ہا الجھنوں کا ڈیرہ تھا۔

"تمہیں الجھن کس بات کی ہے؟ سنا ہے لڑکیوں کے ساتھ ایک بات عام ہے کہ شادی کے دنوں میں انہیں ایک عجیب سی افسردگی ہو جاتی ہے۔ کہیں تمہارے ساتھ بھی ایسا تو نہیں کہ گھر میں شادی کی چہل پہل دیکھ کر تمہیں بھی ایسی ہی کیفیت گھیر رہی ہے؟" وہ جیسے اسے سمجھنے کی بھرپور سعی کر رہا تھا۔ کیا وہ اس میں اتنی دلچسپی رکھتا تھا......؟ انابیا ملک نے بہت آہستگی سے اس کا اس کے لبوں پر رکھا ہوا ہاتھ ہٹا دیا تھا۔

"مجھے کوئی افسردگی نہیں ہے نہ ہی کوئی پریشانی...... مجھے یہ ڈرامے بازی الجھن دے رہی ہے۔ اگر میرے گھر سے بندوق کے زور پر بیاہ ہی لائے تھے تو مزید کسی ڈرامے کی کیا ضرورت باقی بچتی تھی؟" وہ عجیب الجھی ہوئی لگ رہی تھی۔

"اوہ! تو تمہیں اس سے کوئی خوشی نہیں؟ میں تو سمجھا تم بہت خوش ہوگی کہ سسرال میں خوب آؤ بھگت ہو رہی ہے اور سر آنکھوں پر بٹھایا جا رہا ہے۔ باقاعدہ رسمیں کی جا رہی ہیں اور اس شادی کو باقاعدہ یادگار بنایا جا رہا ہے۔"

وہ اس کی ہر بات کو مسکرا کر کیوں ٹال رہا تھا، وہ جو ناک پر مکھی نہیں بیٹھنے دیتا تھا، اس سارے معاملے کو لے کر اتنا محظوظ کیوں ہو رہا تھا......؟ اس کی الجھن کڑوا کسیلا کہنے کے باوجود وہ اتنا خوش مزاج شہد جیسا میٹھا کیوں ہو رہا تھا...... یہ کون سا روپ تھا اس کا...... وہ ابھی سوچ ہی رہی تھی کہ معارج تغلق نے اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ وہ اس حرکت پر حیران رہ گئی تھی مگر معارج تغلق کو جیسے پروا نہیں تھی۔

"یہ کیا بدتمیزی ہے؟" اس کی نظریں اپنے چہرے پر گڑی دیکھ کر وہ نگاہ چراتی ہوئی ڈپٹ کر بولی۔ اس کا انداز ہنوز لاپروا حظ اٹھانے والا تھا، عجیب شخص تھا وہ۔ جانے کیا تھا اس کے من میں۔

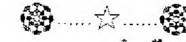
''زیادہ مت سوچا کرو۔ سوچنے سے لڑکیاں جلد بوڑھی ہو جاتی ہیں۔ مجھے گرے بالوں والی اور چہرے کی جھریوں والی اناٹیا تغلق کچھ خاص بری تو نہیں لگے گی مگر کچھ خاص اچھی بھی نہیں لگے گی پھر باہر تانکا جھانکا کروں گا تو شکوہ بھی تم ہی کرو گی نا!'' وہ سرگوشی کرتا ہوا مسکرایا' انداز شرارت بھرا تھا۔ ''تمہیں کسی نے نہیں بتایا کہ شوہر کا دل جیتنا کتنا ضروری ہوتا ہے' احمق ہو تم! ایک دم کوری' تمہیں کسی نے نہیں بتایا اور تم خود بھی نہیں جانتیں کہ شوہر کو پلو سے کس طرح باندھا جاتا ہے۔ یہاں میں اپنا آپ خود تمہارے پلو میں باندھتا ہوں تو تم احمق بن کر پلو کھولنے کے جتن کرنے لگتی ہو' کوئی تدبیر کارگر کیسے ہو؟'' وہ بہت مدہم سرگوشی میں بول رہا تھا۔ اس کا چہرہ جیسے جلنے لگا تھا۔ اس نے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے نکالنے کی سعی کی تھی مگر اس کی گرفت بہت مضبوط تھی۔ ''ویسے تمہیں جہاں بہت سی باتیں الجھن میں مبتلا کر رہی ہیں' وہاں شاید ایک بات کچھ طمانیت بھی دے کہ اس سارے ہلچل والے معرکے کے بعد ایک مرحلہ سکون کا بھی ہے' جس میں ہم یہاں سے دور چلے جائیں گے' ان سب سے۔ پُرفضا مقام پر۔ تمہیں ہنی مون کے لیے کوئی جگہ پسند ہو تو بتا دو' ورنہ میں نے طے کر لیا تو پھر شکوہ مت کرنا۔'' وہ شرارت سے مسکرایا۔

وہ اس کی جانب نہیں دیکھ رہی تھی مگر اس کا چہرہ سرخ تھا۔ عارض دہک رہے تھے۔ اس کی جھکی پلکوں پر کوئی خوش کن کہانی رقم نہیں تھی مگر وہ نگاہ اٹھی تھی تو وہ ایک پل میں زیر ہوا تھا۔ سارا کچھ دھرا رہ گیا تھا۔ ایک نگاہ نے جیسے سب زیروزبر کر دیا تھا۔ بہت آہستگی سے اس کے ہاتھ پر معارج تغلق کی گرفت ڈھیلی ہوئی تو وہ اس سے اپنے ہاتھ چھڑا کر چند قدم دور ہوئی اور وہ پلٹ کر جیسے وہاں سے ہٹ جانے کو تھی۔ جب معارج تغلق نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پکارا تھا۔

''مسز تغلق!'' وہ رک گئی تھی مگر اس کی جانب دیکھنے سے مکمل گریز کیا۔

کیا تھا اس لمحے میں..... جو معارج تغلق نے پہلے محسوس نہیں کیا تھا' کیا تھا ان آنکھوں میں..... جو معارج تغلق نے پہلے نہیں دیکھا تھا یا نہیں جانا تھا.....!

''تم اپنی بات سن لو پھر مجھے کہیں لے کر جانا ہے۔'' کہہ کر وہ پلٹ گیا تھا۔ اناٹیا ملک نے اس لمحے جانے کیوں اسے جاتا ہوا تادیر دیکھا تھا۔ وہ لمبا چوڑا شخص اس لمحے کس رعب سے زمین پر قدم رکھتا لمبے لمبے ڈگ بھرتا اس سے دور نکل رہا تھا۔



''مجھے تقریبات میں جانے کا کوئی خاص تجربہ نہیں ہے اور میرے پاس اس مناسبت سے کوئی لباس بھی نہیں..... ایکسل نے بلایا تو ہے مگر مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ اب میں کیا کروں؟ جاؤں یا نہیں؟'' وہ لیپ ٹاپ سامنے رکھے پروجیکٹ پر کام کر رہی تھی جب پارسا چوہدری کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی۔

''مسئلہ کیا ہے؟'' اس نے تیزی سے کی بورڈ پر انگلیاں چلاتے ہوئے سر اٹھائے بنا پوچھا۔

''مسئلہ تو کوئی نہیں مگر ایک لمبا چوڑا خرچہ ہے یار! شادیوں پر یہ روزمرہ والے لباس تو پہنے نہیں جا سکتے اور فینسی قسم کے لباس میرے پاس ہیں نہیں۔ پھر لباس لے بھی لو تو ساتھ ساتھ کتنی اور چیزوں کی ضرورت پڑے گی۔ اونچی ایڑی والی سینڈل لینا پڑیں گی۔ میں نے تو کئی عرصے سے فلیٹ سینڈل کے علاوہ کچھ

پہنا ہی نہیں۔'' وہ پہلی بار پارسا چوہدری کے منہ سے عام لڑکیوں کی طرح ان سب چیزوں کے نام لیتے دیکھ رہی تھی' تبھی شاید مسکرائی تھی۔ ''تم مسکرا کیوں رہی ہو؟ تم سوچ رہی ہو میں اونچی ایڑی پہن کر چلنا ضرور بھول چکی ہوں گی' ہے نا!'' پارسا نے اسے شاکی نظروں سے دیکھا تھا۔

''نہیں' میں ایسا نہیں سوچ رہی۔ تم یقیناً اونچی ایڑی پہن کر چل سکو گی مگر تم جس طرح پریشان ہو رہی ہو میں اس پر مسکرا رہی ہوں۔ ہم شام میں چلیں گے' تم شاپنگ کر لینا۔'' اناہیتا بیگ نے کہا تھا۔

''میں شاپنگ کر لوں.....؟ اور تم.....! تم نہیں شاپنگ کرو گی؟'' پارسا نے اس کی پیشکش پر چونکتے ہوئے اسے جتایا۔

''نہیں.....!'' اس کا جواب رسانیت سے بھرپور تھا۔

''کیا؟'' پارسا چونکی۔ ''تم شادی میں شرکت نہیں کر رہیں؟''

''پتا نہیں! مجھے پروجیکٹ پر ابھی بہت سا کام کرنا ہے اور اگر جانا بھی پڑا تو میں چلی جاؤں گی۔ میرے لیے یہ سب اتنا مسئلہ نہیں ہے۔'' اس نے بے نیازی سے کہا۔

''تم شادی میں جینز ٹی شرٹ پہن کر شرکت کرو گی؟'' پارسا نے اسے گھورا تھا۔

''ہاں تو کیا حرج ہے؟'' وہ بے نیازی سے کہہ رہی تھی۔ ''مجھے نہیں لگتا کہ میں جا پاؤں گی لیکن اگر جانا اتنا ہی ضروری ہوا تو پھر یوں ہی چلی جاؤں گی' تم شام میں تیار رہنا' ہم شاپنگ کرنے چلیں گے۔'' اناہیتا بیگ نے کہا۔

''نہیں' مجھے بھی اس کی ضرورت نہیں۔ اگر جانا اتنا ہی ضروری ہوا تو میں بھی بڑے آرام سے اونچی ایڑی پہنے بنا شرکت کر سکتی ہوں۔ یوں بھی میں فلیٹ سینڈل میں خود کو زیادہ پُرسکون محسوس کرتی ہوں۔'' پارسا چوہدری مسکرائی۔ اناہیتا نے اسے نگاہ اٹھا کر دیکھا تھا اور وہ بھی مسکرا دی۔

''ایکسل نے اور کسے مدعو کیا ہے؟ میرا مطلب ہے' ہماری کلاس میں سے؟'' اناہیتا نے کہا تھا۔

''پتا نہیں! شاید سبھی کو!'' پارسا لاعلمی سے بولی۔

''اور یلماز کمال!'' اناہیتا بیگ بے ساختہ بولی تو پارسا چوہدری ساکت سی رہ گئی۔ اناہیتا کو اندازہ ہوا تھا' تبھی نگاہ اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔

''میں نے تو یونہی پوچھا تھا۔ اناہیتا کو اسے اس طرح پریشان ہوتا دیکھ کر اچھا نہیں لگا تھا اور یلماز کمال کے متعلق اس نے دانستہ نہیں پوچھا تھا۔

''یلماز کمال کو ہماری پوری کلاس میں کوئی پسند نہیں کرتا نا!'' پارسا چوہدری نے دریافت کیا۔ اناہیتا بیگ کے کی بورڈ کر چلتے ہاتھ رک گئے تھے۔

''ہاں مگر اس کی وجہ تم بھی جانتی ہو شاید.....!'' اناہیتا نے بغور اس کے چہرے کو دیکھا۔

''ہاں جانتی ہوں۔ تم نے ایک بار بتایا تھا اس کے کئی اسکینڈلز بنے۔ وہ سب سے بہت دور رہتا ہے شاید اسی لیے گھلتا ملتا نہیں۔'' پارسا جیسے خود کلامی کر رہی تھی۔

''لیکن تمہیں اس سے ڈر نہیں لگتا نا!'' اناہیتا بیگ نے پوچھا۔

’’مجھے کسی سے بھی ڈر نہیں لگتا۔‘‘ اس کا انداز عجیب بے حس تھا۔

’’ہم سب نے کئی بار اسے تمہارے ساتھ دیکھا ہے اور......!‘‘ اناہیتا بیگ نے بولتے بولتے اس کی جانب دیکھا تو پارسا چوہدری سر جھکائے بیٹھی تھی۔ ’’تم اس سے کل ملنے والی تھیں نا! کوئی پیغام ملنا تھا تمہیں اپنی فیملی کی طرف سے؟‘‘ اناہیتا بیگ نے پوچھا۔

’’ہاں......! مگر ہم نہیں ملے۔‘‘ پارسا چوہدری کا انداز ٹھہرا ہوا تھا۔

’’اوہ!‘‘ اناہیتا بیگ کوئی تاثر نہ دے پائی نا ہی وہ دینا چاہتی تھی۔ وہ اسے ایک پُرسکون ماحول دینا چاہتی تھی۔ جہاں وہ اپنے آپ کو بہت آرام دہ محسوس کرتی ایک ساتھ ایک ہی چھت تلے اور ایک گھر میں رہنے کا مطلب یہ نہیں تھا کہ وہ اس کی زندگی میں یا ذاتیات میں مداخلت کرتی۔

’’میں معذرت خواہ ہوں پارسا! میرا مقصد یہ موضوع چھیڑنا یا یلماز کمال کے بارے میں بات کرنے کا نہیں تھا۔ میں تمہاری ذاتیات یا زندگی میں مداخلت نہیں کرنا چاہتی۔‘‘ اناہیتا بیگ نے کہا۔

’’اناہیتا بیگ، تم میری دوست ہو۔ کوئی بات نہیں۔‘‘ پارسا نگاہ ملائے بنا بولی۔

’’پھر ہم شام میں شاپنگ کے لیے چل رہے ہیں نا! تیار رہنا۔‘‘ اناہیتا نے مسکراتے ہوئے موضوع بدل دیا۔

’’دیکھیں گے!‘‘ پارسا کہتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی اور پھر کمرے سے نکل گئی تھی۔ اناہیتا بیگ نے اپنی دوست کو خاموشی سے دیکھا تھا۔

❁......☆......❁

تم زیادہ جلدی میں تو نہیں ہو......؟‘‘ للی میک نے پوچھا۔ وہ گاڑی کی چابی اٹھاتا چونکا۔

’’کوئی کام ہے کیا؟‘‘ دامیان سوری نے پوچھا۔

’’ہاں اگر تم مجھے ڈراپ کر دیتے تو......!‘‘ للی میک نے کہا۔

’’تمہیں کہاں جانا ہے؟‘‘ دامیان سوری نے دریافت کیا۔

’’مجھے زائرہ ملک کی طرف جانا ہے۔ بہت دنوں سے وقت نہیں ملا۔ آج صبح ان کا فون آیا تھا۔ مجھے اچھا نہیں لگا جب انہوں نے پوچھا کہ میں کتنے دنوں سے ان کی طرف کیوں نہیں آئی شاید ان کو بھی مجھ سے کچھ اُنسیت ہو گئی ہے۔ ایک نامعلوم سا رشتہ جانے کیا اسرار رکھتا ہے شاید میں سمجھ نہیں پا رہی۔‘‘

’’للی! کبھی کبھی چیزوں کو ان کے حال پر چھوڑ دینا مناسب ہوتا ہے۔ رشتے اپنی ہیئت خود بنا لیتے ہیں، تمہیں سوچنے کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر تمہیں وہاں جانا اور ان سے ملنا اچھا لگتا ہے تو تمہیں وہاں جانا چاہیے۔‘‘ دامیان سوری نے کہا۔

’’میں نہیں جانتی مجھے ان سے ملنا خوشی دیتا ہے کہ نہیں...... مگر مجھے چیزیں حیرت میں مبتلا کرتی ہیں۔ میں رشتوں کی ہیئت سمجھ نہیں پاتی شاید رشتوں کو سمجھنا کچھ مشکل ہے۔‘‘ للی نے صاف گوئی سے کہا۔

’’ہو سکتا ہے!‘‘ دامیان سوری نے کہا پھر ہاتھ اس کی طرف بڑھایا، وہ چونکتے ہوئے دیکھنے لگی۔

’’تمہیں جانا نہیں ہے؟‘‘ وہ بولا تھا۔ للی نے سر اثبات میں ہلا دیا۔ ’’جلدی آ جاؤ۔ مجھے ایکسل کی طرف

بھی جانا ہے تمہیں چھوڑ کر اس کی طرف نکل جاؤں گا۔" اس کے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو اس نے تھاما تھا اور اٹھ کھڑی ہوئی۔

"تم اندر نہیں چلو گے؟"

"کہاں......؟ آنٹی سے ملنے؟" دامیان نے کہا۔

"ہاں!" للّی میک نے کہا۔

"تم چاہتی ہو میں تمہارے ساتھ ان کے گھر جاؤں اور ملوں؟" دامیان نے پوچھا۔

"تم نہیں چاہتے؟" للّی نے الٹا سوال داغ دیا۔

"میں نے ایسا سوچا نہیں تھا۔" دامیان سوری نے صاف گوئی سے کہا اور گاڑی کا دروازہ اس کے لیے کھولا تو للّی اگلی نشست پر بیٹھ گئی پھر اس نے گاڑی کا دروازہ بند کیا اور گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ گیا۔

"دامیان! ایک بات پوچھوں؟"

"ہاں پوچھو!" دامیان نے سرسری انداز میں کہا۔

"تمہیں مجھ سے محبت ہے؟" للّی میک نے کچھ بھی سوچے سمجھے بنا کہا۔ دامیان سوری کسی قدر حیرت سے اسے دیکھنے لگا تھا۔

"یہ کیسا سوال ہے؟"

"تمہیں پسند نہیں آیا؟" للّی نے آنکھوں پر سیاہ گلاسز چڑھا کر جیسے اپنے احساسات کو چھپایا تھا۔

"یہ میری پسند ناپسند کی بات نہیں ہے للّی! میں یہ پوچھ رہا ہوں کہ تم نے ایسا کیوں پوچھا؟"

"اور میں یہ پوچھ رہی ہوں کہ تمہارا جواب کیا ہے؟" للّی برجستگی سے بولی۔

"میرا جواب کیا ہونا چاہیے للّی؟" دامیان سوری کی آنکھیں بتا رہی تھیں کہ وہ الجھنوں میں گھر چکا ہے۔

"میں تمہارا جواب جانتی تو تم سے پوچھتی کیوں دامیان سوری؟" للّی کو شاید اس کے سوال سے اس کی بے وقوفی کا اندازہ ہوا تھا۔ دامیان سوری چپ سادھ گیا تھا۔ للّی کو اسے الجھا دیکھ کر کوئی حیرت نہیں ہوئی تھی۔ گاڑی میں خاموشی بہت بڑھ گئی تھی تبھی للّی میک نے پلیئر آن کر دیا۔

گونجا سا ہے کوئی اکتارا
گونجا سے ہے کوئی اکتارا
اور رے منوا تو بانورا ہے
تو ہی جانے تو کیا سوچتا ہے
تو ہی جانے تو کیا سوچا ہے بانورے
ایک روح کو چھوتی دھن اطراف میں پھیلی تھی۔
کیوں دکھائے سپنے تو سوتے جاگتے
جو برسیں سپنے بوند بوند

نینوں کو موند موند
جو برسیں سپنے بوند بوند
کیسے میں چلوں؟
دیکھ نہ سکوں
انجانے راستے......

للّی میک کی نگاہیں دامیان سوری کے چہرے کو کھوج رہی تھیں جیسے...... مگر وہ اس کی جانب دانستہ ایک نگاہ بھی نہیں ڈال رہا تھا۔

"للّی میک!" جانے کس لمحے دھیمی آواز اُبھری تھی۔

سُن رہی ہوں سدھ بدھ کھو کے
کوئی میں کہانی......
پوری کہانی ہے کیا کسے ہے پتا
رُت ہے جو پل کی یار ہے گی سدا
کسے ہے پتا......!

"للّی میک! تم میرے لیے بہت اہم ہو۔ میری زندگی میں تمہاری اہمیت ہے مگر......!" وہ اس کی جانب دیکھے بنا بولا۔ للّی میک پوری توجہ سے اسے دیکھتی ہوئی سُن رہی تھی۔ وہ نظریں جو دامیان سوری کو بغور دیکھ رہی تھیں جیسے کوئی درخواست تھی ان میں...... مگر دامیان سوری جیسے جاننا نہیں چاہتا تھا۔ "یہ محبت ہے یا نہیں...... میں نہیں جانتا۔" ایک بے پروا جملہ تھا اور للّی میک کی ساکت نظریں اس جملے میں کہیں گم ہو گئی تھیں۔ "یہ محبت نہیں ہے شاید......!" بے یقین...... اور للّی میک جیسے اس سے آگے کچھ سُن ہی نہیں سکی تھی۔

جو برسیں سپنے بوند بوند
نینوں کو موند موند
کیسے میں چلوں
دیکھ نہ سکوں
انجانے راستے......

للّی میک کی سماعتوں میں بس وہی لفظ گونج رہے تھے اس سے آگے کی کہانی اس کی سمجھ نہیں آتی تھی۔ نا ہی وہ سُن سکی تھی۔

"للّی میک! محبت کا تجربہ میں نے کبھی نہیں کیا۔ مجھے نہیں پتا محبت کیسی ہوتی ہے۔ میں ان احساسات سے یکسر بے خبر ہوں اور انجان بھی...... مجھے محبت کی کچھ خبر نہیں اور......" دامیان سوری جیسے اسے جواز دے رہا تھا مگر وہ صرف خاموشی سے اسے ساکت بیٹھی دیکھ رہی تھی۔

گونجا سا ہے کوئی اکتارا اکتارا

گونجا سا ہے کوئی اکتارا اکتارا
جو برسیں سپنے بوند بوند
نینوں کو موند موند
کیسے میں چلوں؟
دیکھ نہ سکوں
انجانے راستے.....

دامیان سوری اسے جیسے کسی طرح کی خوش فہمی یا خوش گمانی میں مبتلا رکھنا نہیں چاہتا تھا یا پھر وہ سچ کہہ رہا تھا کہ وہ محبت کے معنی جانتا ہی نہیں۔ وہ اس لمحے کچھ سخت دل بن رہا تھا یا محبت کی گلی سے اس کا گزر واقعی کبھی نہیں ہوا تھا۔ وہ سچ کہہ رہا تھا یا غلط...... کچھ بھی سہی! یہ کہانی اپنی جگہ مگر اس گھڑی اسے للّی میک کی آنکھوں کے تارے بہت بجھے بجھے لگے تھے۔

گونجا سا ہے کوئی اکتارا اکتارا
گونجا سا ہے کوئی اکتارا

ایک ضد تھی..... ایک تکرار.....! مگر للّی میک اس کے گاڑی روکنے پر خاموشی سے اُتر گئی تھی۔ نا اسے پلٹ کر دیکھا تھا نا اسے اندر آنے کے لیے کہا تھا۔ وہ خاموشی سے اسے اندر جاتا دیکھتا رہا تھا پھر چپ چاپ گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔

کیا وہ واقعی جانتا تھا وہ کیا کر رہا ہے اور کیوں کر رہا ہے؟

وہ شاید اس کے بارے میں سوچنا بھی نہیں چاہتا تھا۔

❁......☆......❁

ایشاع نے اسے آفس سے لیا اور پھر بیوٹی سیلون میں چھوڑ دیا تھا۔

''میں کارڈز دینے جا رہی ہوں اور سب کو یہ دعوت نامے آج ہی دینے ہیں۔ تم اندر جاؤ اور جو جو ضروری کام ہیں انہیں نمٹانے دو بھائی ورنہ بھائی مجھ سے بہت شکوہ کریں گے۔ مجھے کوئی معذرت نہیں سننی سو پلیز کچھ کہنا مت...... ابھی جا کر مایوں کی تقریب کی سجاوٹ بھی دیکھنا ہے کہ سب ٹھیک سے ہوا بھی ہے کہ نہیں......!'' ایشاع بہت مصروف لگ رہی تھی۔ وہ اسے آفس سے یہ بتا کر نہیں لائی تھی کہ اسے لینے کا مقصد کیا ہے۔ وہ اسے صرف یہ کہہ کر لائی تھی کہ اسے اس کے ساتھ کچھ کرنا ہے۔ وہ آفس میں بتا کر نہیں آئی تھی اور کٹی اہم امور نمٹانے تھے جس کی فکر اسے ہوئی تھی مگر معارج تغلق کی فیملی جیسے اپنی ہی من مانی کرنا جانتی تھی اور ''سننا'' جیسے سیکھا ہی نہیں تھا۔

''ایسے کیا دیکھ رہی ہو بھابی! اندر جاؤ! مقررہ وقت پر میں آ کر لے لوں گی' اس کی فکر مت کرنا۔ میں نے بیوٹی سیلون کی مالکہ سے بات کر لی تھی کہ انہیں کیا کیا کرنا ہے۔ سو پلیز انہیں چپ چاپ کرنے دینا اور کوئی بحث یا احتجاج مت کرنا۔'' وہ جیسے انایا ملک کی طبیعت سے واقف تھی کہ وہ واویلا کرے گی۔

''دلہن کے لیے یہ موقع خاص اور ضروری ہوتا ہے تو میں پوری کوشش کر رہی ہوں کہ تم بہت خوب صورت

دکھائی دو۔ جتنی کہ تمہیں لگنا چاہیے۔ میرے بھائی کو بس اپنے پلو میں باندھ لو یہی ہم سب چاہتے ہیں اور اس سب کے لیے تمہارا ان کے دل میں گھر کرنا ضروری ہے نا!'' ایشاع شرارت سے مسکرائی تھی۔

''اُف خدایا! یہ سب کس دنیا میں رہتے ہیں؟'' انایا ملک من ہی من میں بولی تھی اور پلٹ کر سیلون میں داخل ہو جانا زیادہ ضروری خیال کیا تھا۔ سارہ کو فون ملایا اور ساری ضروری ہدایت دیں اور پھر کہا تھا کہ اگر وہ جلدی فارغ ہو گئی تو واپس آفس آئے گی۔ مگر اس کا موقع اسے نہیں ملے گا' وہ نہیں جانتی تھی۔

جانے کتنے گھنٹے لگے تھے...... وہ صرف سوئیاں دیکھتی رہی تھی اور جب اسے فارغ کیا گیا تھا تو بتایا گیا تھا کہ کوئی باہر اس کا منتظر ہے۔ وہ جانتی تھی ایشاع اسے لینے پہنچ چکی ہے۔ تو وہ ایک سکون کی گہری سانس خارج کرتی باہر آئی مگر اپنے سامنے معارج تغلق کو دیکھ کر وہ اوب گئی تھی۔

''اوہ! ایک نئی مصیبت......'' وہ صرف سوچ سکی تھی' کہہ نہیں پائی تھی۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور کہتا وہ گاڑی کا دروازہ کھول کر بیٹھی تھی اور فوراً بولی تھی۔

''میں تھک گئی ہوں' گھر چلو۔'' عجیب حکم صادر کرتا لہجہ تھا۔ معارج تغلق نے اسے دیکھا اور مسکرا دیا۔

''میں ڈرائیور نہیں شوہر ہوں' کچھ تو نرمی سے بات کرو۔ تمہیں تو اپنی بات منوانے کا ڈھنگ بھی نہیں آتا۔'' معارج تغلق نے اسے جیسے اسلوب سمجھائے تھے مگر وہ سیکھنے پر مائل نہیں تھی جیسے۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہو...... گاڑی چلاؤ نا!'' وہ جیسے واقعی تھکی ہوئی تھی' کہہ کر گاڑی کی سیٹ کے ساتھ سر ٹکا دیا۔

''تمہارا چہرا بہت چمک رہا تھا' پارلر والوں کی محنت صاف دکھائی دی ہے۔ چہرے کی چمک دیکھ کر لگ رہا ہے کہ ان کا بل زیادہ نہیں اور کافی جائز ہے۔'' وہ اتنا اچھا حسِ مزاح کب سے رکھنے لگا تھا' وہ یہ نہیں جانتی تھی۔ بس ایک نگاہ اس کی طرف دیکھا اور پھر آنکھیں موند لی تھیں۔

''مجھے تمہیں جیولر کی طرف لے کر جانا تھا۔ ممی کا حکم تھا مگر لگتا ہے اور ارادہ ملتوی کرنا پڑے گا۔'' وہ اس کے آرام کا اتنا خیال کرتا تھا...... ! مگر وہ اس کے بارے میں زیادہ سوچنا نہیں چاہتی تھی' آنکھیں موند لی تھیں۔ معارج تغلق نے گاڑی آگے بڑھا دی تھی۔ یونہی آنکھیں موندے بیٹھی رہی تھی۔ معارج تغلق سے اب کوئی مزید ڈر نہیں تھا کہ اس نے جو کیا تھا اب اس سے زیادہ کیا کر سکتا تھا۔ وہ کوئی اعتبار تھا یا بے پروائی کہ وہ آنکھیں موندے تک تک بیٹھی رہی تھی جب تک معارج تغلق نے اسے مخاطب نہیں کیا۔

''مسز تغلق!'' وہ جیسے غنودگی میں جانے کو تھی جب اس کی آواز سماعتوں سے ٹکرائی تو اس نے آنکھوں کو کھولا' ونڈ اسکرین سے باہر کے منظر کو دیکھا۔ وہ اسے گھر کی بجائے سی ویو لے آیا تھا۔ سمندر چپ چاپ اور پُرسکون سا تھا۔ لہریں سسک سی ساحل سے ٹکرا رہی تھیں۔ ایسے وہ منظر بہت پُرسکون لگا تھا' تبھی شاید گاڑی کا دروازہ کھول کر باہر نکلی اور ساحل کی گیلی ریت پر چلنے لگی تھی۔ معارج تغلق گاڑی سے باہر آ گیا تھا اور ٹیک لگا کر اسے ساحل کی لہروں کے ساتھ چلتے ہوئے دیکھنے لگا تھا۔ وہ بہت مگن سی دکھائی دی تھی' اس کے اندر جیسے کوئی سکون سرایت کر رہا تھا' اس کے اٹھے قدموں میں ایک ٹھہراؤ تھا جو معارج تغلق کو بتا رہا تھا کہ وہ اچھا محسوس کر رہی ہے۔ اسے پُرسکون اور اچھا محسوس کرتا دیکھ کر وہ خوش ہوا تھا......

کیا وہ اس کی اتنی پروا کر رہا تھا..... یہی سوال اناثیا ملک کے اندر بھی شاید کہیں اٹھا تھا' شاید تبھی اس نے پلٹ کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ ڈوبتے سورج کی کرنیں بڑی بھلی معلوم ہو رہی تھیں اور اس روشنی کے رنگ جہاں آسمان پر جادو بکھیر رہے تھے' وہیں وہ جادو اس ماحول کو بھی اپنے ساتھ باندھ رہا تھا۔ اناثیا ملک کا چہرا بڑا اچھا معلوم ہو رہا تھا۔ کسی بھی میک اپ سے ماورا..... کسی بھی بناوٹ سے پاک' وہ کوئی ردعمل بھی دیتی تھی تو آئینہ سی لگتی تھی..... جو اس کے اندر تھا وہی اس کے چہرے پر تھا' شاید اس لڑکی کو اپنے احساسات چھپانے نہیں آتے تھے۔ اس لمحہ اسے اپنی جانب دیکھتا پا کر وہ جان سکتا تھا کہ اس کی آنکھوں میں کیا سوال تھے۔ وہ جیسے پوچھ رہی تھی کہ وہ کیسے جان پایا کہ اسے یہ مقام سکون دے سکتا ہے.....؟ وہ بہت دھیمے سے مسکرایا اور پھر قدم اس کی جانب بڑھا دیئے تھے۔ آہستہ قدموں سے چلتا ہوا اس کے پاس جا رکا اور پھر بہت آہستگی سے اس کا ہاتھ تھام لیا۔

''تم مجھے یاد کر رہی تھیں نا!'' معارج تغلق کی نظروں میں شرارت تھی۔ اس نے کوئی جواب نہیں دیا تھا' بس خاموشی سے اسے دیکھا تھا۔ معارج تغلق کے ساتھ قدم قدم گیلی ریت پر لہروں کے سنگ چلنے لگا۔

''آپ کو کیسے پتا چلا؟'' وہ یک دم بولی۔

''کیا..... یہی کہ تمہارا دل میرے ساتھ اس ساحل پر قدم قدم چلنے کو چاہ رہا ہے؟'' وہ مسکرایا۔

''اوں ہوں!'' وہ انکاری ہوئی۔

''اچھا! پھر تم نے پلٹ کر کیوں دیکھا؟'' وہ جاننے پر بضد ہو گیا۔ ''مجھے لگا تمہاری نظریں کہہ رہی ہیں کہ کیا تم میرے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چلو گے.....؟ تو میں نے آنے میں دیر نہیں کی۔'' وہ دلچسپی سے اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔ اسے زچ کرنے میں جیسے اسے لطف آتا تھا۔

''ایسا کچھ نہیں تھا۔'' وہ اس پر سے نظریں ہٹا کر ڈوبتے سورج کو دیکھنے لگی۔

''تو پھر.....؟'' معارج تغلق کا مزاج خاصا دوستانہ ہو رہا تھا۔ وہ سمجھ نہیں پائی تھی اس کا اصل کیا تھا اور کیا وہ یہ سب صرف اسے تنگ کرنے اور چڑانے کو کرتا تھا۔ ''میں اس مقام پر لانے کے متعلق پوچھ رہی تھی کہ آپ کو یہ خبر کیسے ہوئی کہ میں یہاں آ کر سکون محسوس کروں گی؟''

''تمہاری آنکھوں نے کہا تھا!'' معارج تغلق نے اس کے چہرے کو بغور دیکھا۔

''تم اپنی آنکھیں پڑھنے کیوں نہیں دیتیں.....! نظر کیوں چرا لیتی ہو؟ مجھ سے خوف زدہ ہو یا اپنے آپ سے؟'' جس طرح وہ اس کی سمت دیکھنے سے گریز کر رہی تھی' وہ محظوظ ہوا تھا۔

وہ لمبا چوڑا' مضبوط نظر آنے والا شخص جیسے اس کے ساتھ چلتا خود کو اس کا سب سے بڑا محافظ محسوس ہوا تھا۔ جیسے وہ اسے ہر طرف سے محفوظ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو مگر کیا اناثیا ملک کو اس کے ساتھ قدم بہ قدم چلنا اچھا لگ رہا تھا.....؟

''میں کسی بات سے خوف زدہ نہیں معارج تغلق! مجھے تم سے کبھی ڈر نہیں لگا۔ میرے نانا کہتے ہیں جب اپنے اندر خوف بہت بڑھ جاتے ہیں تب ہم جی نہیں پاتے۔ میں کسی خوف کے زیر اثر جینا نہیں چاہتی' تم میرا جتنا بگاڑ سکتے تھے' کر لیا۔ اب مزید کوئی پیش رفت مجھے اس سے زیادہ دیوار سے نہیں

لگا سکتی۔'' وہ مضبوط لہجے میں بولی تو وہ اس کے پُر اعتماد انداز سے ہمیشہ متاثر ہوتا تھا۔ اس لمحے بھی وہ اس کی سمت دیکھ کر مسکرا دیا۔ ایک بڑی لہر آئی تھی' اس سے پہلے کہ انائیا ملک کا توازن بگڑتا' معارج تغلق نے اسے مضبوطی سے تھام لیا۔ انائیا ملک اس اچانک اقدام پر ہکا بکا رہ گئی تھی۔

''تم اس طرف چلو' میرے اس طرف.....'' معارج تغلق نے اس کے سنبھل کر کھڑا ہونے پر رسانیت سے کہا۔ کیسا تحفظ دیتا انداز تھا۔

کیا اسے انائیا ملک کی اتنی پروا تھی؟

کیا وہ سچ میں اس کا محافظ بن رہا تھا؟

''میں جانتا ہوں تمہیں تیرنا نہیں آتا۔ میں اچھا تیراک ہوں۔ میں لہروں سے کھیلنا جانتا ہوں۔'' وہ ملائمت سے مسکرایا۔ انائیا ملک کی نظروں میں جیسے حیرت تھی۔ وہ سمجھ نہیں پائی تھی وہ کیوں ایسا کر رہا تھا کیا وہ اسے واقعی اتنے اچھے سے جانتا تھا.....!

''آپ تو شاید زندگیوں سے کھیلنا بھی جانتے ہیں معارج تغلق!'' وہ کہہ کر دوسری سمت دیکھنے لگی تھی۔ اس کا لہجہ کڑوا تھا۔ کسیلا اور تلخ..... مگر اس کی کڑواہٹ جیسے معارج تغلق کے مزاج پر اُلٹا اثر کر رہی تھی۔ وہ اتنا ہی خاموش طبع اور ٹھنڈے مزاج کا مالک تھا تبھی پُرسکون انداز میں اسے سنتا تھا۔

کیا وہ اپنا قصور جانتا تھا اور غلطی تسلیم کرتا تھا؟

''مجھے غوطہ خوری کا جنون ہے۔ کسی دن اس کی مشق کریں گے۔ تم خوف زدہ تو نہیں ہوگی نا! پانی کے اندر سمندر کی آخری سطح تک چلے جانے کا اپنا ایک لطف ہے۔ مجھے معلوم ہے تم اسے انجوائے کرو گی'' وہ پروگرام بناتا ہوا بولا۔ انائیا ملک نے کوئی عندیہ نہیں دیا تھا۔

''تمہیں گھروندے بنانے کا شوق کبھی نہیں رہا؟'' معارج تغلق نے پوچھا۔

''نہیں' مجھے مٹی اور ریت کے گھروندے اچھے نہیں لگتے۔ ریت پر بنیاد مضبوط نہیں ہوتی۔ اس لیے گھروندے دیرپا نہیں ہوتے۔ میں جب چھوٹی تھی تو اکثر چڑ جاتی تھی جب گھروندہ کسی بڑی لہر کے آجانے کے باعث بہہ جاتا تھا تب میری ساری توجہ گھروندہ بنانے سے ہٹ کر سیپیاں چننے میں اور چھوٹے چھوٹے کیکڑے پکڑنے میں صرف ہونے لگتی تھی۔'' وہ صاف گوئی سے بولی۔

''اور اگر وہ ریت کے گھروندے اتنے کمزور نہ ہوتے اور کوئی بڑی لہر انہیں آکر بہا کر نہ لے جاتی تو تمہیں گھروندے بنانا آج بھی اتنا ہی اچھا لگتا؟'' وہ اسے بہت موڈ میں لگی تھی چھوٹی چھوٹی باتیں بانٹتی سناتی۔ تبھی وہ دلچسپی ظاہر کرتا بولا۔

''شاید..... مگر میں حقیقت سے نظریں چرا نہیں سکتی نا! گھر ریت پر بنانا بے وقوفی تو ہے' کمزور بنیاد رکھنا اور پھر آس لگانا مایوسی میں مبتلا کر سکتا ہے نا!'' معارج تغلق کو وہ کسی خوف زدہ بچی سی لگی۔ شاید وہ آج بھی کہیں وہیں تھی..... اس چھوٹی سی عمر میں قید..... گھروندے بنانے کا شوق رکھتی مگر اسی خوف میں مبتلا کہ وہ گھر ٹوٹ نہ جائے۔

''اور اگر میں تمہیں ایک ایسا گھر بنا کر دکھاؤں جو ریت پر سمندر کے قریب بنا ہو مگر اس کی بنیادوں

میں کمزوری نہ ہو تو.....؟'' کیا وہ اسے کوئی خواب دکھانا چاہتا تھا یا اسے اس خوف سے باہر نکالنے کے لیے جتن کر رہا تھا یا پھر لفظوں سے کھیلنے کا ہنر.....!

''تمہیں لگتا ہے میری یہ عمر خواب دیکھنے والی ہے معارج تغلق!'' سورج کی سنہری کرنوں سے اس کا چہرہ سنہری ہو رہا تھا۔ وہ اس کے پختہ انداز فکر پر مسکرا دیا تھا۔

''تمہارا یہی تو مسئلہ ہے انائیا تغلق! کہ تم خواب بھی دیکھنا نہیں چاہتیں۔'' اس نے اس کی سوچ پر افسوس کیا۔

''میں خواب واقعی نہیں دیکھنا چاہتی۔ چاہوں بھی تو نہیں رہ سکتی خوابوں میں..... میں حقیقت پسند ہوں اور تمہارا مزاج کب سے خواب دکھانے والا ہو گیا..... تم تو خوابوں کو ملیا میٹ کرنے والے ہو نا! احساسات سے ماورا' جذبات سے بے پروا' بے حسی میں جیتے ہو۔ تمہیں گھر بنانے کی لگن کب سے ہونے لگی؟'' اس کا لہجہ تلخ تھا' مگر وہ مسکرا دیا۔

''ہاں مجھے لطف آتا ہے یہ سب کر کے تم تو مجھے بہت اچھے سے سمجھنے لگی ہو نا۔'' وہ مسکرا رہا تھا۔ وہ چلتے چلتے رک گئی تھی۔

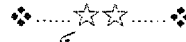
''معارج تغلق! بہت کھوکھلے ہو گئے ہو تم اس طرح مسکراتے جیسے اس مسکراہٹ کی حقیقت کچھ نہ ہو اور تم بہت کمزور آدمی ہو اندر سے۔ صرف اپنے باہر کے خول کے ٹوٹنے سے خوف زدہ کہ تمہارا بھرم نہ ٹوٹ جائے اور سب کو تمہاری اصلیت نہ پتا چل جائے کہ تم اصل میں کتنے کمزور انسان ہو۔'' وہ اپنا غصہ اس پر نکال رہی تھی۔ مگر وہ بہت سکون سے سن رہا تھا۔ اس کی پیشانی پر کوئی لکیر نہیں تھی۔ وہ اسے پُرسکون سمندر جیسا لگا تھا جو شانت سا بہتا ہے اور کئی طوفان اپنے اندر مدغم رکھتا ہے۔

تو کیا وہ اسے ضرب لگانا چاہتی تھی۔

معارج تغلق نے اس کی کلائی کو مضبوطی سے تھاما تھا۔ اس کے ہاتھ کی گرفت سخت تھی' اس نے اسے گھما کر اس کا رخ سورج کی سمت کر دیا۔

''اس طرف دیکھو تمہیں روشنی میں کوئی منظر دھندلا دکھائی نہیں دے گا نا کچھ غیر واضح تمہیں روشنی سے رخ موڑ کر نہیں روشنی کو دیکھ کر اس کی سمت سفر کرنے کی ضرورت ہے۔ مسز تغلق! اپنے اندر کی کمزوری پر نظر کرو کہ تم روشنی کا سامنا کرنے کی صلاحیت بھی نہیں رکھتی ہو۔'' اس کا انداز دھیما تھا۔ بے اختیار کلائی پر سے گرفت ڈھیلی کی تھی اور پھر کلائی چھوڑ کر چلتا ہوا گاڑی کی سمت بڑھنے لگا۔

انائیا ملک اسے خود سے دور جاتا دیکھتی رہی تھی۔



''کیا ہوا' کھانے میں مرچ تیز ہے کیا؟ تمہاری آنکھوں سے اس طرح پانی کیوں بہہ رہا ہے؟'' زائرہ ملک نے للّی میک کو دیکھا۔

''بچی کو پانی دو اور وہ فروٹ ٹرائفل آگے کرو۔'' نانا کو بھی فکر ہوئی۔ للّی میک جو سر جھکائے کھانا کھا رہی تھی۔ اسے اپنی آنکھوں سے بے ساختہ امڈ آنے والے آنسوؤں کی خود بھی خبر نہیں تھی۔ زائرہ ملک

کے احساس دلانے پر اس نے اپنے رخساروں پر ہاتھ پھیرا تھا اور ممی دیکھ کر چونکی تھی۔

"تم ٹھیک ہو؟" زائرہ ملک کو فکر ہوئی۔

"ہاں ہاں! میں ٹھیک ہوں۔ آپ نے کھانا بہت لذیذ بنایا ہے۔ نانا میں ابھی فروٹ ٹرائفل نہیں لوں گی۔ فی الحال کھانا کھاؤں گی مجھے اچھا لگ رہا ہے۔ فروٹ ٹرائفل بعد میں چکھوں گی۔" اس نے ٹشو سے آنکھوں کو رگڑا تھا اور مسکرادی۔

"زائرہ ملک! یہ بریانی مجھے بہت پسند آئی ہے۔ آپ مجھے بنانا سکھائیں گی؟" وہ کہہ کر پھر سے کھانے لگی۔

"ہاں سکھا دوں گی مگر تمہیں اتنی مرچ کی عادت نہیں ہے نا! میں نے احتیاطاً مرچ کم ڈالی تھی مگر......!" ممی نے پانی کا گلاس اس کی سمت بڑھایا۔

"کوئی بات نہیں' زائرہ ملک! آپ نے کھانا بہت اچھا بنایا ہے۔ مجھے مسالوں والے کھانے پسند ہیں۔ میری ممی کے ہاتھ کا ذائقہ آپ کے ہاتھ میں......!" اس نے برملا تسلیم کیا تھا۔

"تمہاری ممی مشرقی کھانے بنا سکتی تھیں کیا!" نانا چونکے تھے۔

"ہاں جہانگیر ملک کو بریانی اور دیگر مشرقی کھانے بہت پسند تھے۔ تو ممی نے سب سیکھ لیا تھا۔"

"بہت اچھے!" نانا متاثر ہوئے تھے۔

"تمہارا کیا خیال ہے؟ مستقبل میں کیا ارادے ہیں۔ شادی یہاں کرو گی اس ماحول میں یا......؟" ممی نے پوچھا۔ اس کا بریانی منہ میں لے جاتا ہاتھ رکا تھا۔

"میں نے اس بارے میں کچھ نہیں سوچا زائرہ ملک! یہ بہت بڑا فیصلہ ہے۔ میں اپنی ماں جیسی شادی نہیں چاہوں گی۔ مجھے ساری عمر ایک آدمی کے ساتھ ایک گھر میں اس کی بیوی بن کر رہنا ہے۔ تو بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔" اس نے بات بنائی۔

"ہاں یہ تو اہم ہے۔" نانا نے سراہا تھا۔

"شادی ایک پیچیدہ معاملہ ہے' اس میں احتیاط کی بہت ضرورت ہے۔ ممی نے بھی کہا تھا۔

"اوہ' شادی سے یاد آیا۔ انائیا کی نند آئی تھی۔ غالباً وہ شادی کو ایک بڑی تقریب بنانے جارہے ہیں۔ اسی کے سلسلے میں دعوت نامہ دینے آئی تھی۔ میں نے لے کر میز پر رکھ دیا تھا۔ تم دیکھ لو بیٹا۔" نانا نے یاد آنے پر کہا تھا۔ وہ اٹھی تھیں اور پھر کارڈ لینے بڑھ گئی۔ پلٹیں تو بغور کارڈ کو دیکھ رہی تھیں۔

"مجھے انائیا نے نہیں بتایا تھا کہ وہ تقریب کا کوئی ارادہ بنا رہے ہیں!؟"

"تو کیا ہوا؟ اگر وہ ایسا کر رہے ہیں تو اس میں عجیب کیا ہے؟ ملنے ملانے والوں کو شادی کے بارے میں آگاہ کرنا ضروری ہوگا تو انہوں نے تقریب کا انعقاد کر دیا۔" نانا نے سرسری انداز میں کہہ کر بات کو مکمل قرار دیا۔

"ہاں مگر یہ سب تو مایوں' مہندی' سنگیت بھی کچھ کر رہے ہیں۔" زائرہ ملک چونکی۔

"کیا عجیب ہے بیٹا! شادی اتنی افراتفری میں ہوئی تھی کہ اس کی نوبت نہیں آئی۔ اب اگر وہ تمام

غزل

آخر کتنا نا شکرا بن جاؤں میں
اس کی کس کس نعمت کو جھٹلاؤں میں
دن کو دنیا داروں جیسا روپ بھروں
رات آئے تو سجدے میں گر جاؤں میں
پھول اور پودے جاگ رہے ہیں میرے ساتھ
ان ہی کو اب دل کا حال سناؤں میں
مٹی' پانی' آگ' ہوا کی قید میں ہوں
شعر میں لیکن رنگ کئی دکھلاؤں میں
خواب سفر میں گھوموں چاند ستاروں پر
آنکھ کھلے تو خود کو زمیں پر پاؤں میں
بھیس بدل کر رات کو میرے ساتھ نکل
دنیا کیا ہے آ تجھ کو دکھلاؤں میں
ہر شب دل میں ایک یہی خواہش جاگ اٹھے
ماں کی گود میں سر رکھ کر سو جاؤں میں
روک رہے ہو زہر کا پیالا پینے سے
چاہتے کیا ہو تم جیسا بن جاؤں میں
موت کے ڈر سے سچ نہ کہوں تو کیا عارف
جھوٹ کہوں اور اندر سے مرجاؤں میں

(عارف شفیق)

تقریبات الگ الگ کر رہے ہیں۔ تو کیا حرج بہو کا خیر مقدم اتنے چاؤ سے کر رہی ہے تو کیا برا ہے؟" نانا نے کہا تھا۔ زائرہ ملک نے انائیا کا موبائل نمبر ملایا تھا۔ مگر اس کی بیٹری غالباً ختم تھی۔ بات ممکن نہیں ہوسکی تھی۔

"یہ لڑکی سدا کی بے پرواہ ہے۔ کبھی موبائل چارج نہیں کرتی۔" زائرہ ملک فکر بندی سے گویا ہوئیں۔

"اوہو' کیا پریشانی ہے؟ بیٹھو' کھانا کھاؤ۔ بات بعد میں کر لینا۔ شادی کی تیاریوں میں مصروف ہوگی۔" نانا نے انہیں مطمئن کیا تھا۔

"ہاں ابا! مگر اسے بات تو کرنا چاہیے۔ کل یہاں آنا تھا اور نہیں آئی۔ مجھے فکر ہوتی ہے اس کی۔" زائرہ ملک موبائل ایک طرف رکھ کر کرسی کھینچ کر بیٹھی تھیں۔

"فکر کرنے کی بات نہیں۔ وہ اب اس گھر کی بہو ہے۔ انہیں اس کا خیال رکھنا ہم سے بہتر آتا ہوگا۔" نانا بولے۔ زائرہ ملک بے دھیانی میں پلیٹ میں چمچ چلانے لگی تھیں۔

"آپ ٹھیک ہیں زائرہ ملک!" للی میک نے انہیں دیکھا تھا۔ وہ سارا قصہ چپ چاپ سن رہی تھی۔

زائرہ نے سراثبات میں ہلایا۔

''ہاں میں ٹھیک ہوں۔ بس انانیا کی کچھ فکر ہورہی ہے۔ ماں ہوں نا۔''

''ماں ایسی ہی ہوتی ہے۔ میں جانتی ہوں' میری ماں بھی ایسی ہی تھیں۔ مگر بچے بڑے ہوجائیں تو ماں کو ان پر اعتماد کرنا چاہیے۔ بچوں کا حوصلہ بھی بڑھتا ہے۔ کوئی بھی معاملہ ہو آپ انانیا ملک کو خود سے سنبھالنے دیں۔ آپ اس کے ساتھ ہمیشہ نہیں رہ سکتیں۔ اسے یہ سب خود سے کرنا آنا چاہیے۔'' للی میک بہت سمجھداری سے بولی۔

''ہاں بچی ٹھیک کہہ رہی ہے۔'' نانا متفق ہوئے تھے۔

''لیکن بچوں کو اچھا لگتا ہے جب ماں ان کی اتنی فکر کرتی ہے۔ للی میک کے اندر جس شے کی کمی تھی۔ اس کا اظہار بھی بھی اس کی باتوں سے ہوجاتا تھا۔ زائرہ ملک نے اسے بغور دیکھا تھا۔ پھر بازو اس کے گرد پھیلا کر اسے ساتھ لگا کر اس کی پیشانی پر پیار کیا۔

''میرے پاس اب دو بیٹیاں ہیں۔ ایک انانیا اور دوسری تم!'' للی میک نے ان کی سمت خاموشی سے دیکھا۔ پھر نانا کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''نانا! آپ مجھے وہ فروٹ ٹرائفل پکڑائیں گے؟''

نانا نے اسے فروٹ ٹرائفل تھمادیا تھا اور پھر اٹھ کھڑے ہوئے۔

''میں ذرا چہل قدمی کروں گا۔ بہت کھالیا۔'' نانا باہر کی طرف بڑھ گئے تھے۔

''تمہیں کوئی پریشانی ہے؟'' زائرہ ملک نے دریافت کیا۔

''نہیں!'' وہ بہت اعتماد سے ان کی طرف دیکھتی ہوئی بولی۔

''کیوں؟'' سوالیہ نظروں سے زائرہ ملک کو دیکھا تھا۔

''کچھ نہیں مجھے جانے کیوں لگا کہ تم کچھ پریشان ہو۔'' زائرہ ملک نے کہا۔

''آپ کو ایسا کیوں لگا؟'' للی چونکی۔ ''ویسے آپ نے یہ میٹھا بہت اچھا بنایا ہے۔ آپ کو کیسے پتا چلا کہ یہ میرا پسندیدہ ہے؟'' کیا وہ بات کو موضوع سے ہٹانا چاہ رہی تھی۔

''تم رو کیوں رہی تھیں؟'' للی میک کا ہاتھ رکا تھا اور وہ نگاہ چرا گئی تھی۔

''نہیں' میں نہیں رو رہی تھی۔'' وہ انکاری ہوئی۔

''ماں سے جھوٹ بولنا ممکن ہے؟'' زائرہ ملک نے کہا اور جانے کیا ہوا تھا کہ وہ ان کے شانے پر سر رکھنے پر مجبور ہوگئی تھی اور چپ چاپ اس کی آنکھوں سے پانی بہنے لگا تھا۔ زائرہ ملک نے کچھ نہیں کہا تھا۔ کوئی سوال نہیں پوچھا۔ کچھ دیر تک اسے موقع دیا تھا کہ وہ اپنے اندر کے اس غبار کو نکال دے اور یہ سودمند بھی ثابت ہوا تھا۔ للی میک کچھ دیر بعد ہاتھ کی پشت سے آنکھیں رگڑتی ہوئی ان سے الگ ہوگئی اور بولی۔

''آپ کے کھانے میں شاید آج کچھ خاص تھا' مجھے بہت اچھا لگا اور جب میں خوش ہوتی ہوں تو بلاوجہ آنکھوں سے پانی بہہ نکلتا ہے۔'' وہ جیسے اندر کی خجالت اور شرمندگی کو تو دھو رہی تھی۔ زائرہ ملک نے

کچھ نہیں کہا بس پیار سے اس کا شانہ تھپتھپایا تھا۔

''اب ٹھیک سے یہ فروٹ ٹرائفل کھاؤ۔ میں تمہارے لیے کافی بنا کر لاتی ہوں۔'' زائرہ ملک اٹھ کر کچن کی سمت بڑھ گئی تھیں مگر للی میک سے مزید نہیں کھایا گیا تھا۔ اس نے ہاتھ کھینچ لیا تھا۔ پھر پرس سے سیل فون نکال کر دیکھا تھا۔ شاید اسے خوش گمانی تھی کہ کوئی میسج یا مس کال ہوگی مگر ایسا کچھ نہیں تھا۔ للی میک نے سیل فون دوبارہ بیگ میں ڈال دیا تھا۔

❖......☆☆......❖

''میری سمجھ میں ایک بات نہیں آئی کہ تم جب اتنا کچھ کرچکے ہو تو میری فیملی سے روابط کیوں بڑھا رہے ہو کہ سارے پیغامات اب بھی تمہارے وسیلے سے مجھ تک پہنچ رہے ہیں۔'' پارسا چوہدری نے اسے شاکی نظروں سے دیکھا تھا۔

''اس بات کا جواب تمہیں مجھ سے نہیں خود اپنے آپ سے مانگنا چاہیے گلابو!'' وہ لاتعلق لہجے میں بولا۔

''مجھے خود سے کسی بات کا جواب مانگنے کی ضرورت محسوس نہیں ہوئی۔ یلماز کمال! تم آج بھی اتنے ہی بےحس اور خودغرض ہو اور یہ تمہاری سرشت میں ہے۔ تم کبھی بدل نہیں سکو گے۔'' پارسا چوہدری نے کہا۔

''اور تم مجھے بدلنے کے جتن کیوں کرنا چاہتی ہو؟ تم سے کوئی کام ڈھنگ کا نہیں ہوتا! مجھ سے دور نہیں رہ سکتیں تم؟'' وہ سپاٹ لہجے میں کہہ رہا تھا۔ اس کا چہرہ بےتاثر اور نظریں ہر احساس سے ماورا تھیں۔ جیسے وہ کوئی روبوٹ ہو۔ کوئی مشین۔

''تمہارے اتنے سارے اسکینڈلز کس طرح مشہور ہیں؟ تمہارے پاس تو کوئی احساس ہے نامروت! دل سینے میں دھڑکتا ہے اس کی بھی کیا گارنٹی ہے؟'' پارسا چوہدری نے طنز کیا۔

''میرے پاس دل واقعی نہیں ہے گلابو! اور اسکینڈلز میرے پیار محبت یا عشق کے نہیں بنے وہ کچھ اور نوعیت کے ہیں۔ میرے نزدیک اس بات کے لیے کوئی پابندی ہے نا شرم۔ میں نے جو کیا اپنی مرضی سے کیا اور اس کے لیے کوئی احساس جرم بھی نہیں۔ جو نام میرے ساتھ جوڑے گئے' ان پر بھی میں نے کبھی کوئی زبردستی نہیں کی۔ وہ اپنی پوری رضامندی سے میرے ساتھ ہوئیں۔ میری طرف سے بھی کوئی حدود یا شرائط نہیں رکھی گئیں۔'' وہ برملا کہہ رہا تھا۔

''تمہیں جاننے میں مجھے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔'' وہ چڑ کر بولی۔

''اچھی بات ہے۔ مجھ سے دس میل دور رہا کرو' اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔'' اسے جتا رہا۔

''مجھے تمہارے قریب آنے کا کوئی شوق نہیں ہے یلماز کمال! میں جانتی ہوں تمہارے نزدیک جذبات اور احساسات کی کوئی وقعت نہیں ہے۔''

''ٹھیک!'' اس نے سرتسلیم خم کیا۔

''تم میرے لیے کوئی پیغام لائے تھے؟'' وہ اصل موضوع پر آتی ہوئی بولی۔

''ہاں' چاچی نے تمہارا پوچھا ہے اور یہ تمہارے لیے بھیجا ہے۔'' اس نے ایک پیکٹ اس کی

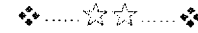
طرف بڑھایا۔

''یہ کیا ہے؟'' وہ چونکی۔

''مجھے کیا پتا......! اب چاچی سے ہر بات نہیں پوچھتا۔ انہوں نے فون کرکے بلایا تھا۔ میں چلا گیا۔ انہوں نے یہ پیکٹ تھمایا اور میں نے تھام لیا۔ انہوں نے ہمیشہ کی طرح کہا کہ کسی اور کو پتا نہ چلے کہ میں نے گلابو کے لیے یہ سب تجھے دیا ہے تو میں نے صیغۂ راز میں رکھنے کا وعدہ کرکے تھام لیا۔ اب اس سے زیادہ سوال جواب مجھ سے مت کرنا۔ تیرے لیے دیہات کا سفر کرتا ہوں۔ احسان ہے تجھ پر۔'' یلماز کمال نے جتایا۔

''اوہ' تو تم مجھ پر احسان کر رہے ہو؟ تو ٹھیک ہے آئندہ یہ احسان مت کرنا۔ مجھے تم جیسے بندے کا کوئی احسان بھی نہیں لینا۔ تمہارا جو کرایہ بنا ہو مجھ سے وصول کر لینا۔ چیک بنا کر دے دوں گی۔'' وہ پیکٹ تھام کر زہر خند لہجے میں کہتی ہوئی پلٹی تھی۔ جب اس نے ایک جھٹکے سے اس کی کلائی تھام کر اسے جھٹکا دیا تھا۔ اس کی کلائی پر اس کی گرفت انتہائی سخت تھی اور اس کی آنکھوں سے جیسے شعلے نکل رہے تھے۔

''آئندہ جو بولنا ہو' سوچ سمجھ کر بولنا۔ ورنہ اگلا اسکینڈل جو بنے گا وہ تیرے ساتھ بنے گا۔'' وہ انتہائی سخت لہجے میں کہہ کر اس کا ہاتھ چھوڑ کر تیز قدموں سے آگے بڑھ گیا۔ وہ اپنی کلائی پر اس کی سخت گرفت ابھی تک محسوس کر رہی تھی۔ انگلیوں کے نشان کلائی پر چھپ چکے تھے۔ پارسا کی آنکھیں پانیوں سے بھر گئی تھیں۔



ایشاع نیچے کسی کمرے میں تھی۔ جب ملازم نے آکر اطلاع دی تھی کہ ایشاع بھابی اسے بلا رہی ہیں۔ وہ اپنے کمرے سے نکل کر آئی تھی۔ وہ یہاں پچھلے کئی دنوں سے تھی' مگر گھر کے کئی گوشے اب بھی اس نے نہیں دیکھے تھے بلکہ بہت سے حصوں کی طرف وہ گئی بھی نہیں تھی۔ اسی لیے جب ملازم کہہ کر باہر نکل گیا تھا تو وہ کھڑی سوچتی رہی تھی کہ نیچے کس کمرے میں...... کس راہ داری کی طرف۔ وہ سوچتی ہوئی اس طرف آگئی تھی کہ کوئی ملازم ہوگا تو وہ اس سے مدد لے لے گی۔ مگر نگاہ دور تک دوڑانے پر بھی اسے کوئی ملازم دکھائی نہیں دیا تھا۔ وہ اپنی مدد آپ کے تحت راہ داری سے گزرتی ہوئی آگے بڑھی تھی۔ مگر راہ داری کے اختتام پر جا کر رک جانا پڑا تھا کیونکہ کمروں کا اختتام ہو چکا تھا۔ وہ سیل فون پر ایشاع کا نمبر ملا کر اس سے پوچھنا ہی چاہتی تھی کہ وہ کہاں ہے جب ایک کمرے نے اس کی توجہ اپنی طرف مبذول کروالی تھی۔ جانے کیا اسرار محسوس ہوا تھا کہ وہ آگے بڑھنے لگی تھی اور اس دروازے کے ہینڈل پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔ شاید وہ کمرہ مقفل نہیں تھا' دروازہ کھلتا چلا گیا تھا۔

گلابی رنگ کی کلر اسکیم اور قیمتی فرنیچر سے مزین وہ کمرا بہت نفاست سے سجایا گیا تھا۔ جس طرح کی آرائش و زیبائش تھی اس سے ظاہر تھا کہ یہ کمرا کسی لڑکی کا ہے تو کیا یہ ایشاع کا بیڈ روم تھا۔ جیسے وہ ہمیشہ سے استعمال کرتی رہی تھی اور اب جب کچھ دنوں کے لیے قیام کے لیے آئی تھی تو وہی کمرا استعمال کرنے کو ترجیح دی تھی......!

وہ چیزوں کے معیار اور انتخاب سے بہت متاثر ہوئی تھی۔ کسی نے اسے بہت دل سے سنوارا تھا اگر یہ ایشاع کے زیر استعمال تھا تو ایشاع کا ذوق کمال تھا۔ وہ ایک ایک شے سے متاثر ہو رہی تھی مگر ایشاع اسے کہیں دکھائی نہیں دی تھی۔

''ایشاع؟'' اس نے پکارا تھا۔ پھر وہ واش روم کے دروازے کے قریب آئی تھی' مگر اندر سے کوئی آواز بالکل نہیں آرہی تھی۔ ''ایشاع! وہ پکارتی ہوئی پلٹی تھی۔ تبھی نگاہ سائیڈ ٹیبل پر گئی تھی۔ ایک انتہائی دلکش پیکر کی تصویر وہاں سائیڈ ٹیبل پر رکھی ہوئی تھی۔ وہ ایشاع تو بالکل نہیں تھی۔ تو کیا وہ کسی غلط کمرے میں آگئی تھی۔ وہ چونکی تھی۔ اس کمرے کی آرائش و زیبائش اور صفائی سے کہیں نہیں لگتا تھا کہ وہ کمرا کسی کے استعمال میں نہیں۔ تو یہ کون تھی؟ یہ پری پیکر! یہ دل کش چہرے والی لڑکی' اس خاندان سے کیا تعلق رکھتی تھی؟ وہ آگے بڑھی تھی اور تصویر اٹھا کر بغور دیکھنے لگی تھی۔ بلاشبہ اس نے اس سے زیادہ حسین چہرہ اپنی ساری زندگی میں نہیں دیکھا تھا۔ وہ حسن اپنے اندر ایک عجیب دل کشی رکھتا تھا۔ وہ حیران تھی اس گھر کا کون سا کونا تھا یا وجود اس سے چھپایا گیا تھا اور جس کے متعلق اسے آگاہ نہیں کیا گیا تھا۔

''یہ کون تھی؟'' وہ اس تصویر کو بغور دیکھ رہی تھی۔ جب اپنے پیچھے اسے کھٹکا محسوس ہوا تھا۔ وہ یکدم پلٹی تھی۔ معارج تغلق اس کے پیچھے کھڑا تھا۔ اس کی نظروں سے بجلی کوند رہی تھی۔ اس کے چہرے کے تاثرات اس نے آج سے پہلے کبھی ایسے نہیں دیکھے تھے۔ اس کی آنکھوں سے صاف پتا لگ رہا تھا کہ وہ اس کی یہاں موجودگی سے خوش نہیں ہے۔

''تم یہاں کیسے آئیں؟'' وہ بہت سخت لہجے میں اس سے پوچھ رہا تھا۔ انائیا ملک نے ابھی کوئی جواب بھی نہیں دیا تھا۔ جب اس نے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے تصویر لے کر دوبارہ سائیڈ ٹیبل پر رکھی تھی اور اس کی کلائی کو سختی سے پکڑ کر اسے لے کر اس کمرے سے باہر نکلنے لگا تھا۔

وہ اس کی اس حرکت پر بے انتہا حیران تھی۔ ایسا کیا ہوا تھا؟ وہ یوں بدسلوکی کیوں کر رہا تھا؟

اسے باہر نکال کر اس نے کمرہ مقفل کیا تھا اور پلٹ کر رستم کی طرف دیکھا تھا۔

''اس کمرے کی ذمہ داری تمہیں سونپی گئی تھی نا!'' وہ قہر برساتی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔ انائیا ملک حیران تھی۔ نگاہ حیرت سے معارج تغلق کو دیکھ رہی تھی۔

(ان شاء اللہ باقی آئندہ ماہ)



پہنچی کہاں بہار

نزہت جبیں ضیاء

یہ سارے پھول یہ پتھر اسی سے ملتے ہیں
تو اے عزیز! ہم اکثر اسی سے ملتے ہیں
وہ ایک بار نہیں ہے' ہزار بار ہے وہ
سو ہم اسی سے بچھڑ کر اسی سے ملتے ہیں

''مالا! بیٹی چھت سے لحاف اُتار لاؤ شام ہو رہی ہے کہیں اوس شروع نہ ہوجائے۔'' دادو کی آواز پر مالا۔ ''اچھا دادو۔'' کہہ کر چھت پر جانے لگی۔ وہ لحاف لے کر پلٹی ہی تھی کہ برابر والی چھت پر کھڑی ماہین کو دیکھ کر اس کے قریب آ گئی۔ دونوں مل کر باتیں کرنے لگیں۔ کافی دیر بعد وہ لحاف لے کر نیچے اتری دادو کے ساتھ برآمدے میں کسی اجنبی شخص کو دیکھ کر ٹھٹک گئی۔ اجنبی کی پیٹھ اس کی جانب تھی۔

''آؤ بیٹی مالا! میراب آیا ہے!'' دادو نے کہا۔

''میراب......؟'' وہ زیرلب بڑبڑائی۔ دل دھڑکا' اس نے لحاف وہیں تخت پر ڈال دیے۔ میراب نے پلٹ کر اسے دیکھا۔

''السلام علیکم!'' مالا نے جلدی سے کہا۔

''وعلیکم السلام۔'' کہہ کر میراب آنکھیں پھیلائے اسے حیرت سے دیکھ رہا تھا۔

''یہ...... یہ...... مالا ہے؟'' لہجے میں حیرت تھی۔

''کیوں کوئی شک ہے کیا؟'' مالا نے قریب آ کر تلخی سے کہا۔ نہ چاہتے ہوئے بھی اس کا لہجہ تلخ ہوگیا تھا۔

''نہیں!'' اس بار وہ گڑبڑا گیا۔ کیونکہ آج کی مالا اور چند سال پہلے والی مالا میں بہت فرق نظر آ رہا تھا۔ تیل سے چپڑے لمبے بالوں کی جگہ جدید انداز کے ڈائی کیے بال اور جدید فیشن کے ٹراوزر اور شرٹ میں چنری اوڑھے بااعتماد اور پروقار سی مالا اس کے لیے قطعی نئی تھی۔ مالا نے ایک گہری نظر میراب کے حیران چہرے پر ڈالی گزشتہ سالوں میں اس کے اندر کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی تھی۔ اسے حیران چھوڑ کر مالا نپے تلے قدم اٹھاتی کچن کی طرف چل دی۔ کچھ دیر بعد مالا آئی تو ہاتھ میں گرم گرم بھاپ اڑاتی کافی اور چاکلیٹ کیک تھا۔

''یہ کیک گھر میں بنا ہے کھایئے گا ضرور اور ہاں کافی بھی میں نے بنائی ہے۔'' ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے ٹرے سامنے رکھ کر وہ منظر سے غائب ہوتے ہوئے میراب کو اچھی طرح نشانہ بنا کر گئی

تھی۔ کچھ دیر بعد میراب چلا گیا۔

مغرب کی اذان کے ساتھ ہی دادو وضو کرنے اٹھ گئیں اور وہ نماز پڑھنے چل دی نماز سے فارغ ہو کر الماری کھولے کپڑے سلیکٹ کر رہی تھی کہ دادو آ گئیں۔

"بیٹی! میراب کا آنا تجھے برا لگا کیا؟" سوال پر وہ چونک کر پلٹی۔

"ارے نہیں دادو کیسی بات کر رہی ہیں آپ' آپ کا نواسا ہے وہ۔ آپ کی مرحومہ بیٹی کا بیٹا۔"

دادو کے نڈھال وجود پر اسے ترس آ گیا تھا۔

"بیٹی مالا! وہ...... وہ شرمندہ ہو رہا تھا۔"

"پلیز دادو......!" اس نے آگے بڑھ کر دادو کو تھام لیا۔ "چھوڑیں بھی اب' آپ کچھ مت سوچیں' اللہ نے جو کیا بہتر کیا' میں...... میں تو خوش ہوں نا آپ کے ساتھ' اچھا آئیں یہاں بیٹھیں میرے پاس' دیکھیں نا میرا یہ دوپٹہ جو ماہین نے کاڑھ کر دیا ہے۔" اس نے دادو کی توجہ ہٹانے کی خاطر پنک کاٹن کا دھاگوں کے کام والا دوپٹہ ان کے سامنے پھیلا دیا اور کچھ دیر بعد ہی مالا نے انہیں ادھر ادھر کی باتوں میں لگا کر ان کا موڈ بالکل بحال کر دیا۔ بظاہر مطمئن اور ہنسنے والی مالا آج میراب کو دیکھ کر ایک بار پھر بکھر گئی تھی۔

ماضی کی تلخ یادیں پھر سے اسے ستانے لگی تھیں۔ رات کے کھانے کے بعد دواؤں کے اثر سے دادو تو جلد سو گئیں لیکن مالا...... مالا کی آنکھوں سے جیسے نیند روٹھ چکی تھی۔

○○☆☆○○

صدیقہ بیگم کے دو بچے وہاب اور انیلہ تھے۔ وہاب بڑا تھا اور انیلہ چھوٹی صدیقہ بیگم کے شوہر ایک بہت بڑے زمیندار تھے اس لیے ان کے انتقال کے بعد صدیقہ بیگم مالی لحاظ سے مستحکم رہیں۔ وہاب نے بھی پڑھائی مکمل کر لی تھی۔ ابھی وہ زمینوں وغیرہ کے بارے میں اتنا نہیں جانتا تھا پھر وہ لوگ شہر میں آباد تھے سارا انتظام منشی عنایت سنبھالتے۔ وہاب بھی کبھی گاؤں جا کر زمینوں وغیرہ کا حساب دیکھ لیتے۔ انیلہ ابھی میٹرک میں تھیں' صدیقہ بیگم بہو لانا چاہتی تھیں ایسے میں گاؤں جاتے جاتے وہاب نے وہاں کی ایک لڑکی پسند کر لی اور جب ماں سے اپنی پسند کے بارے میں بتایا تو صدیقہ بیگم نے صاف انکار کر دیا۔ وہاب نے طیش میں آ کر خود ہی شادی کر لی اور صدیقہ بیگم نے انہیں جائیداد سے بے دخل کر دیا۔ وہاب جو گاؤں گئے تو پھر لوٹ کر نہیں آئے اور صدیقہ بیگم نے بھی دل پر پتھر رکھ لیا۔ وہاب کی بیوی ایک ان پڑھ اور گاؤں کے ماحول میں پلی جاہل لیکن خوب صورت عورت تھی۔ نہ پہننے اوڑھنے کا سلیقہ تھا۔ نہ بات کرنے کا ڈھنگ۔

صدیقہ بیگم نے مناسب رشتہ دیکھ کر انیلہ بیگم کی شادی کر دی اور اس شرط پر کہ وہ گھر داماد رہیں گے۔ انیلہ کے شوہر احمد دوبئی میں جاب کرتے تھے۔ کئی ماہ و سال بیت گئے کبھی کبھار گاؤں سے وہاب کی کوئی خبر مل جاتی جسے سن کر صدیقہ بیگم سنی ان سنی کر دیتیں احمد چھٹیوں پر آتے کچھ ماہ رہ کر واپس چلے جاتے پھر احمد کو وہاں اچھا گھر وغیرہ مل گیا تو انہوں نے انیلہ کو بلوانے کا سوچا۔ انیلہ کا ایک بیٹا میراب تھا جو اب بیس بائیس سال کا ہو گیا تھا اور ایم بی اے کر رہا تھا۔ انیلہ اور احمد نے سوچا کہ میراب کو بھی یہیں بلوائیں گے ورنہ صدیقہ بیگم اکیلی رہ جاتیں یوں انیلہ دوبئی چلی گئیں اور میراب نانو کے پاس رہ گیا۔

پھر اچانک خبر آئی کہ وہاب کا انتقال ہو گیا ہے' اس کی بیوی کے انتقال کی خبر تو کئی سال پہلے آ چکی تھی لیکن بیٹے کی موت کی خبر اور پھر ایک جوان پوتی کی موجودگی کی خبر نے صدیقہ بیگم کے حواس چھین لیے اور وہ دھڑام سے گر پڑیں۔ میراب نے دوڑ کر نانوں کو سنبھالا ہوش میں آئیں تو ایک ہی رٹ تھی کہ "مجھے میری پوتی لا دو۔ ہائے میری معصوم پوتی' میرے بچے۔ تو نے ماں کو شکل تک نہ دکھائی۔" وہ دوبارہ بلک پڑیں۔ پھر منشی عنایت کی کوشش سے مالا اپنی دادو سے ملی۔ دونوں دادی پوتی دھواں دھار رو لی رہیں۔ مالا جو خود کو بے آسرا سمجھ رہی تھی اپنی دادو کی نرم آغوش میں آ کر اسے تحفظ کا احساس ہوا۔

میراب کسی کام سے گیا ہوا تھا' جب شام کو لوٹا تو برآمدے میں نانو کے ساتھ بیٹھی مالا کو دیکھ کر ٹھٹک گیا۔ پندرہ سولہ سال کی ذرا موٹی سانولی رنگت والی لڑکی تھی' جس کے بالوں میں تھوک کے حساب سے تیل چپڑا ہوا تھا اور تیل کی چکناہٹ سے چہرہ بھی متاثر تھا۔ لمبی لمبی چوٹیوں میں رنگ برنگا پراندہ ڈالے شاکنگ پنک اور اورنج بڑے بڑے پھولوں والے ڈھیلے ڈھالے اور بے تکے کپڑوں پر لمبی سی کالی چادر لپیٹے وہ عجیب بے وقوف لڑکی نظر آ رہی تھی۔

"آؤ آؤ میراب یہ مالا ہے۔ وہاب کی بچی۔" صدیقہ بیگم کی آواز بھرا گئی۔ مالا نے پلٹ کر اسے دیکھا۔ اونچا لمبا' سانولی رنگت' گھنے بالوں والا وہ نوجوان اسے اچھا لگا تھا۔

"السلام علیکم!" مالا نے سلام کیا۔

"وعلیکم السلام!" کہہ کر میراب تیزی سے اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ مالا کو دیکھ کر میراب کو عجیب سی گھن آ رہی تھی۔ واقعی اسے دیکھ کر لگتا تھا کہ وہ گاؤں سے آئی ہے۔

مالا کے آ جانے سے صدیقہ بیگم بہت مطمئن ہو گئی تھیں کہ اب میراب دوبئی جائے گا تو مالا تو ساتھ رہے گی۔ میراب کو مالا کے وجود سے ہی وحشت ہوتی' وہ اپنے کام سے کام رکھتا اور کوشش کرتا کہ مالا سے سامنا ہی نہ ہو' لیکن گھر کے سارے کام مالا نے سنبھال لیے تھے۔ وہ میراب کے چھوٹے چھوٹے کام بھی کر دیا کرتی۔

ایک دن شام کو میراب اتفاق سے گھر پر تھا۔ مالا دادو کے ساتھ بیٹھی دوپٹے پر کڑھائی کر رہی تھی' دادو سبزی بنا رہی تھیں' میراب کچھ فاصلے پر بیٹھا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔ پڑھتے پڑھتے اس نے ایک اچٹتی سی نگاہ مالا پر ڈالی' شاید آج نہا کر بیٹھی تھی تب ہی لمبے لمبے بالوں میں تیل چپڑا ہوا نہیں تھا۔ میراب نے اسے آج تک کچھ پڑھتے نہ دیکھا تھا نہ چاہتے ہوئے بھی میراب اس سے پوچھ بیٹھا۔

"مالا! کیا تم کبھی اسکول نہیں گئیں؟"

"ہاں جی' میں نے گاؤں کے سرکاری اسکول سے دس جماعتیں پڑھی ہیں' پھر ابا نے کہا کہ بس اب کون سی ماسٹرنی کی نوکری کرنی ہے' اس لیے بس آگے نہیں پڑھا۔" اس نے جلدی سے کہا۔

"تمہیں شوق بھی نہیں ہے پڑھنے کا؟" دوبارہ پوچھا۔

"نہ جی نہ' اتنا سارا تو پڑھ لیا' لکھ پڑھ سکتی ہوں۔ خط بھی لکھ سکتی ہوں۔ اب کیا ضرورت ہے؟" لہجے میں فخر کے ساتھ ساتھ پڑھائی سے قطعی بیزاری بھی تھی۔

"واقعی اتنا سارا پڑھ لیا ہے۔ پی ایچ ڈی کر لی ہے سرسوں کے تیل پر۔" طنز سے بڑبڑاتا ہوا وہ اپنی

کتابیں سنبھال کر اٹھ کر اندر چلا گیا اور مالا حیرت سے اس کی پشت دیکھتی رہی۔ کتنا اچھا لگتا تھا اسے میراب بالکل فلموں کے ہیرو جیسا، لیکن اس کی جانب وہ دیکھتا بھی نہیں تھا۔

پھر جب مالا کو دادو کی زبانی معلوم ہوا کہ میراب دوبئی جا رہا ہے تو مالا کے اندر جیسے کچھ کھلبلی سی ہوئی۔ عجیب سی اداسی نے اسے گھیر لیا۔ اتنی دور جا رہا تھا وہ۔ اپنے اس جذبے پر خود ہی حیران ہو رہی تھی۔ یہ کیا تھا؟ شاید وہ میراب کو چاہنے لگی تھی۔ معصوم سی مالا کا معصوم سا دل اس کی چاہ کر بیٹھا تھا جو ہر لحاظ سے اس سے کوسوں دور تھا۔ اس کا دل جب بہت پریشان کرنے لگا تو وہ دادو کے پاس آ گئی جہاں آ کر اسے سکون ملتا تھا۔

دادو بھی اس کا بہت خیال رکھتیں۔ بچوں کی طرح اس سے ایک ایک بات پوچھتیں، مالا دادو کے ساتھ مطمئن تھی ایک بے کلی تھی تو میراب کے رویے سے۔

''بچی تو یہاں آ کر خوش تو ہے نا؟ تجھے کسی چیز کی ضرورت تو نہیں، اگر کچھ چاہیے تو کہہ دے۔'' ایک روز دادو نے پیر دباتی مالا سے پوچھا۔ تب اس کا دل چاہا تمام تر حیا بالائے طاق رکھ کر کہہ دے۔

''دادو! میراب مجھے دے دو۔''

''مالا کیا سوچ رہی ہے بچی؟'' دادو کی آواز پر وہ چونکی۔

''دادو! آپ نے مجھے بہت پیار، ہر چیز تو دے رکھی ہے مجھے کچھ نہیں چاہیے۔'' آنکھوں میں آئی نمی کو چھپا کر وہ دادو کی بانہوں میں سما کر دھیرے سے بولی اور دادو نے مسکرا کر اسے سینے سے لگا لیا۔

میراب کے جانے کے دن بالکل قریب آ گئے تھے۔ مالا کا دل چاہتا تھا کہ وہ میراب سے بہت سی باتیں کرے اس کے ماضی کے بارے میں معلوم کرے، اپنا ماضی اسے بتائے اور آنے والے دنوں کی بھی اچھی اچھی باتیں لیکن...... وہ...... وہ تو بالکل بھی گھاس نہ ڈالتا بلکہ اب تو اس کی مصروفیت اور زیادہ بڑھ گئی تھی۔

مالا کی دوستی تو آس پاس کی لڑکیوں سے ہو گئی تھی۔ اس لیے وہ اکثر ان کے ساتھ بازار چلی جاتی، گرمیوں کی آمد تھی اس لیے دادو نے اسے گرمیوں کے کپڑے لانے کے لیے کہا تو وہ اس روز ماہین کے ساتھ بازار آ گئی۔ اپنے لیے اور دادو کے لیے بھی دو سوٹ لے آئی۔ شاپر سنبھالے وہ خوشی خوشی گھر میں داخل ہوئی خلاف معمول دادو بر آمدے کے بجائے اپنے کمرے میں تھیں۔ وہ آہستہ آہستہ چلتی ہوئی آگے بڑھی اور اندر سے آتی آوازوں نے اس کے قدم روک لیے۔ اندر میراب بھی تھا۔

''میراب بیٹا، انیلہ نے فیصلہ تم پر چھوڑا ہے اور میں چاہتی ہوں کہ تمہارے جانے سے پہلے تمہارا اور مالا کا نکاح کر دوں۔ مالا گھر کی بچی ہے، سلیقہ مند اور سگھڑ ہے یقیناً اچھی بیوی ثابت ہوگی اور پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ مجھے تسلی رہے گی۔''

''اوہ تو نانو یہ...... کیا کہہ رہی ہیں آپ۔'' میراب کی آواز قدرے تیز تھی۔ ''وہ...... وہ بے وقوف اور گاؤں کی لڑکی، جسے نہ پہننے کا ہوش ہے نا بات کرنے کا سلیقہ۔ جو پاؤ بھر تیل سر میں بھر کر ہر وقت تھیلوں میں ملبوس دوشالہ لپیٹے رہتی ہے، نہ لباس کا خیال ہوتا ہے نہ ہی فیشن اور دنیا کے بارے میں خبر۔ میں ایم بی اے ایسی لڑکی کے ساتھ۔ اوہ گاڈ...... آپ لوگوں نے ایسا سوچا بھی کیسے؟ اسے تو نہ کالی بنانی آتی ہے نہ ہی اچھی کوکنگ

بیکنگ، نانو آئی ایم سوری لیکن میں...... میں آپ کی یہ خواہش پوری نہیں کر سکتا۔''

اتنی تذلیل، اف خدایا......! مالا کو لگا جیسے پگھلا ہوا سیسہ کانوں میں انڈیل دیا گیا ہو۔ وہ الٹے پیر پلٹی اور دوسرے کمرے میں چلی گئی اتنی تضحیک اور تذلیل پر اس کی آنکھیں برسنے لگیں۔ اسے لگا جیسے اس کے سارے وجود میں آگ سی لگ گئی ہو۔ اس کا روم روم جلنے لگا تھا۔ شدت غم اور شرمندگی سے وہ بکھر رہی تھی، لیکن اسے خود پر قابو پانے میں کمال حاصل تھا۔ اگلے چند لمحوں میں وہ سنبھل کر بظاہر ہنستی مسکراتی شاپر سنبھالے دادو کے کمرے میں تھی اور وہ دشمن جاں ایک نگاہ اس پر ڈال کر کمرے سے نکل چکا تھا۔

پھر میراب چلا گیا اور جاتے جاتے مالا کی سوچوں کو نیا رنگ دے گیا۔ اس کی سوچوں میں واضح تبدیلی آ گئی تھی، شاید اسے اپنی کم وقعتی کا احساس ہو گیا تھا۔

''دادو! میں نے سوچا ہے کہ پڑھائی دوبارہ شروع کر دوں۔'' مالا کی بات پر دادو نے چونک کر اسے دیکھا۔ ''ہاں دادو، میرے خیال میں اس دور میں پڑھائی بہت ضروری ہے، پڑھائی کے بغیر انسان تو کسی قابل نہیں رہتا۔ نہ ہی زمانے کے بارے میں سمجھ سکتا ہے۔ نہ ہی اس میں عقل اور رکھ رکھاؤ آ سکتا ہے۔'' اس کے لرزتے لہجے پر دادو نے گہری نظروں سے اسے دیکھا۔

یہ...... یہ...... لڑکی اتنی گہری بات، یقیناً میراب کی بات پر۔

''مالا...... تو...... تو......!''

''ہاں، دادو میں پڑھوں گی بہت زیادہ، میں...... میں خود کو بدل دوں گی دادو۔ میں جاہل اور گنوار نہیں رہوں گی دادو۔'' دفعتاً وہ ہذیانی انداز میں کہتی ہوئی دادو سے لپٹ کر بری طرح رونے لگی۔ آج بھی میراب کا ایک ایک لفظ نشتر بن کر اس کے وجود کو زخمی کر رہا تھا دادو بھی مالا کے غم میں اس کے ساتھ رو دیں۔

اب تو جیسے مالا کی دنیا بدل رہی تھی۔ اس نے دوسرے دن سے ہی ماہین کے ساتھ مل کر ایڈمیشن کے لیے بھاگ دوڑ شروع کر دی ماہین سے کورس لیا اور دن رات مصروف رہتی اس نے پڑھائی کے ساتھ ساتھ بیکنگ کلاسز بھی لینا شروع کر دیں، ساتھ ساتھ جدید تراش خراش کے لباس کی کلاسز بھی ہفتے میں ایک بار لینے لگی۔ زندگی کو مصروف کر کے وہ کچھ سوچنا نہیں چاہتی تھی۔

میراب کا کبھی کبھار فون آ جاتا وہ آواز پہچان کر دادو کو تھما دیتی۔ حالانکہ انیلہ سے وہ بات کرتی، میراب نے وہاں ایک کمپنی جوائن کر لی تھی جس کا رابطہ کراچی سے بھی تھا لیکن وہ کافی عرصہ نہیں آیا ماہ و سال گزرتے رہے۔

اس عرصے میں مالا نے امتیازی نمبروں سے گریجویشن کیا اور ساتھ ہی ایم اے کی تیاری کرنے لگی ایسا لگتا تھا کہ وہ پڑھائی کے معاملے میں جنونی ہو گئی ہے۔ اس عرصے میں اس کے لیے بہت سے رشتے بھی آئے لیکن اس نے دادو سے صاف کہہ دیا کہ ابھی وہ صرف پڑھنا چاہتی ہے۔ دادو بے چاری خاموش ہو گئیں۔ اُدھر میراب کی شادی کی اطلاع بھی ملی نہ جانے کیوں نہ چاہتے ہوئے بھی مالا تکیے میں منہ دیے بے آواز سسک پڑی۔ لگتا تھا اتنے عرصے کے بعد آج بھی وہ دشمن جاں دل کے کسی کونے میں دھرنا دیے بیٹھا تھا۔

کچھ عرصے بعد میراب کے آنے کی خبر ملی، وہ

پاکستان آنے والا تھا۔ کمپنی کے کسی کام کے سلسلے میں رہنا تو اسے ہوٹل میں تھا' البتہ صدیقہ بیگم سے ملنے وہ آ گیا اور...... اور...... آج مالا کو دیکھ کر ہکا بکا رہ گیا۔ یہ وہ...... وہ مالا تو نہ تھی۔ جسے وہ کچھ سال پہلے ریجکٹ کر کے گیا تھا۔ اُس مالا اور اِس مالا میں زمین آسمان کا فرق تھا اور میراب ایک ہفتے بعد لوٹ گیا۔ وہ نانو کے لیے اور مالا کے لیے کپڑے لایا تھا۔

کچھ عرصہ گزرا' پھر ایک دن میراب کا فون آیا' وہ بہت رو رہا تھا۔ تڑپ رہا تھا کہ انیلہ اور احمد دونوں ہی ایک حادثے میں فوت ہو گئے ہیں۔ ادھر نانو بھی بلک پڑیں یوں دونوں بچوں نے ساتھ چھوڑ دیا تھا۔ ایسے میں مالا نے بہت ہمت اور صبر سے دادو کو سنبھالا۔

''بیٹا میراب...... اب تو پاکستان آجا اپنی بیوی کو لے کر وہاں رہ کر اور پریشان ہوگا۔'' نانو کی بات پر اس نے کہا۔

''ہاں نانو' میں خود بھی آنا چاہ رہا تھا لیکن' لیکن نانو میں نے وہاں پر فلیٹ خرید لیا ہے اور میں وہاں رہوں گا۔'' اس کی بات پر نانو سرد آہ بھر کر رہ گئیں۔

میراب آ گیا اس کے ساتھ ڈیڑھ دو سال کی پیاری سی بیٹی بھی تھی۔

''ہائے میرے بچے۔'' نانو اس سے لپٹ کر دھواں دھار رونے لگیں تو اسے کو دیکھتے ہی بیٹی داماد کی یاد آ گئی تھی۔ اس طرح روتا دیکھ کر ننھی منی بچی گھبرا کر رونے لگی' مالا نے آگے بڑھ کر بچی کو گود میں لے لیا۔ بچے تو ویسے بھی اس کی کمزوری تھے۔ بچی فوراً چپ ہو گئی۔

''میراب بیٹا تیری بیوی؟'' کچھ دیر بعد سنبھل کر نانو نے میراب سے پوچھا۔

''نانو...... میں نے اسے طلاق دے دی ہے۔'' میراب نے شکستہ لہجے میں کہا۔

''کیا......؟'' نانو نے سینے پر ہاتھ مارا۔ ''مگر کیوں بچے؟'' نانو کی بات پر مالا نے چونک کر میراب کے دکھی چہرے پر نظر ڈالی۔

''بس نانو شاید وہ اس قابل نہ تھی' وہ ایک بدتمیز اور ماڈرن لڑکی تھی۔ اسے گھربار یا بچے سے کوئی لگاؤ نہ تھا۔ اس نے خود ہی طلاق مانگی اور ننھی روما کو بھی چھوڑ کر چلی گئی۔'' میراب کے لہجے میں دکھ بول رہے تھے۔ کتنا بکھرا ہوا اور نڈھال سا لگ رہا تھا وہ پے در پے حادثات نے گویا اسے توڑ کر رکھ دیا تھا حالات اور پھر ننھی بچی کا ساتھ' وہ پریشان تھا۔

مالا سے اب نظریں ملاتے بھی اسے شرمندگی ہو رہی تھی۔

صدیقہ بیگم کے لاکھ کہنے پر بھی میراب کبھی یہاں پر رکتا نہیں تھا۔ آتا کچھ گھنٹے بعد چلا جاتا اس طرح عرصے میں مالا روما کے ساتھ کھیلتی رہی میراب اور صدیقہ بیگم باتیں کرتے رہتے۔ میراب نے پاکستان میں ایک فلیٹ خرید لیا تھا اور ایک گورنس رکھ لی تھی۔

اس روز بھی میراب آیا ہوا تھا۔ میراب اور دادو کمرے میں بیٹھ کر باتیں کر رہے تھے۔ مالا کچن میں مصروف تھی۔

''میراب بچے! تو کب تک اس طرح رہے گا' گھر میں بچی ہے سو مشکلات ہوتی ہیں' کم از کم تو کوئی ڈھنگ کی لڑکی دیکھ کر نکاح کر لے' گو کہ تو نے مالا کے ساتھ بہت زیادتی کی ہے' لیکن میرا دل کرتا ہے کہ مالا سے بات کر کے مالا اور تیرا......''

''خدا کے لیے نانو......! اب ایسا مت کریں' میرے ہاتھوں اتنی تذلیل کے بعد میں خود کو اس قابل نہیں سمجھتا اور نانو پھر...... جس لڑکی کو میں نے بری طرح دھتکارا۔ وہ ایسا کیسے کر سکتی ہے؟ ہرگز نہیں نانو' اس وقت میں خود غرضی کی انتہا پر تھا اور آج میں' اپنی مجبوری اور ضرورت کی بھینٹ اسے چڑھا دوں' نانو کوئی بھی لڑکی اتنی تضحیک کے بعد مجھ جیسے شخص کی شکل نہ دیکھے' وہ تو پھر بھی مجھ سے بات کر لیتی ہے۔ اب مجھ سے رشتہ جوڑے ناممکن ہے نانو اور یہ بات میں دعوے سے کہہ سکتا ہوں۔'' میراب کے لہجے میں دکھ' شرمندگی اور ندامت تھی۔

''لیکن میراب......! آپ کا یہ دعویٰ غلط بھی ہوسکتا ہے۔'' مالا کی آواز پر دادو کے ساتھ ساتھ میراب نے بھی چونک کر دروازے میں کھڑی مالا کو دیکھا۔

''ہاں میراب' میں نے بہت سوچا ہے۔ مجھے روما آج اس مقام پر نظر آتی ہے جس پر کل میں تھی' میراب میں جانتی ہوں بن ماں کی بیٹی کی زندگی کیسی ہوتی ہے۔ میں بہت چھوٹی تھی جب ماں کا انتقال ہوا۔ ابا نے اکیلے مجھے کس طرح سنبھالا' مجھے کوئی سمجھانے' بتانے اور سکھانے والا نہ تھا۔ جو ملا پہن لیا' جیسا ملا کھا لیا نہ صحیح غلط کا پتا تھا نہ ہی اچھے برے کا' پھر مجھے تو دادو نے سنبھال لیا لیکن روما کو کون سنبھالے گا۔ مجھے ایسے بچوں کی نفسیات سمجھ میں آ گئی ہے۔ میں نے بہت کڑا وقت گزارا ہے۔ خود کو بنانے میں' بہت دقت اور دشواریاں دیکھی ہیں اور...... اور...... میں...... میں روما کو دوسری مالا نہیں بننے دوں گی۔ میں...... میں روما کے لیے سب کچھ بھولنے کے لیے تیار ہوں۔''

''مالا! تم...... تم بہت عظیم ہو مجھے...... مجھے معاف کر دو مالا۔'' میراب کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کہے' جب کہ دادو فرطِ مسرت سے مالا کو دیکھ رہی تھیں۔

مالا کے لہجے میں اعتماد کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا۔ اسی اعتماد نے اسے حوصلہ بخشا تھا۔

''یا اللہ! تیرا لاکھ لاکھ شکر ہے آج' میرے بچوں کی روحوں کو قرار مل گیا ہوگا۔ اِدھر آؤ میرے بچوں۔'' صدیقہ بیگم نے روتے ہوئے کہا۔ میراب اور مالا ان کے پاس گئے تو انہوں نے دونوں کو سینے سے لگا کر آنسو بہا ڈالے۔

''میں...... میں شکرانے کے نفل پڑھنے جا رہی ہوں۔'' کچھ لمحے بعد وہ اٹھ کر نماز پڑھنے چل دیں۔

''بہت شکریہ مالا' آج...... آج تم نے مجھے اپنا مقروض بنا لیا ہے۔'' میراب نے مالا کے قریب آ کر پیار سے اس کے ہاتھ تھام کر جذب سے کہا۔

''نہیں میراب' یہ مت سمجھنا کہ یہ فیصلہ میں نے ترس کھا کر کیا ہے۔ بلکہ مجھے تو روما کا مستقبل عزیز ہے اور......!'' وہ کچھ لمحے کے لیے رکی، حیا اس کے چہرے پر نمایاں تھی۔

''اور...... اور کیا مالا......؟'' میراب کا لہجہ بے تاب تھا۔

''اور...... اور شاید میرے دل میں اس دشمنِ جاں کے لیے آج بھی سوفٹ کارنر تھا۔'' خوب صورت اعتراف پر میراب کے دل میں اُترتی چلی گئی۔ میراب نے آگے بڑھ کر مالا کو سینے سے لگا لیا اور میراب کے فراخ سینے سے لگ کر مدتوں سے مچلتے دل کو ڈھیروں سکون مل گیا۔



گھر ہونے تک

عائشہ خان

وہاں نہ پھول کھلتے ہیں، نہ ہی موسم بدلتے ہیں
وہاں تو کچھ نہیں ہوتا، جہاں پر تم نہیں ہوتے
یہاں ویسے تو ہر سوغات آسانی سے ملتی ہے
یہ میرا دل نہیں لگتا، جہاں پر تم نہیں ہوتے

"آپ کس سوچ میں کھو گئے ہیں شاہ جی!" فضا کی آواز انہیں حقیقت کی دنیا میں کھینچ لائی تھی۔

"بس یونہی..... سوچ رہا تھا آخر کب سے تم مجھے جانتی ہو؟" انہوں نے خاصی بے دلی سے کہا تھا۔

"شاید ازل سے....." اس کی بہت دھیمی سی آواز اور خواب آگیں لہجہ انہیں پھر اپنی طرف مائل کرنے لگا تھا۔

"تمہیں علم ہے، تمہاری آواز اور لہجہ دونوں بے حد خوب صورت ہیں؟" بے اختیار ہی وہ کہہ گئے تھے۔

"اللہ تعالیٰ کا شکر ہے شاہ جی! اگر آواز اور لہجہ بھی دلکش نہ ہوتا تو میں کیا کر لیتی لیکن پھر کوئی اور خوب صورتی ہوتی کیونکہ اللہ تعالیٰ ہر بندے کو کسی نہ کسی خوب صورتی سے ضرور نوازتا ہے۔ میرا خیال ہے اب آپ کو سونا چاہیے، زیادہ جاگنا آپ کی صحت کے لیے ٹھیک نہیں ہے۔" اپنی نرم انگلیاں دھیرے دھیرے ان کے بالوں میں پھیرتے ہوئے اس نے کہا۔

"نہیں، ابھی مجھے نیند نہیں آرہی۔" ان کا جھٹ سے کہنے کو دل چاہا تھا مگر بمشکل خود کو کہنے سے باز رکھا اور دل ہی دل میں خود کو ڈپٹتے ہوئے سونے کی کوشش کرنے لگے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ ان کے سر کو سہلاتی رہی تھی اور جانے کس پل انہیں نیند آگئی۔

پھر ان چند دنوں میں اس نے یوں انہیں چاہا تھا، اس قدر ٹوٹ کر محبت کی تھی کہ ان کی ساری زندگی کی تشنگی جیسے ختم ہوگئی تھی۔ کبھی کبھی وہ سوچتے تھے کہ بیماری اور تنہائی کے ان عذاب ناک دنوں میں اگر اس کا وجود نہ ہوتا تو وہ کیا کرتے..... وہ تھی تو جیسے نہ کوئی تکلیف تھی، نہ پریشانی، حتیٰ کہ یہ خیال اور خدشہ بھی کہ پتا نہیں پٹی کھلنے پر وہ دیکھ بھی سکیں گے یا نہیں، اس نے بھلا دیا تھا اور وہ اتنے یقین سے کہتی تھی۔

"آپ کی آنکھیں اللہ کے فضل سے بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں شاہ جی! آپ بالکل فکر نہ کریں۔"

"تم اتنے یقین سے کیسے کہہ سکتی ہو فضا!" ایک دن انہوں نے پوچھ لیا۔

"مجھے اپنے اللہ پر بے حد یقین ہے۔ اس نے آج تک میری کوئی دعا رد نہیں کی۔" بے حد مان سے کہا گیا یہ جملہ انہیں متاثر کر گیا۔

اس دن سارہ کا فون آیا تھا اور ہمیشہ کی طرح فضا

اٹھ کر باہر چلی گئی تھی۔ جب کافی دیر گزر گئی اور وہ نہیں آئی تو وہ بے حد بے چین ہوگئے تھے۔ اچھے خاصے تکلیف دہ انتظار کے بعد جب وہ آئی تو خاموش سی تھی۔

"فضا! کہاں رہ گئی تھیں؟ دو بار میں نے سسٹر ماریہ کو بھیجا تمہیں دیکھنے کے لیے......"

"اتنی دیر تو نہیں گزری شاہ جی!" اس کی بھاری اور بھیگی بھیگی سی آواز پر وہ بُری طرح چونکے۔

"فضا! تم روتی رہی ہو؟" ان کے دل کو جیسے کچھ ہوا تھا۔

"نہیں تو......"

"جھوٹ مت بولو فضا! بتاؤ کیوں روئی تھیں؟"

"یونہی دل بھر آیا تھا۔"

"یونہی تو کچھ نہیں ہوتا۔" آہستگی سے کہتے ہوئے انہوں نے اس کا ہاتھ تھام لیا اور ضبط کی طنابیں جیسے اس کے ہاتھ سے چھوٹ گئیں۔ ان کے ہاتھ پر پیشانی ٹکائے وہ روتی چلی گئی۔ انہوں نے بے اختیار اسے بازوؤں میں لے لیا۔ انہیں اس کے رونے سے بے حد تکلیف پہنچ رہی تھی مگر انہوں نے اسے چپ نہیں کرایا تھا کیونکہ جانتے تھے اس وقت جو بات اسے رُلا رہی ہے وہ ان کو نہیں بتائے گی اور دل کا بوجھ ہلکا کرنے کا دوسرا راستہ صرف آنسو ہی تھے۔

"آج شام آپ کی آنکھوں کی پٹی کھل جائے گی نا؟" وہ اک اضطراب اور کھوئے کھوئے سے لہجے میں کہہ رہی تھی۔ انہوں نے آہستگی سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا' دونوں خاموش تھے لیکن یہ خاموشی بھی اپنے اندر گویائی رکھتی تھی۔

"جانتی ہو فضا! پٹی کھلتے ہی میں کسے دیکھنا چاہوں گا؟"

"کسے......؟" اس نے آہستگی سے پوچھا۔

"صرف تمہیں......!" انہوں نے کہا اور اپنے ہاتھ پر گرتے انمول آبی قطروں کو لبوں سے چھو لیا تھا' نمکین سا ذائقہ ان کے پورے منہ میں گھل گیا اور ایک عجیب سی طمانیت' انوکھی سی سرشاری ان کی رگ رگ میں پھیل گئی تھی۔

ان کے ہاتھ کو اپنے نرم وگداز ہاتھوں کی گرفت میں لیے وہ بار بار اپنی آنکھوں سے لگاتی اور ان کی عمر بھر کی تشنگی جیسے اس کے آنسوؤں میں بہتی جارہی تھی۔ کسی کے لیے اس قدر اہم ہونے کا احساس بہت انوکھا اور خوش کن تھا' بے حد مسرور اور مغرور کردینے والا۔

"دیکھنے کے قابل تو سارہ باجی ہیں' مجھ میں تو ایسی کوئی بات نہیں شاہ جی!" کئی لمحوں کے بعد اس نے دھیرے سے کہا۔

"حُسن شکلوں میں نہیں' دیکھنے والی نگاہ میں ہوتا ہے فضا! اور تم نے بھلا سارہ کو کب دیکھا ہے؟"

"بہت بار......"

"کہاں......؟"

"آپ کے ساتھ۔" تبھی ڈاکٹر ان کو چیک کرنے کے لیے آگئے تھے اور ان کو بات ختم کرنی پڑی تھی۔ پھر ان کی پٹی کھل گئی تو انہوں نے فضا کو دیکھا تھا۔ اس نے پورا چہرا سیاہ چادر میں چھپایا ہوا تھا۔ صرف اس کی آنکھیں نظر آرہی تھیں۔

انہوں نے ایسی آنکھیں پہلے کبھی نہیں دیکھی تھیں جو بہ یک وقت ہنس بھی رہی تھیں اور رو بھی رہی تھیں...... جو بے تحاشا پیار لٹا رہی تھیں...... نثار ہوئی جارہی تھیں...... وہ آنکھیں جو آئینہ تھیں اور اس آئینے میں ان کا ہی عکس تھا۔ وہ بے خود سے ان آنکھوں میں دیکھ رہے تھے۔ انہوں نے بہت کہا تھا کہ وہ چہرے

سے چادر اتار دے لیکن وہ نہیں مانی تھی۔

"اس چہرے میں ایسا کچھ نہیں ہے شاہ جی! جو دیکھ کر آپ خوش ہوں۔ اصرار کرکے مجھے شرمندہ مت کریں۔" اس نے کچھ اس انداز میں کہا تھا کہ وہ خاموش ہوگئے تھے۔ پھر جب انہوں نے اسے بتایا تھا کہ وہ ماں جی کے پاس جارہے تھے تو وہ خاموش سی ہوگئی تھی۔

"کیا بات ہے فضا! کیا تم میری ماں جی سے ملنا نہیں چاہتیں؟" انہوں نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"ایسی بات نہیں ہے شاہ جی! دراصل آج میری طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔" اس نے دھیرے سے کہا اور اس کی بھاری ہوتی آواز اور سرخ آنکھوں نے اس کی گواہی دی تھی۔

"تو ٹھیک ہے۔ آج کی رات ہم ہوٹل میں ٹھہرتے ہیں' صبح چلے چلیں گے۔" انہوں نے فوراً اپنا پروگرام بدل دیا اور وہ گیلی ہوتی آنکھوں سے انہیں دیکھتی رہ گئی۔

پہلے انہیں یقین نہیں آتا تھا کہ وہ واقعی اس قدر بد صورت ہے جتنا کہتی ہے لیکن جب اس نے مسلسل چہرا چھپائے رکھا اور کھانا بھی علیحدہ کمرے میں کھایا تو انہیں یقین کرنا پڑا لیکن یہ کوئی ایسی پریشان کن بات نہیں تھی۔ چہرے کی سرجری کروائی جاسکتی تھی اور یہ کام وہ فوراً کرنا چاہتے تھے۔

رات گئے گھپ اندھیرے میں جب وہ بے خبر سو رہی تھی۔ ان کی اچانک آنکھ کھل گئی تو دل چاہا کہ وہ لائٹ جلا کر اس کا چہرا دیکھ لیں لیکن چونکہ اس نے ان سے وعدہ لیا تھا کہ وہ اسے دیکھنے کی کوشش نہیں کریں گے۔ اس لیے انہوں نے بمشکل خود کو روکے رکھا لیکن دل میں انہوں نے پختہ ارادہ کرلیا تھا کہ صبح سب سے پہلے فون کرکے سیکریٹری کو اس کے چہرے کی سرجری کے فوراً سے پیشتر انتظامات کرنے کے لیے کہیں گے مگر اس کی نوبت نہیں آئی تھی۔

صبح وہ بیدار ہوئے تو وہ کمرے میں نہیں تھی۔ انہوں نے واش روم کے دروازے پر نگاہ ڈالی تھی جو کھلا ہوا تھا۔ تبھی ان کی نگاہ تکیے کے ساتھ رکھے اپنی ڈائری میں سے پھاڑے ہوئے ایک صفحے پر پڑی تو وہ بُری طرح چونکے۔ کسی انجانے سے احساس کے تحت ان کا دل عجیب سے انداز میں دھڑکا تھا۔ تیزی سے انہوں نے وہ کاغذ سیدھا کیا اور پھر بُری طرح چونکے۔

"شاہ جی!

خدا کرے آپ ہمیشہ خوش رہیں۔ دل تو چاہتا ہے خاک بن کر آپ کے قدموں سے لپٹ جاؤں' راکھ بن کر آپ کے اردگرد بکھر جاؤں۔ مگر آپ سے دور نہ جاؤں لیکن دل کا کیا ہے' دل تو بہت کچھ چاہتا ہے اور سچی بات تو یہ ہے شاہ جی کہ انسان بہت ناشکرا ہے' اس کی خواہشات کا دائرہ بڑھتا ہی چلا جاتا ہے' ورنہ مجھے تو اتنا کچھ ملا ہے جو میں خواب وخیال میں بھی نہیں سوچ سکتی تھی۔ وہ دن جو آپ کی قربت میں بسر ہوئے میرے لیے سرمایۂ حیات ہیں۔ زندگی ان دنوں کی یاد کے ساتھ گزار دینا میرے لیے قطعاً مشکل نہیں' بس آپ سے ایک ہی التجا ہے اگر آپ مان سکیں تو...... کہ خدارا اپنا نام مجھ سے مت چھینیے گا۔

اللہ نگہبان

ہمیشہ آپ کی خوشیوں کے لیے دعاگو

دل وجان سے آپ کی

"فضا"

چند لمحے تو وہ خالی الذہنی کی سی کیفیت میں

ساکت وصامت سے بیٹھے رہے تھے پھر جیسے ان کے جسم میں بجلی سی بھر گئی تھی۔ سلیپنگ گاؤن کی ڈوریاں باندھتے وہ تیزی سے گاڑی کی جانب بڑھے تھے پھر سارا دن وہ پاگلوں کی مانند اسے ڈھونڈتے رہے تھے لیکن وہ نہیں ملی تھی۔ وہ بادِ بہاری کے سبک خرام جھونکے کی مانند سکون و طمانیت اور فرحت وراحت کا احساس بن کر ان کی زندگی میں داخل ہوئی تھی اور کبھی نہ ختم ہونے والی بے چینی و بے قراری اور رنج وملال دے کر نکل گئی تھی۔ وہ کون تھی......؟ کہاں سے آئی تھی......؟ انہیں کیسے جانتی تھی......؟ اور اس حد تک کہ محبت کرنے لگی تھی......؟ بلکہ محبت بھی نہیں' وہ تو عشق تھا......اور عشق بھی ایسا جس میں انسان فنا ہوجانے کی خواہش کرنے لگتا ہے لیکن پھر وہ ان کی زندگی سے کیوں نکل گئی۔ وہ سوچتے تھے اور حیران ہوتے تھے اور بے کلی تھی کہ بڑھتی چلی جاتی تھی۔ بے قراری تھی کہ ہردم مضطرب کیے رکھتی تھی۔

عجیب لڑکی تھی' خود تو پاگل تھی انہیں بھی پاگل بناگئی تھی۔ کسی کام میں ان کا دل نہیں لگتا تھا۔ کچھ بھی اچھا نہیں لگتا تھا۔ یہاں تک کہ سارہ کی پُرسحر سنگت بھی اب جیسے کوئی کشش نہیں رکھتی تھی۔ وہ ان کے سامنے ہوتی تھی لیکن وہ فضا کے بارے میں سوچ رہے ہوتے' اس کی محبتیں' اس کی شدتیں' اس کی وارفتگی کچھ بھی تو بھولنے والا نہیں تھا۔ دن تو جیسے تیسے گزر جاتا لیکن رات کو اس کی یادیں سونے نہیں دیتی تھیں۔ اب تو سارہ بھی ان کی بے توجہی کا گلہ کرنے لگی تھی اور ان کی بے دھیانیوں پر چڑنے لگی تھی۔ اس دن تو ان کی اچھی خاصی تلخی ہوگئی تھی۔ وہ ایک اسکول کے افتتاح کے لیے مدعو تھے۔ یہ اسکول ان کے دوست ریحان صاحب کی بیٹی نے قائم کیا تھا۔ جہاں غریب بچوں کی مفت تعلیم کا انتظام تھا۔ یونیفارم' کتابیں' کاپیاں اور بیگ ہر چیز مفت تھی۔ چند دن پہلے انہوں نے اسکول کے لیے دو لاکھ کا چیک دیا تھا جس پر سارہ اچھی خاصی چراغ پا تھی۔ اسی لیے جب انہوں نے افتتاح کے لیے مراد شاہ اور اسے مدعو کیا تو پہلے تو وہ جانے کے لیے ہی تیار نہیں تھی اور جب ان کے اصرار پر تیار ہوگئی تو ان کی بے نیازی نے اس کی نسوانیت کو بُری طرح مجروح کیا تھا اور وہ ایک دم پھٹ پڑی تھی۔

"آخر آپ کے ساتھ مسئلہ کیا ہے' ہر وقت ماتمی صورت بنائے جانے کہاں گم رہتے ہیں۔ میں تو جیسے آپ کو نظر ہی نہیں آتی' آخر کیوں......؟" ہینڈ بیگ غصے سے بیڈ پر پھینکتے ہوئے وہ چیختی ہوئی ان کی قریب آئی۔

انہوں نے موبائل سے نگاہیں ہٹا کر اس کی جانب دیکھا تھا۔ اورنج پیور سلک کی ساڑھی اورنج پھولوں والے آف وائٹ سلیولیس بلاؤز میں ملبوس' پرل کی جیولری اور بے حد مہارت سے کیے ہوئے میک اپ میں وہ ہوش اڑا دینے کی حد تک خوب صورت لگ رہی تھی۔ کبھی یہ حسن ان کو سحر زدہ کردیا کرتا تھا۔ ان کی نگاہوں کو جکڑ لیا کرتا تھا مگر اب ایسا کچھ نہیں ہوا تھا اور ان کی یہی بے اعتنائی سارہ سے برداشت نہیں ہورہی تھی پھر وہ کافی دیر یونہی چیختی رہی تھی۔ انہوں نے پہلے تو اسے راضی کرنے کی کوشش کی لیکن اسے کسی طرح جانے پر آمادہ نہ دیکھ کر خود چلے گئے تھے...... پھر یہ سب جیسے اکثر وبیشتر ہی ہونے لگا تھا۔ سارہ کو شبہ تھا کہ شاید وہ کسی اور میں دلچسپی رکھتے ہیں لیکن کس میں؟ اچھی خاصی چھان بین کے باوجود بھی اسے کوئی سراغ نہیں ملا لیکن اس کا شک دور نہیں ہوا تھا اور ہوتا بھی کیسے......وہ جو ہر آن

ہر گھڑی اس کے اردگرد رہا کرتے تھے' پروانہ وار اس پر نثار ہوا کرتے تھے۔ اب جیسے وہاں ہوتے ہوئے بھی کہیں اور ہوتے تھے' لیکن کہاں......؟ وہ یہی سوچ سوچ کر کڑھتی اور کسی نتیجے پر نہیں پہنچ پاتی تھی۔

وہ موسم بہار کا ایک بے حد خوب صورت دن تھا لیکن باہر کے سارے موسم تو دل کے تابع ہوتے ہیں اور ان کے دل کا موسم تو جیسے ہمیشہ کے لیے خزاؤں کی زد میں آچکا تھا۔ ایک عجیب سی بے چینی و بے قراری ہمہ وقت دل وروح کا احاطہ کیے رہتی تھی۔ اس دن بھی وہ ایسی ہی کیفیت میں کب سے فائلیں سامنے رکھے بے زاری سے بالوں میں انگلیاں الجھائے خود کو کام میں مصروف کرنا چاہ رہے تھے مگر جانے کیا وجہ تھی کہ آج کام کرنے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ کافی دیر وہ یونہی بیٹھے رہے تھے بالآخر تنگ آ کر اٹھ کھڑے ہوئے اور سست روی سے گاڑی کی طرف بڑھ رہے تھے۔ جب ایک آدمی ان کی راہ میں آ کھڑا ہوا۔ انہوں نے سوالیہ نظروں سے اس کی جانب دیکھا' پھر حیران ہواٹھے تھے' اس کے ہاتھ میں ایک سفید لفافہ اور آغوش میں چادر میں لپٹا ہوا ایک بچہ تھا۔ اس کا چہرا نظر نہیں آرہا تھا لیکن لپیٹنے کے انداز سے لگتا تھا کہ وہ چند دنوں یا زیادہ سے زیادہ چند ہفتوں کا ہوگا۔ اس آدمی نے لفافہ ان کی طرف بڑھایا۔

"مہربانی کرکے آپ اسے پڑھ لیں۔"

لفافہ تھامتے ہی ان کے دل میں جیسے بھونچال سا آ گیا تھا۔ اندر باہر گویا چیخ پکار سی مچ گئی تھی۔

"فضا......فضا......فضا......!"

تیزی سے لفافہ کھولتے ہوئے انتہائی بے چینی و بے قراری سے انہوں نے کاغذ سیدھا کیا اور بے تابی سے اپنی نگاہیں لفظوں پر دوڑانے لگے۔

"دل وجان سے عزیز شاہ جی!

ہمیشہ خوش رہیں۔ مسکراتے رہیں۔

جس وقت آپ کو میرا یہ خط ملے گا میں ایک نامعلوم منزل کی طرف روانہ ہوچکی ہوں گی۔ کچھ لوگوں کے مقدر میں یوں سفر لکھ دیا جاتا ہے کہ پھر ایک جگہ ٹھکانا ممکن ہی نہیں رہتا۔ میرا بے شک کوئی گھر نہیں' کوئی در نہیں' کوئی آسرا' کوئی سہارا نہیں' کوئی سنگی' کوئی ساتھی نہیں' لیکن پھر بھی آج میں خوش ہوں' بے حد خوش۔ یہ تحفہ جو میں آپ کو دے رہی ہوں' اس سے انمول میرے پاس کوئی شے نہیں۔ اگر ہوتی تو وہ بھی آپ کی نذر کردیتی۔ گزشتہ سال عید پر ایک یتیم خانے کے بچوں میں کپڑے اور جوتے تقسیم کرتے ہوئے آپ کی اور سارہ جی کی تصویر اخبار میں چھپی تھی اور اس تصویر کو تراش کر اپنے تکیے کے نیچے رکھتے ہوئے میں نے دل کی گہرائیوں سے دعا کی تھی کہ اللہ تعالیٰ آپ کو اولاد کی نعمت عطا فرمائے......اس وقت میں نہیں جانتی تھی کہ اللہ میری دعا یوں سنے گا کہ آپ کی زندگی کی یہ کمی دور کرنے کے لیے مجھ ناچیز کو ہی منتخب کرلے گا اور یہ میرے لیے کتنا بڑا اعزاز ہے شاہ جی! شاید آپ کبھی نہ جان سکیں لیکن میں نے آپ کو کتنا چاہا ہے' کتنا سوچا ہے' اس کا ثبوت اس ننھے وجود کی صورت میں آپ کے سامنے ہے۔ اس کی آنکھیں' اس کی ناک' اس کے لب' سب کچھ آپ سے مشابہہ ہے یا پھر مجھے ہی ہر سو آپ ہی آپ نظر آتے ہیں۔

ہردم' ہرگھڑی آپ کی خوشیوں کے لیے دعاگو!

"فضا"

"صاحب جی! یہ آپ کی امانت......" آخری لفظوں پر نگاہ جمائے وہ گم صم سے کھڑے تھے جب ان الفاظ نے انہیں چونکا دیا۔ وہ چادر میں لپٹا ننھا سا

وجود ان کی طرف بڑھائے کھڑا تھا۔ بے اختیار ان کے بازو آگے بڑھے اور انہوں نے اسے تھام لیا تھا۔ دماغ میں جھکڑ سے چل رہے تھے اور دل میں جیسے تلاطم سا برپا تھا۔

''فضا کہاں گئی ہے بابا جی! آپ کو تو کچھ پتا ہوگا؟'' دل نے خوش فہمی کی ردا اوڑھتے ہوئے یہ پوچھنے پر مجبور کیا تھا۔ انہوں نے حقائق سے نگاہ چراتے ہوئے بڑی امید سے ان کی جانب دیکھا تھا۔

''نہیں..... آج صبح کچھ بھی بتائے بغیر چلی گئی۔''

''کہاں گئی ہوگی وہ.....؟'' بمشکل ان کے لبوں سے نکلا تھا۔

''پتا نہیں.....!''

''سنیں بابا جی!'' انہیں جاتا دیکھ کر وہ جلدی سے آگے بڑھے۔ ''آپ کی فضا سے کیا رشتہ داری ہے؟''

''وہ میری چچازاد بہن کی پوتی ہے۔''

''تو آپ کو یہ اندازہ تو ہوگا کہ وہ کہاں گئی ہوگی؟''

''نہیں' میں نے پوچھا تھا لیکن اس نے ٹال دیا۔ شاید اس لیے کہ وہ آپ کو بے خبر رکھنا چاہتی تھی لیکن میرا خیال ہے کہ وہ اسی شہر میں ہے کیونکہ ایک بیگم صاحبہ اس سے کپڑے سلوانے آئی تھیں' انہوں نے کہا تھا کہ ان کی بہن کے پاس جگہ ہے' وہ وہاں رہ جائے اور ان کی بیٹیوں کے کپڑے سی دیا کرے۔ اس سے زیادہ میں کچھ نہیں جانتا۔'' اس نے کہا تھا اور خدا حافظ کہتے ہوئے چلا گیا۔ وہ شکستہ اور نڈھال سے بمشکل اپنی ٹانگیں گھسیٹتے گاڑی میں آ بیٹھے تھے۔

''وہ کہاں گئی ہوگی اور اتنے بڑے شہر میں وہ کیسے اسے ڈھونڈ سکتے تھے۔'' بے حد مضطرب سے وہ سوچ رہے تھے اور تبھی ان کی بانہوں میں سمٹے وجود میں حرکت ہوئی اور پھر رونے کی آواز پر انہوں نے ہر جذبے سے خالی اداس آنکھوں سے اس صورت کو دیکھا تھا اور ان کی نگاہ اس کے نقوش پر جم کر رہ گئی تھی۔ ان کے سامنے جیسے ان کی اپنی تصویر تھی۔ وہی آنکھیں' وہی پیشانی' وہی ناک' وہی لب۔

''یقین آیا میری چاہت کا.....؟'' جیسے قریب ہی کہیں سے سرگوشی اُبھری اور وہ پاگلوں کی طرح ادھر اُدھر دیکھنے لگے تھے۔ وہ ہوتی تو وہ اسے بتاتے کہ یقین تو انہیں پہلے بھی تھا لیکن وہ نہیں تھی اور جانے کہاں ٹھوکریں کھا رہی تھی۔ تنہا اور بے سہارا..... یہ خیال کس قدر تکلیف دہ تھا۔ نم ہوتی آنکھوں کے ساتھ انہوں نے اس ننھے وجود کو سینے سے لگا کر بھینچا اور وہ حیرت انگیز طور پر فوراً خاموش ہوکر ٹکر ٹکر انہیں دیکھنے لگا تھا۔ انہوں نے آہستگی سے اس کی پیشانی پر بوسہ دیا تھا اور دل میں جیسے محبتوں کے سوتے اُبلتے محسوس ہوئے تھے۔ اس کے وجود سے اُٹھتی مانوس سی مہک نے انہیں جیسے پاگل کر دیا تھا۔ وہ دیوانہ وار اس کے روئی کے گالوں جیسے رخساروں پر پیار کرتے چلے گئے تھے۔

پھر انہیں یہ ننھا سا' گل گوتھنا سا وجود' جس کے اک اک نقش میں ان کی شباہت جھلکتی تھی' سارہ شاہ کے حوالے کرنے کے لیے کیسے کیسے جتن کرنے پڑے تھے' یہ وہی جانتے تھے۔ انہوں نے سوائے اس حقیقت کے کہ فضا ان کے لیے کیا حیثیت رکھتی تھی' سب کچھ نپے تلے انداز میں بتا دیا تھا۔ اس کے بعد ان کی تلاش میں کچھ اور شدت آ گئی تھی۔ کہاں کہاں نہیں کھوجا تھا انہوں نے اسے' سالوں گزر گئے تھے لیکن وہ مایوس نہیں ہوئے تھے' امید کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑا تھا لیکن وہ تھکنے ضرور لگے تھے اور اب جب وہ اچانک انہیں مل گئی تھی تو وہ اسے کسی انمول

اور نایاب خزانے کی مانند بڑی حفاظت کے ساتھ رکھنا چاہتے تھے۔ اس کی ساری محبتوں اور عنایتوں کا قرض چکانا چاہتے تھے۔ مدتوں سے پیاسے من کو سیراب کرنا چاہتے تھے۔

❁ ..... ☆ ..... ❁

انہوں نے آہستگی سے اس کی لمبی پلکوں والی غلافی آنکھوں کو چھوا تھا اور اس نے کسمساتے ہوئے آنکھیں کھولیں تو انہوں نے یکدم اس کے چہرے کو دونوں ہاتھوں میں تھام لیا۔

''فضا! تم کہاں چلی گئی تھیں؟ میں نے بہت ڈھونڈا تمہیں' پاگلوں کی طرح ہر طرف تمہیں کھوجتا پھرا' گلیوں میں' بازاروں میں' سڑکوں پر' تم کہاں چھپ گئی تھیں؟'' وہ والہانہ نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے انتہائی بے چینی و بے قراری سے کہہ رہے تھے اور وہ لرزتے ہونٹوں اور بہتی آنکھوں کے ساتھ انہیں سن رہی تھی۔ ''فضا! کیوں کیا تم نے ایسا؟''

''آ..... پ..... کے لیے..... آپ کی خوشی کے لیے.....'' ان کے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے وہ آہستگی سے بولی۔

''میری خوشی.....؟'' انہیں جیسے اس کی نادانی اور کم فہمی پر تاسف ہوا اور وہ بے چینی سے اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''آپ سارہ باجی کے ساتھ بے حد خوش تھے اور میں آپ کی ازدواجی زندگی کو درہم برہم نہیں کرنا چاہتی تھی۔ مجھے کہاں خبر تھی کہ آپ مجھے یاد کر رہے ہیں' میری کمی محسوس کر رہے ہیں۔''

''کیوں نہیں آیا تمہیں یہ خیال' جب کہ محبت میں تو دل کو دل سے راہ ہوتی ہے؟'' انہوں نے جیسے شکوہ کیا۔

''کیا میں اتنی خوش نصیب ہوسکتی ہوں شاہ جی!'' وہ بے یقینی سے انہیں دیکھتی جیسے کشمکش میں تھی۔

''تمہیں ابھی بھی یقین نہیں فضا؟'' انہیں جیسے سخت رنج ہوا۔

''اپنی کم مائیگی کا احساس یقین کی دیوار بننے لگتا ہے شاہ جی!''

''محبت جن کے لیے یوں اپنا دامن وا کر دے' وہ کبھی بے مایہ ہوسکتے ہیں؟'' انہوں نے بے حد چاہت سے اسے دیکھتے ہوئے کہا اور وہ بے اختیار روتے ہوئے ان کے ساتھ لپٹ گئی۔

انہوں نے بڑی محبت کے ساتھ اسے سینے سے بھینچ لیا اور دھیرے دھیرے اسے اپنی محبت کا یقین دلا رہے تھے۔ بیتے دنوں کی داستان دہرا رہے تھے اور وہ ان کی محبتوں کی پھوار میں بھیگتی مدہوش ہوئی جا رہی تھی۔ اسے یقین آ گیا تھا کہ بزرگوں کی دعائیں کبھی رائیگاں نہیں جاتیں۔ دادی جو اٹھتے بیٹھتے اسے دعائیں دیا کرتی تھیں۔ اس کے مقدر کے کھلنے کے لیے لمبے لمبے وظائف کیا کرتی تھیں۔ وہ سب دعائیں بار آور ہوگئی تھیں۔

''کاش دادی بھی زندہ ہوتیں اور یہ سب دیکھتیں.....'' اس نے بے اختیار سوچا اور لمحہ بھر کے لیے بُری طرح اداس ہوگئی لیکن مراد شاہ نے اسے زیادہ دیر اداس نہیں ہونے دیا۔

''دیکھا میرا پاگل پن..... تمہیں بخار ہے اور پتا نہیں کب سے تم نے کچھ کھایا نہیں اور میں ہوں کہ.....''

''مجھے تو بس آپ کی محبت چاہیے شاہ جی! میں سیر ہو جاؤں گی۔''

''جناب! میں خود اور میرا سب کچھ آپ کا ہے۔ تنگ پڑ جائیں گی آپ۔''

''تنگ پڑنے سے پہلے میں مر نہ جاؤں شاہ جی!''

”بس..... خوف ناک باتیں نہیں‘ اچھا اب تم اٹھو اور فریش ہو جاؤ پھر کھانا کھاتے ہیں۔“ وہ بیڈ پر سے اترتی ہوئی ٹھٹک کر گئی اور سحر زدہ سی چاروں طرف دیکھنے لگی تھی۔ اس نے کہاں دیکھا تھا یہ سب کچھ..... حقیقت تو دور کی بات تھی اس کے تو خواب میں بھی کبھی ان چیزوں کا گزر نہیں ہوا تھا۔ دیواروں کے رنگ‘ پردے‘ بیڈ ڈریسنگ ٹیبل‘ صوفہ‘ دبیز قالین جس میں پاؤں دھنس رہے تھے۔ ہر چیز ایک دوسرے سے مکمل ہم آہنگ اور خوب صورتی اور دلکشی میں ایک دوسرے سے بڑھ کر تھی۔ وہ جیسے مبہوت سی کھڑی تھی۔

”کیا دیکھ رہی ہو فضا!“ انہوں نے بے حد نرمی سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے پوچھا۔

وہ بری طرح چونکی تھی اور پھر خاموشی سے انہیں دیکھتی رہی تھی۔ اس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ انہیں کیا جواب دے۔

”اچھی آرائش اور امتزاج ہے نا!“ انہوں نے ہلکے پھلکے لہجے میں پوچھا تو وہ بمشکل اثبات میں سر ہلا سکی۔

”سارہ کو ہمیشہ زبردست چیز ہی پسند آتی ہے۔ بے حد اعلیٰ ذوق ہے اس کا۔“ وہ کہہ رہے تھے اور وہ خالی خالی نگاہوں سے انہیں دیکھ رہی تھی۔

پھر اچانک اس کی نگاہ اپنے کپڑوں پر پڑی‘ سستی سی لان کا گلابی پرنٹڈ سوٹ پہنے جو دھل دھل کر اپنی اصلی رنگت کھو چکا تھا‘ اپنے ملگجے سے حلیے میں اس چمکتے دمکتے بے حد آراستہ کمرے میں کھڑی وہ یقیناً بے حد عجیب لگ رہی تھی۔ اس کے بیلے پڑتے چہرے نے جیسے مراد شاہ کو سب کچھ سمجھا دیا تھا‘ انہوں نے بے حد نرمی سے اس کا ہاتھ تھاما اور باتھ روم کی طرف لے گئے۔

”صرف پندرہ منٹ ہیں تمہارے پاس۔ ٹھیک سولہویں منٹ تمہیں میری نگاہوں کے سامنے ہونا چاہیے۔ پہلے ہی انہیں بہت ترسایا ہے تم نے۔“ انہوں نے اس کے لیے واش روم کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔

”فضا! ایک منٹ پلیز۔“ اس کے دروازہ بند کرتے ہی اچانک کچھ یاد آنے پر وہ تیزی سے پکارے تھے۔ فضا نے دروازہ کھولنے کی کوشش کی تھی مگر وہ نہیں کھلا تھا۔ وہ پریشانی سے بار بار ہینڈل کو گھما رہی تھی مگر دروازہ ٹس سے مس نہیں ہو رہا تھا۔

”فضا! دروازہ لاک ہو گیا ہے۔ ایک منٹ رکو میں چابی دیکھتا ہوں۔“ انہوں نے کہا تھا پھر ڈریسنگ ٹیبل کے دراز اور ادھر اُدھر سب طرف دیکھ لیا تھا مگر چابی کہیں نظر نہیں آئی۔ ”فضا! غور سے میری بات سنو۔“ وہ باہر سے اسے تالا کھولنے کا طریقہ سمجھا رہے تھے اور اندر مارے شرمندگی اور ندامت کے اس کا دل چاہ رہا تھا کہ زمین پھٹے اور وہ اس میں سما جائے۔ اپنا آپ اسے انتہائی بے مایہ اور حقیر لگ رہا تھا۔ ایک دروازہ تک تو اسے کھولنا نہیں آتا تو کیا وہ اس انتہائی خوب صورت اور شان دار گھر میں رہنے کے قابل تھی۔

”نہیں..... ہرگز نہیں“ اس نے ہمیشہ حقیقت پسندی سے سوچا تھا اور یہ حقیقت بے حد تلخ اور روح فرسا سہی لیکن تھی تو حقیقت کہ اپنی تمام تر محبتوں اور شدتوں کے باوجود وہ اس قابل نہیں تھی کہ مراد شاہ جیسے وجیہہ وشکیل اور پڑھے لکھے شخص کی بیوی کہلا سکتی۔ اس خوب صورت گھر میں رہ سکتی۔

”فضا..... فضا.....! کیا ہوا۔ تم دروازہ کھول نہیں رہیں؟“ اندر سے کسی قسم کی آواز نہ پا کر مراد شاہ نے بے چینی سے پکارا..... اور وہ اندر کیا کر رہی تھی دروازہ

کھولنے کی کوشش تک نہ کر رہی تھی۔

”فضا..... فضا.....!“ انہوں نے پھر اسے پکارا تھا اور جواب میں اس کی بھرائی ہوئی ”جی“ سن کر اچانک ہی انہیں سارہ سے چابی کے بارے میں پوچھنے کا خیال آیا تھا۔

جس وقت انہوں نے دروازہ کھلوایا اسے ان کی جانب دیکھا نہیں گیا تھا۔ ندامت اور شرمندگی کی اک گہری دلدل تھی جس میں وہ خود کو دھنستا محسوس کر رہی تھی۔

”دراصل یہ ہینڈل میں کچھ پرابلم ہے‘ جلدی کھلتا نہیں ہے۔“ اس کے اترے اترے نادم سے چہرے کو پرسوچ نگاہوں سے دیکھتے ہوئے وہ تھوڑی سی غلط بیانی سے کام لیتے ہوئے اسے اس کیفیت سے نکالنے کی سعی کر رہے تھے۔ فضا نے ایک نظر انہیں دیکھا تھا پھر نگاہیں جھکالی تھیں۔

”میں اب چلوں گی شاہ جی! بس ایک دفعہ امان کو مجھے دکھا دیں۔ وہ اتنے دنوں سے کہاں ہے‘ باہر نظر کیوں نہیں آتا؟“ وہ دھیمے سے لہجے میں کہہ رہی تھی اور وہ حیرانی سے اسے دیکھ رہے تھے۔

”تم کہاں جاؤ گی؟“ حیرانی سے انہوں نے پوچھا۔

”گھر.....“

”گھر تو وہ ہوتا ہے فضا! جہاں والدین اور بہن بھائی ہوں یا پھر شوہر اور بچے۔“ وہ جانے کس رو میں کہہ تو گئے تھے لیکن پھر فوراً ہی احساس ہوا تھا کہ یوں نہیں کہنا چاہیے تھا تب وہ جلدی سے سنبھلے۔ ”تمہارا گھر یہ ہے جہاں میں ہوں‘ تمہارا بچہ ہے۔“ اس نے ڈبڈبائی نگاہوں سے انہیں دیکھا تھا پھر ان کا ہاتھ تھامتے ہوئے بے حد تشکرانہ انداز میں گال کے ساتھ لگا لیا اور کئی لمحے خاموشی کے ساتھ دبے پاؤں گزر گئے تھے۔

”میں خود کو اس قابل نہیں پاتی شاہ جی! بس اتنی مہربانی کریں کہ کبھی کبھی مجھ سے ملنے آ جایا کریں اور امان کو بھی لے آیا کریں۔“ شدت ضبط سے نچلا لب دانتوں تلے دباتے ہوئے اس نے رک رک کر کہا۔

”میرا خیال یہ ہے کہ انسان نہیں جانتا کہ وہ کس قابل ہے‘ اس کے مقام کا تعین دوسرے کرتے ہیں اور تم نے اب تک بہت من مانی کر لی‘ اب تم وہی کرو گی جو میں چاہوں گا۔“ ان کے بڑے رعب سے کہنے پر فضا نے چونک کر ان کی جانب دیکھا۔ ”کرو گی نا.....؟“ اس کے کندھے پر بازو رکھتے ہوئے انہوں نے دھیمی سی آواز اور جذبوں سے گندھے لہجے میں پوچھا تو فضا کا دل بے تحاشا دھڑکنے لگا تھا۔ وہ اس قدر خوش نصیب بھی ہو سکتی ہے۔ اسے یقین نہیں آ رہا تھا۔

”فی الحال تمہیں سارہ کے کپڑوں پر گزارا کرنا ہو گا۔ شام کو ہم شاپنگ کے لیے چلیں گے۔“ انہوں نے الماری کھولتے ہوئے کہا۔

”اور سارہ جی؟ کیا وہ میرا وجود اس حیثیت سے برداشت کر لیں گی؟“

”کرنا پڑے گا لیکن فی الحال تو وہ اپنے بھائیوں کے پاس امریکہ گئی ہوئی ہے۔ بس تم ساری فکریں چھوڑ کر یہ دیکھو کہ میں کیا چاہتا ہوں۔“ انہوں نے ہاتھ بڑھایا تو اس نے بے اختیار ان کا ہاتھ تھام لیا۔

پوری الماری رنگا رنگ ملبوسات سے بھری ہوئی تھی۔ اتنا ڈھیر اِدھر تھا تو جانے وہ اپنے ساتھ کیا لے کر گئی تھیں!۔ اس نے حیرانی سے سوچا اور بھلا وہ ان میں سے کیا پہنے۔ بغیر بازو کی قمیص اور گہرے گلے دیکھ کر اسے پسینہ آ رہا تھا۔

”میرا خیال ہے کہ یہ ٹھیک رہے گا۔“ آسمانی

رنگ کی لان کی کڑھائی والی قمیص اور بڑے سے دوپٹے والا سوٹ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے مراد شاہ نے اس کی مشکل آسان کرنی چاہی تھی۔ فضا نے ایک لمحے کے لیے انہیں دیکھا تھا پھر ان کے ہاتھ میں تھامے ہوئے کپڑوں کو...... اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اسے کیا کہنا چاہیے کیا کرنا چاہیے لیکن پھر جیسے دل نے خود ہی فیصلہ دے دیا تھا۔ اسے وہی کرنا تھا جو مراد شاہ کہہ رہے تھے۔ اس نے ان کے ہاتھ سے ہینگر لیا اور چھوٹے چھوٹے قدم اٹھاتی باتھ روم کی طرف بڑھ گئی۔

جب وہ باتھ لے کر آئی تو وہ فون پر کئی اہم معاملات نمٹا چکے تھے۔ جن میں سرفہرست کل تک ایک سجے سجائے گھر کا انتظام کرنا تھا اور فضا کی شخصیت نکھارنے کے لیے کسی تجربہ کار خاتون کا انتظام کرنا بھی' وہ چاہتے تھے کہ جب وہ سارہ کے سامنے آئے تو مکمل اعتماد کے ساتھ اور اس کے لیے اسے مکمل تربیت کی ضرورت تھی جو کہ یہاں مناسب نہیں تھی۔ ملازم ایک ایک بات نوٹ کرکے سارہ کو بتا سکتے تھے۔ اس لیے انہوں نے ایک ماہ کے لیے علیحدہ گھر لینے کا فیصلہ کیا تھا۔ جب یہ ساری تفصیل انہوں نے فضا کو بتائی تو چند لمحوں کے لیے وہ انہیں دیکھتی رہ گئی۔ پھر یک دم اس کی آنکھیں جھلملائی اور اگلے ہی لمحے باقاعدہ آنسو بہنے لگے تھے۔

''یہ کیا فضا......؟'' وہ بُری طرح بے چین ہوئے۔

''یہ خوشی کے آنسو ہیں شاہ جی!'' بھرائی ہوئی آواز میں کہتے ہوئے وہ مسکرائی تو مراد شاہ کو بہتی آنکھوں اور مسکراتے لبوں کا یہ نظارہ اس قدر سحر انگیز لگا کہ چند لمحوں کے لیے وہ مبہوت سے اسے دیکھتے رہ گئے اور ان کی والہانہ نگاہوں پر وہ بُری طرح محجوب ہوکر رہ گئی تھی۔

آدھی آستین اور جدید تراش خراش کے ملبوس میں اسے ویسے ہی بے حد جھجک محسوس ہورہی تھی۔ اس نے کہاں پہنے تھے اسے فیشن والے کپڑے۔ وہ خود کو خاصی بے اطمینانی محسوس کررہی تھی۔ جب وہ مارکیٹ جانے لگی وہ گھبرائی ہوئی سی بار بار مراد شاہ کی جانب دیکھ رہی تھی۔

''کیا بات ہے فضا! تم کچھ کہنا چاہتی ہو؟'' کچھ دیر تو وہ خاموشی سے اسے دیکھتے رہے پھر آہستگی سے اس کے ہاتھ تھامتے ہوئے پوچھا۔

''وہ دراصل...... میں کبھی مارکیٹ نہیں گئی اور پھر اس طرح...... میرا مطلب ہے' اس طرح کے لباس میں باہر جاتے ہوئے ہمیشہ میں منہ پر چادر لیتی رہی ہوں لیکن......'' رک رک کر کہتے ہوئے وہ یک دم خاموش ہوگئی۔

''لیکن......؟'' کچھ لمحے اس کے بولنے کا انتظار کرنے کے بعد مراد شاہ نے دُہرایا۔

''وہ چادر کافی پرانی ہے اور پھر آپ کے ساتھ......'' اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ آخر کیسے وہ انہیں اپنا موقف سمجھائے۔

''تم ایسا کرو' اسی دوپٹے کو چادر کی طرح اوڑھ لو۔ خاصا بڑا ہے یہ۔ مارکیٹ سے ہم اسکارف خرید لیں گے۔'' انہوں نے کہا تھا اور وہ جیسے خوشی سے کھل اٹھی۔

''آپ...... آپ بہت اچھے ہیں شاہ جی!'' ان کے ہاتھ کو اپنے دونوں ہاتھوں کی گرم جوش گرفت میں لیتے ہوئے اس نے بے حد عقیدت اور محبت سے انہیں دیکھا اور پھر ان کی محبت پاش نگاہوں سے گھبرا کر سرخ ہوتے ہوئے سر جھکالیا۔

''شادی کے شروع کے کچھ عرصے کے بعد میں

کبھی سارہ کے ساتھ شاپنگ کے لیے نہیں گیا۔ ہمیشہ وہ اپنی شاپنگ خود ہی کرتی رہی ہے۔ اس لیے خواتین کی شاپنگ کے معاملے میں بالکل اناڑی ہوں لیکن خیر آج یہ تجربہ بھی کرتے ہیں۔'' انہوں نے گاڑی پارک کرتے ہوئے ہلکے پھلکے لہجے میں کہا۔

''یہ یہاں کا مشہور اور بڑا اسٹور ہے۔ یہاں سے لیڈیز' جینٹس' چلڈرن گارمنٹس' کاسمیٹکس' جیولری' بیگز' جوتے' سویٹرز' شالز اور تقریباً سب کچھ مل جاتا ہے اور ہر چیز بہترین ہوتی ہے۔'' وہ اس کے ساتھ چلتے ہوئے بتارہے تھے۔

پھر جس وقت شاپنگ کے بعد واپسی کے لیے گاڑی میں بیٹھ رہے تھے کہ ان کے سیل کی بپ بجی۔

''جی زاہد صاحب!'' انہوں نے اسکرین پر نگاہ ڈالتے ہی فوراً فون اٹینڈ کیا تھا۔ ''بہت عمدہ' یہ تو زبردست خبر سنائی ہے آپ نے' اچھا پتا بتائیے ہم ابھی دیکھ لیتے ہیں۔'' انہوں نے خوش گوار لہجے میں سیل آف کرکے اس سے کہا۔

''بوجھو فضا! ہم کہاں جارہے ہیں؟''

''وہ...... آپ گھر کا بتارہے تھے نا! تو شاید وہیں......؟''

''ہوں...... میری فضا ہے تو ذہین......'' انہوں نے ''میری'' پر زور دیتے ہوئے کہا تو وہ نم ہوتی آنکھوں کے ساتھ مسکرادی۔

مراد شاہ سے اس کی آنکھوں کی نمی چھپی نہیں رہ سکی تو وہ ایک دم سنجیدہ ہوگئے۔ چند لمحے خاموشی سے ڈرائیونگ کرتے رہے تھے پھر آہستگی سے اسے مخاطب کیا۔

''فضا!'' تم میری بیوی ہو' میرے بچے کی ماں ہو' میں نے تمہیں صرف قبول ہی نہیں کیا بلکہ تم سے محبت بھی کرتا ہوں۔ اسی طرح تمہیں سب کے سامنے

لا کر بھی کھڑا کر سکتا ہوں۔ لوگ کیا کہتے ہیں مجھے کسی کی پروا نہیں...... لیکن میری خواہش ہے کہ تم جب میری بیوی کی حیثیت سے سب کے سامنے آؤ تو لوگ تمہاری عزت کریں' تمہیں سارہ جتنی ہی اہمیت وعزت دیں اور خود تم اپنے آپ کو کسی طرح بھی سارہ سے کم نہ سمجھو اور تمہارا بیٹا تمہیں دیکھے اور تم سے ملے تو اسے اپنی ماں سب سے اعلیٰ' سب سے منفرد نظر آئے۔ مگر بار بار نم ہوتی تمہاری آنکھیں ظاہر کر رہی ہیں کہ تم شاید مجھے غلط سمجھ رہی ہو۔"

"نہیں...... نہیں شاہ جی! ایسا نہیں ہے۔ میں آپ کے بارے میں ایسا کچھ سوچ بھی نہیں سکتی۔ میرا اللہ کتنا مہربان ہے' آنکھیں تو اس کی مہربانیوں پر نم ہوتی ہیں اور کچھ دادی بار بار یاد آرہی ہیں۔ یہ ان کی دی ہوئی دعائیں ہی ہیں جو آپ مجھے مل گئے۔ آپ کی محبت مل گئی۔ ورنہ کہاں میں اور کہاں......؟" ان کے خفگی سے دیکھنے پر اس نے فوراً بات ادھوری چھوڑ دی۔

"درحقیقت اپنے بزرگوں سے دعائیں لیتے ہی خوش نصیب لوگ ہیں فضا! اور جو لوگ بے لوث محبت لٹاتے ہیں نا محبت بھی بڑی فراخدلی سے ان کے لیے اپنا دامن وا کر دیتی ہے اور چلیے جناب! یہ آ گیا آپ کا گھر......" انہوں نے ایک خوب صورت سے گھر کے دروازے پر گاڑی روکتے ہوئے کہا۔ ان کے گاڑی روکتے ہی ایک آدمی دروازہ کھول کر تیزی سے آگے بڑھا تھا۔

"فضا! تم چلو گی یا گاڑی میں ہی بیٹھو گی؟"

"جیسے آپ کہیں......" اس کے فرماں برداری سے کہنے پر وہ بے ساختہ مسکرائے۔

"ٹھیک ہے تم ابھی بیٹھو۔" انہوں نے کہا تھا اور پلٹ کر اس آدمی سے ملے اور اس کے ساتھ اندر کی جانب چل دیئے اور وہ بے حد محبت کے ساتھ اس وقت تک انہیں دیکھتی رہی جب تک وہ نگاہوں سے اوجھل نہیں ہوگئے تھے۔

اسے آج خود پر رشک آرہا تھا۔ ساری کائنات بہت خوب صورت لگ رہی تھی۔ یہ سب کس قدر غیر متوقع اور انوکھا تھا۔ خواب میں تو اس نے خود کو ان کے سنگ چلتے' ان کے ساتھ رہتے' بہت بار دیکھا تھا مگر حقیقت میں یہ سب کیسے ممکن ہوگیا تھا اور کہیں یہ سب خواب ہی تو نہیں تھا۔ جاگتی آنکھوں کا خواب پلک جھپکتی اور ختم ہوجاتا...... خدا نہ کرے! اس نے بے اختیار جھرجھری سی لی اور اپنے اللہ کا شکر ادا کرنے لگی جس نے اسے اپنے من چاہے شخص کی سنگت اور محبت سے نوازا تھا۔ ورنہ وہ تو آسمان تھے اور وہ خود زمین آسمان اور زمین کا ملن کیونکر ممکن ہے لیکن بے شک وہ قدرت والا رب جس چیز کو چاہے ممکن بنا سکتا ہے۔

"فضا!" سیٹ کی پشت گاہ سے سر ٹکائے۔ مبہم سی مسکراہٹ لبوں پر سجائے وہ خوش کن خیالوں میں کھوئی ہوئی تھی' جب ان کی دھیمی سی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی اور اس نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں۔

"کیا بات ہے سوگئی تھیں؟"

"نہیں تو......" وہ کھوئی کھوئی سی کیفیت میں انہیں دیکھتی ہوئی بولی۔

"فضا ڈیئر! یہ تمہاری قسمت ہے جو گھر کا فوراً انتظام ہوگیا' ورنہ میرا خیال تھا کہ کم از کم دو چار دن تو ضرور لگیں گے۔ آؤ تم بھی دیکھ لو تاکہ پھر فائنل کردیں۔"

"آپ اس بندے کو فارغ کریں پھر اکٹھے اندر چلیں گے۔" اس نے دھیمی سی آواز اور محجوب سے

انداز میں انہیں دیکھتے ہوئے کہا تو وہ محبت سے اسے دیکھتے واپس پلٹ گئے۔

کچھ دیر کے بعد مراد شاہ کے ہاتھوں میں ہاتھ دیئے اس خوب صورت گھر میں داخل ہوتے ہوئے وہ خود کو ہواؤں میں اڑتا محسوس کر رہی تھی اور تہہ دل سے اپنے رب کا شکر ادا کر رہی تھی۔

"شاہ جی! اگر سارہ باجی نے مجھے قبول نہ کیا تو......؟" ان کے کندھے سے سر ٹکاتے ہوئے اس کے دل میں ہلچل مچاتا خدشہ بے اختیار اس کے لبوں پر آ گیا۔

"آج ہم صرف اور صرف اپنی باتیں کریں گے۔ میری اور تمہاری اور کسی کی نہیں...... سمجھی!"

"اور اماں کی؟"

"نہیں' آج صرف میں اور تم...... ویسے بڑی عجیب بات ہے فضا! کہ مجھے بھی پتا ہی نہیں چلا کہ میں اس قدر رومینٹک ہوں۔" انہوں نے قدرے شوخی سے کہا تو اس نے سرخ ہوتے چہرے کے ساتھ ان ہی کی پشت پر چہرا چھپالیا تھا۔ تبھی باہر بیل ہوئی تھی اور وہ والٹ اٹھاتے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے تھے۔ کچھ دیر کے بعد جب وہ لاؤنج میں داخل ہوئے تو ہاتھوں میں کئی شاپنگ بیگز اٹھائے ہوئے تھے۔ اس نے حیرانی سے انہیں دیکھا تھا۔

"آیئے جناب! اپنا کچن بھی دیکھیے اور کھانا بھی نکالیے۔" انہوں نے خوش دلی سے کہا تو وہ فوراً اٹھ کھڑی ہوئی۔

ہاتھ دھونے کے لیے اس نے سنک کا نل کھولتے ہوئے چور نظروں سے مراد شاہ کی طرف دیکھا جو شاپنگ بیگز میں سے کچھ نکال کر پلیٹ میں ڈال رہے تھے۔ پتا نہیں وہ کیا تھا اور اس کا نام کیا تھا۔ وہ ہر چیز کو دیکھ کر حیران ہو رہی تھی اور اس کی حیرت بجا تھی۔ وہ دادی کے ساتھ جس گھر میں شروع میں رہتی تھی' وہاں صحن میں ایک طرف اینٹوں کا چولہا بنا ہوا تھا۔ جہاں لوگ لکڑیاں جلاتے تھے اور جسے ہر روز وہ مٹی کا ہاتھ پھیر کر صاف کر دیا کرتی تھی۔ اس کے بعد وہ جس محلے میں گئے وہاں برآمدے میں ایک طرف گیس کا چولہا رکھا ہوا تھا اور ساتھ سیمنٹ سے بنی ایک سلیب تھی۔ اسے مالک مکان' وہ اور دادی باورچی خانہ کہتے تھے یا پھر محلے میں خالہ سکینہ کے گھر میں ایک چھوٹا سا کمرا تھا۔ جہاں سوئی گیس کے دو چولہے اور ایک چھوٹی سی لکڑی کی الماری تھی۔ جہاں برتن وغیرہ رکھے ہوئے تھے اور اوپر سیمنٹ سے الماری نما جگہ بنی ہوئی تھی جہاں اوپر والے خانے میں ریت صابن سے چمکائی گئی دیگچیاں ہوتیں اور نچلے میں نمک مرچوں والے ڈبے۔ ان کا کچن اسے بڑا اچھا لگتا تھا مگر ایسا چمکتا دمکتا اور سجا سجایا کچن کہاں دیکھا تھا اس نے۔ اسے تو ان چیزوں کے نام بھی نہیں آتے تھے جو یہاں تھیں' استعمال کا طریقہ تو دور کی بات۔

عجیب اک احساسِ کمتری نے اسے آ گھیرا تھا لیکن اگلے ہی لمحے اس نے سر جھٹک کر اپنا دھیان مراد شاہ کی طرف مبذول کر دیا تھا۔ وہ دھیمی سی مسکراہٹ لبوں پر لیے جلدی جلدی ہاتھ چلا رہے تھے اور وہ بغور انہیں دیکھتے ہوئے غور کر رہی تھی کہ وہ کیا کیا چیز کس برتن میں ڈال رہے تھے۔ کھانے کے بعد جب وہ برتن دھونے لگی تو انہوں نے اسے روک دیا تھا۔

"صبح سب کاموں کے لیے ملازمہ آجائے گی۔ تم اب نماز پڑھ لو۔" انہیں یاد تھا کہ وہ اسپتال میں پابندی سے نماز پڑھا کرتی تھی۔ وہ باتھ روم میں جانے لگی تو وہ جلدی سے اس کے برابر آ گئے تھے' اس

نے حیرانی سے انہیں دیکھا تھا۔

"میں ذرا ہاتھ دھولوں۔" کہتے ہوئے وہ باتھ روم میں داخل ہوگئے تھے ابھی ابھی تو انہوں نے کچن میں ہاتھ دھوئے تھے۔ فضا نے کچھ الجھ کر انہیں دیکھا تھا۔

"فضا یار! لاؤنج میں شاپنگ بیگ پڑا ہے وہ جو ابھی ابھی بچہ دے کر گیا ہے اس میں صابن ہوگا۔" انہوں نے کہا تو وہ حیران بھی کہ آخر یہ سب چیزیں کیسے آرہی تھیں اور صابن کھول کر انہیں پکڑاتے ہوئے آخر اس نے پوچھ ہی لیا۔

"زاہد صاحب سے فون نمبر لے کر میں نے شاپ پر فون کیا تھا اور ضروری سامان لکھوادیا تھا۔ یہ لوگ ہوم سروس بھی دیتے ہیں۔" انہوں نے ہاتھ دھوتے ہوئے بتایا تھا۔ "فضا! واش روم کی کلر اسکیم اچھی ہے نا! اچھا دیکھو کموڈ میں پانی یوں گرائیں گے۔" بے پروا سے انداز میں انہوں نے بتایا تھا اور وہ سمجھ گئی تھی کہ کچن میں ہاتھ دھونے کے بعد وہ دوبارہ ہاتھ دھونے کس لیے آئے تھے۔ اپنی طرف سے وہ اسے شرمندگی سے بچانا چاہ رہے تھے۔ اسے اس لمحے وہ بے انتہا اچھے لگے تھے۔

نماز پڑھتے ہوئے اسے اپنے اللہ پر بے انتہا پیار آرہا تھا۔ جس نے اسے یوں نوازا تھا۔ اس کا دل چاہا تھا کہ وہ خوب سارے شکرانے کے نوافل ادا کرے مگر اسے علم تھا کہ مراد شاہ اس کا انتظار کررہے ہیں۔ اس لیے دو نفل ادا کرتے ہوئے اس نے اللہ کا شکر ادا کیا تھا اور باقی نوافل صبح پڑھنے کا ارادہ کرتے ہوئے مراد شاہ کی طرف بڑھی۔ وہ فون پر بات کررہے تھے۔ اس نے پیچھے سے جاکر آہستگی سے تھوڑی ان کے سر پر ٹکادی تھی۔

"سالگرہ مبارک ہو شاہ جی! اس بہت ہی اہم اور خوب صورت دن پر دینے کے لیے میرے پاس سوائے دعاؤں کے اور کچھ بھی نہیں۔ لیکن ایک چیز اور ہے اگر آپ کو پسند آئے تو؟" اک انداز دلبرانہ محبت اور چاہت سے لبریز مدہم سا' کومل سا لہجہ مراد شاہ کو ایسے محسوس ہوا تھا جیسے وہ کوئی خواب دیکھ رہے ہوں۔ بے حد سہانا خواب' بے حد دیرینہ خواب۔

بہن بھائیوں میں وہ سب سے چھوٹے تھے۔ والد بچپن میں وفات پاگئے تھے۔ شوہر کی وفات کے بعد اماں بی تمام تر محبت کے باوجود انہیں وہ محبت اور توجہ نہیں دے پائی تھیں' جس کی انہیں طلب تھی لیکن وہ بھی کیا کرتیں۔ زمینوں کا حساب کتاب' گھر کی دیکھ بھال' میکے اور سسرال کی خوشی غمی اور پھر بچوں کی شادیوں کے سلسلے۔ وہ یوں مصروف رہی تھیں کہ مراد شاہ پر زیادہ توجہ دینے کا وقت ہی نہیں ملا تھا۔ گو اپنی ضروریات کے لیے انہیں کسی قسم کی پریشانی نہیں ہوئی تھی۔ گھر میں ملازموں کے علاوہ دو بڑی بہنیں بھی موجود تھیں پھر اماں بی ایک اچھی نگران تھیں۔ گھر کا نظام احسن طریقے سے چل رہا تھا۔ لیکن بھرپور توجہ اور محبت کی طلب جو ایک بار مراد شاہ کے دل میں پیدا ہوئی تو وقت گزرنے کے ساتھ بڑھتی ہی چلی گئی تھی اور زندگی کی مصروفیات نے والدین اور بڑے بہن بھائیوں کو یوں الجھایا ہوا تھا کہ کسی کو ان پر توجہ دینے کی فرصت تھی نہ ان کے وجود میں روز بروز بڑھتے اس خلا کی خبر۔

میٹرک کے بعد انہوں نے ہاسٹل جانے کی خواہش کا اظہار کیا تو جمال بھائی اور اماں بی نے ان کی خواہش اور آسانی کی خاطر یہ بات بخوشی مان لی تھی کہ کالج گاؤں سے بہت فاصلے پر تھا لیکن مراد شاہ کے دل میں یہ بات پختہ ہوگئی تھی کہ کسی کو ان کی ذات میں دلچسپی تھی نہ ان کی ضرورت۔ یوں آہستہ آہستہ وہ سب سے دور ہوتے چلے گئے۔

پھر بڑے شوق اور ارمانوں کے ساتھ سارہ سے شادی کرتے ہوئے ان کا خیال تھا کہ اب زندگی کی ہر کمی اور محرومیاں دور ہوجائیں گی۔ کتنے خواب بنے تھے انہوں نے' مگر سب ایک ایک کرکے بکھر گئے تھے۔ دل میں وہی تشنگی تھی' وہی تنہائی تھی' انہوں نے جسے چاہا تھا پالیا تھا مگر پانے کے بعد پتا چلا تھا کہ طلب کچھ اور تھی۔ عجیب المیہ تھا۔ بہت محبت کی تھی انہوں نے سارہ شاہ سے اور بہت ترسے تھے خود محبت کے لیے' لیکن پھر انہوں نے خود کو سمجھالیا تھا۔ یہ سوچ کر صبر کرلیا تھا کہ شاید قسمت کی ستم ظریفی سے ان کا شمار بھی ان لوگوں میں ہوتا ہے جو عمر بھر منتظر ہی رہتے ہیں۔ محبت انہیں کبھی نہیں ملتی۔ بھری بہار میں بھی ان کے من پر خزاں ہی چھائی رہتی ہے' ان کے دل کی کلی کبھی نہیں کھلتی' ایسے میں اب کیسے وہ یہ مان لیتے کہ محبت کا یہ بے کراں سمندر ان کے لیے تھا؟ مراد شاہ کے لیے؟ انہوں نے آزردگی سے سوچا اور پھر ایک پھیکی سی مسکراہٹ ان کے لبوں پر آٹھہری۔

تلاش بسیار کے بعد' بے حد انتظار کے بعد' انہیں یہ لمحات میسر آئے تھے اور ابھی کچھ دیر قبل تک وہ اس قدر خوش تھے کہ ان لمحات کو اپنی کسی تکلیف دہ سوچ یا خیال کی نذر کرنے کا گمان بھی نہیں کرسکتے تھے مگر کبھی انسان وہی کچھ کرجاتا ہے' جس کا گمان بھی اسے نہیں ہوتا۔ ویسے بھی اس بات کو جتنا بھی جھٹلایا جائے لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ انسان جو نئی نئی دنیاؤں کی تلاش میں رہتا ہے' بڑی بڑی فتوحات حاصل کرلیتا ہے' مگر کبھی کبھی اپنی ہی سوچیں اسے پسپا کردیتی ہیں اور یوں کہ اسے خبر تک نہیں ہوتی۔ وہ نہ چاہتے ہوئے بھی کسی ایسے تنکے کی مانند جسے پانی کی لہریں اپنی مرضی سے بہائے لیے جارہی ہوں۔ خیالات کے دھارے پر بہتا ہوا کہیں سے کہیں جانکلتا ہے۔ کچھ ایسا ہی اس وقت مراد شاہ کے ساتھ ہوا تھا۔

دل ودماغ پر تسلط جماتے اک خیال نے کہ یقیناً وہ کسی سے بے انتہا محبت کرتی تھی اور وہ شخص شاید مراد شاہ کے ساتھ بے حد مشابہت رکھتا تھا' زندگی کے کسی موڑ پر اس سے بچھڑ گیا ہوگا اور ایسے میں جب وہ اسے نظر آئے تو وہ انہیں اس بچھڑ جانے والی محبت کا نعم البدل سمجھ کر دیوانہ وار ان کی طرف بڑھی ہو اور ان کو پانے کے لیے کچھ بھی کرگزرنے کو تیار ہوگئی تھی تو گویا یہاں بھی مراد شاہ تو کہیں بھی نہیں تھے۔ اک زخمی سی مسکراہٹ سے اس کے چہرے کو دیکھتے ہوئے انہوں نے سوچا تھا اور نہ چاہتے ہوئے بھی دل کو مضطرب کرتا یہ خیال سوال بن کر ان کے لبوں پر آگیا۔

"فضا! پلیز...... اب اس معمے کو حل کردو۔ بتادو وہ وجہ جو تمہیں میری زندگی میں لائی ہے۔ وہ کون تھا اور کہاں گیا جو تمہاری چاہت تھا؟ جو مجھ سے اس حد تک مشابہت رکھتا تھا کہ تم مجھے بچانے کے لیے خون کا آخری قطرہ تک دینے کے لیے تیار تھیں' جس کی خاطر تم......؟" فقرہ ادھورا چھوڑتے ہوئے اذیت کے احساس سے مراد شاہ نے لب بھینچ لیے تھے۔ فضا حیران وششدر سی' پوری آنکھیں کھولے انہیں دیکھ رہی تھی۔

(انشاءاللہ باقی آئندہ ماہ)

محبت چاندنی ہے

سباس گل

> وہ پیڑ جن پہ پرندوں کے گھر نہیں ہوتے
> دراز جتنے بھی ہوں، معتبر نہیں ہوتے
> میرے ساتھیوں کی پہچان ہے بس اتنی سی
> کہ ان کے دل میں نفرتوں کے گھر نہیں ہوتے

سمیرا! مہینہ ہونے کو آیا، زاریہ ابھی تک میکے میں ہے، تم اسے لے کیوں نہیں آتے؟'' سلمیٰ آپا نے ٹی وی لاؤنج میں گم صم بیٹھے سمیر کو دیکھتے ہوئے کہا وہ ریموٹ کنٹرول ہاتھ میں لیے نیوز چینل دیکھتا ہوا اپنے آس پاس سے بے خبر تھا۔

''خود ہی آجائے گی۔'' وہ بے زاری سے بولا۔

''تمہارا ابھی جواب نہیں ہے، سمیر! محبت کرنے والے شوہر کو تو بیوی کی ایک دن کی عدم موجودگی بھی کھلتی ہے۔ تمہیں اس کی کمی محسوس نہیں ہوتی؟''

''جی ہاں ہوتی ہے کمی محسوس لیکن محبت کرنے والے شوہر کو......!'' سمیر نے سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔ نظریں ٹی وی اسکرین پر جمی تھیں۔

''کیا مطلب ہے تمہارا تمہیں زاریہ سے محبت نہیں ہے کیا؟''

''تھی کبھی۔'' مختصر جواب آیا۔

''ارے تم نے تو زاریہ سے محبت کی شادی کی تھی۔ والدین کی پسند کو ٹھکرا کر اس کو اپنایا تھا۔ یہ یکا یک کیا ہوگیا۔ وہ تمہارے دل سے ہی اُتر گئی؟'' سلمیٰ آپا کو گہری تشویش نے آگھیرا تھا۔

''پتا نہیں، مگر مجھے اس کی یاد ہی نہیں آرہی کوئی تڑپ۔ میرا احاطہ کیے ہوئے نہیں ہے۔ تو اس کا مطلب یہی ہوا نا کہ مجھے اس سے محبت نہیں رہی؟'' سمیر نے اسی بے تاثر اور سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

''بھیا! یہ کیسی محبت تھی جو چار دن میں ختم ہوگئی محبت تو چاندنی ہے۔'' سلمیٰ آپا حیرت کے سمندر میں غوطہ زن تھیں۔

''ہاں، چار دن کی چاندنی۔ پھر اندھیری رات۔''

''یہ تم کیسی باتیں کررہے ہو؟ تمہارا زاریہ سے کسی بات پر جھگڑا ہوا ہے کیا؟''

''نہیں۔''

''تو کیا وہ تم سے ناراض ہو کر میکے گئی ہے؟''

''نہیں۔''

''آخر ہوا کیا ہے جو تم اس سے اس قدر بے نیاز اور بے پروا ہوئے بیٹھے ہو؟'' سلمیٰ آپا کی الجھن اور پریشانی میں اضافہ ہوا۔

اور انہیں پریشانی ہوتی کیوں نہ۔ ان کا سب سے

چھوٹا اور لاڈلا بھائی تھا سمیر۔"

"پتا نہیں، مجھے لگتا ہے جیسے میں اندر سے خالی سا ہوگیا ہوں۔ میرے جذبوں کی حرارت اور گرم جوشی ماند پڑ گئی ہے۔ کوئی لطیف احساس میرے دل میں کسمساتا ہے۔ نہ گدگداتا ہے۔

"زندگی ٹھہری سی گئی ہے۔ ہر منظر بے رنگ لگنے لگا ہے۔ میرے اندر گہرا سناٹا سرایت کرگیا ہے۔ چپ سی لگ گئی ہے میرے جذبوں کو۔ خاموشی کا آسیب میرے چاروں اُور پھیل گیا ہے۔ سکوت سا طاری ہوگیا ہے روح کے اندر۔ موت کی سی خاموشی نے مجھے اپنے شکنجے میں جکڑ لیا ہے۔ جسم میں کہیں درد کی لہر سی اٹھتی ہے۔ کوئی ٹیس اٹھتی ہے تو مجھے لگتا ہے کہ میں زندہ ہوں ورنہ تو مجھے اپنے زندہ ہونے کا بھی یقین اور احساس نہیں رہا۔" سمیر کا دکھ بھرا اور زندگی سے بے زار لہجہ سلمٰی آپا کے ہوش اُڑا رہا تھا۔

"یا اللہ! خیر، ایسا کیا ہوگیا؟" سلمٰی آپا اللہ سے خیر مانگ رہی تھیں۔ پھر سمیر کی مُرجھائی مُرجھائی بجھی بجھی سی صورت دیکھ کر کہنے لگیں۔

"سمیر! مجھے تمہاری طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی۔ میں تمہیں کسی ڈاکٹر کے پاس لے چلتی ہوں، چلو اٹھو۔"

"مجھے کسی ڈاکٹر کی ضرورت نہیں ہے۔"

"مگر تمہیں کسی ماہر نفسیات کی ضرورت یقیناً ہے۔"

"آپا! آپ کو لگتا ہے کہ میں پاگل ہوگیا ہوں؟" سمیر نے انہیں خائف نظروں سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ماہر نفسیات کے پاس چیک اپ کے لیے جانے کا مطلب یہ نہیں ہے کہ آپ پاگل ہیں۔ نفسیاتی مسائل تو آج کل ہر کسی کے ساتھ ہیں۔ آج کے اس ٹینشن اور گھٹن زدہ ماحول کے سبب، غیر محفوظ حالات، غربت، بے روزگاری جیسے حالات میں ہر کوئی کسی نہ کسی نفسیاتی مسئلے کا شکار ہے۔" سلمٰی آپا نے اسے قائل کرنے کے لیے دلائل پیش کیے تو وہ سنجیدگی سے بولا۔

"یہ سب ٹھیک ہے لیکن میں کسی ماہر نفسیات کے پاس نہیں جاؤں گا۔"

"تو پھر زاریہ کو واپس گھر لے آؤ۔ وہی تمہارے مسئلے سلجھائے گی مجھ سے تمہاری یہ حالت نہیں دیکھی جا رہی۔"

"وہ خود ہی آجائے گی۔" اس کے لہجے کی لاتعلقی ہنوز برقرار رہی۔

"کیسے خود آجائے گی؟" سلمٰی آپا نے جرح کی تو وہ کسمسا کر نظریں چرا گیا۔ مگر خاموش رہا۔

"بیوی ہے وہ تمہاری جس سے تم نے بڑے ارمانوں اور چاؤ سے شادی کی تھی۔ جس کی ایک پل کی جدائی تمہارے لیے سوہان روح تھی۔ اب تم اس سے اس قدر لاتعلق ہوگئے ہو کہ ایک ماہ سے وہ اپنے میکے میں ہے اور تم بے نیازی اور لاتعلقی کی بکل مارے یہاں بیٹھے ہو۔"

"کہانا آپا! ہر جذبہ، ہر احساس مر سا گیا ہے۔ اس کے قرب کی خواہش ہی نہیں جاگتی۔" وہ ٹھنڈے لہجے میں بولا۔

"کیا ہوگیا ہے تمہیں؟ میں زاریہ کو فون کرکے بتاتی ہوں۔ وہ خود ہی آکر تمہیں سنبھالے گی۔"

"وہ مجھے سنبھالنے سے پہلے خود ٹوٹ جائے گی۔" وجیہہ وشکیل سمیر نے ٹوٹے ہوئے لہجے میں کہا تو سلمٰی آپا کے دل پر برچھی سی لگی تھی۔ بے ساختہ تڑپ کر بولیں۔

"اللہ نہ کرے، منہ سے اچھی بات نکالو۔"

"آپا! زندگی میں انسان کو سب کچھ نہیں ملتا۔ کہیں

نہ کہیں اسے سمجھوتا کرنا پڑتا ہے، ہارنا پڑتا ہے۔ من کو مارنا پڑتا ہے۔ انسان کو سب کچھ مل جائے تو زندگی کتنی آسان اور شادماں گزرا کرے۔ ہے نا آپا؟"

سمیر نے کھوئے کھوئے لہجے میں کہتے ہوئے آخر میں سلمٰی آپا سے اپنی بات کی تائید چاہی۔

"ہاں چندا! یہ تو زندگی کا چلن ہے اور ہم کون سے برائیوں سے مبرا، فرشتے ہیں کہ ہم کو سب کچھ مل جائے۔ کوئی کمی ہماری زندگی میں نہ ہو۔ کوئی تشنگی نہ رہے، یہ تو اللہ کی تقسیم ہے۔ اس نے جو کچھ ہمیں دیا ہے بہت سے انسانوں کو نہیں دیا اور جو دوسروں کو دیا ہے۔ اس میں کچھ ہمارے حصے میں نہیں رکھا اور کیوں نہیں رکھا؟ یہ اللہ کی حکمتیں ہیں وہی جانے اسی کے راز۔ پھر بھی ہمیں اللہ کا احسان ماننا چاہیے اس کا کروڑہا شکر ادا کرنا چاہیے۔ کہ اس نے ہمیں اپنی نعمتوں اور رحمتوں سے نوازا ہے۔ ہم دنیا کے ان کروڑوں انسانوں میں شامل ہیں۔ جو اللہ کی نعمتوں کا لطف اٹھا رہے ہیں۔ اللہ نے ہمیں ایک مکمل انسان پیدا کیا ہے۔ ہر عضوئے جسمانی سے نوازا ہے ضروریات زندگی کی ہر نعمت سے نوازا ہے۔ ہمارا شمار ان لوگوں میں نہیں ہوتا جن کو یہ نعمتیں میسر نہیں ہیں۔ کتنے انسان ہیں جنہیں پیٹ بھرنے کو ایک وقت کا کھانا میسر نہیں ہے۔ صاف پانی نہیں ہے۔ سر پر چھت ہے نہ تن پر ڈھنگ کی پوشاک، کتنے چھید ہیں ان کی پوشاک کی طرح ان کی زندگی میں...... چھوٹی سی خوشی بھی جنہیں دکھ کی چادر میں لپٹی ہوئی ملتی ہے۔ ایک ہم ہیں سب کچھ ہوتے ہوئے بھی ناشکرے کے ناشکرے ہیں۔ ارے کیا ہوا اگر زندگی میں ایک آدھ چیز کی کمی ہوگئی اور جو سینکڑوں نعمتیں اللہ نے ہمیں دی ہیں کبھی ان کا بھی شکر ادا کیا ہے ہم نے۔ جو نہیں دی اس کا شکوہ اور ذکر بار بار کرتے ہیں اور اسے اپنی بدقسمتی سے تعبیر کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ کا ذکر تو شکر کے ساتھ کرنا چاہیے نا۔ کفر کرنا بہت آسان ہے میرے بھائی اس کی نعمتوں سے مفر تو فوراً کر لیتے ہیں لوگ مگر شکر اور صبر کا راستا بڑا کٹھن مگر اطمینان بخش ہے۔ جو اس نے دیا وہ بھی اسی کا ہے جو نہیں دیا وہ بھی اسی کا۔ وہ مالک ہے ہمارا۔ وہ جو چاہے سو دے جو چاہے نہ دے۔ ہم کون ہوتے ہیں اس سے سوال جواب کرنے والے کہ اسے تو دے دیا مجھے کیوں نہیں دیا؟ وہ تو بس پانچ وقت کی حاضری چاہتا ہے اپنے دربار میں اور ہم سے وہ بھی نہیں دی جاتی۔ تو پھر کس بِرتے اور کس بنیاد پر ہم اس سے شکوہ کرتے ہیں کہ ہمارے ساتھ ایسا کیوں ہوا؟ اس کی (اللہ) مصلحتیں، حکمتیں وہی جانے سو جو ملا ہے اسی پر راضی بہ رضا رہنا سیکھو۔ اللہ کا شکر ادا کرو اور خوشی سے جیو۔" آپا نے تفصیلی جواب دیتے ہوئے اسے تائید طلب نظروں سے دیکھا تھا۔

"ہاں آپ کا لفظ لفظ سچائی پر مبنی ہے۔" سمیر نے سلمٰی آپا کا مفصل جواب سننے کے بعد قائل ہوتے ہوئے کہا۔

"تو اٹھو اور زاریہ کو گھر لانے کی تیاری کرو۔ مہینہ ہوگیا اسے میکے میں رہتے ہوئے۔"

"ابھی نہیں آپا! دو چار دن بعد جاؤں گا۔ ابھی سنبھالوں خود کو اسے کہنے کا حوصلہ اور جرأت اپنے اندر پیدا کرلوں پھر جاؤں گا اسے لینے۔" سمیر نے سنجیدگی سے کہا اور گہرا سانس لبوں سے خارج کرتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔ تو آپا چونک اٹھیں۔

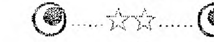
"ارے ایسا کیا کہنا ہے جو حوصلہ اور جرأت چاہیے۔ آئی لو یو، تو تم نے اسے کہہ دیا تھا۔ اب کیا بچا کہنے کو؟" سلمٰی آپا نے حیرانی سے اسے دیکھتے ہوئے استفسار کیا۔

"آپا! آئی لو یو کے بعد ہی تو اصل زندگی شروع

ہوتی ہے۔ مجھے تم سے محبت ہے۔ لینے کے بعد محبت کا امتحان شروع ہوتا ہے۔ چاہت اور محبت کے دعوے اور وعدے پہلے ہوتے ہیں اور ان کی آزمائش بعد میں ہوتی ہے۔ محبت بڑے کڑے امتحان لیتی ہے آپا!! ایسے ہی تو لوگ مجنوں اور فرہاد نہیں بن جاتے۔ یونہی کوئی منصور سولی پر نہیں چڑھ جاتا۔ خوامخواہ تو سوہنی کچے گھڑے پر دریا پار کرنے نہیں چل پڑتی۔ محبت ہونے کی دیر ہے۔ بس پھر کھونے کے خدشے خود بخود سر اٹھانے لگتے ہیں۔'' سمیر نے نہایت گمبھیر اور رنجیدہ لہجے میں جواب دیا۔

''توبہ ہے سمیر! تم نے تو میرا دماغ ہلا کے رکھ دیا ہے۔ کیسی خوف ناک باتیں کررہے ہو۔ میں تمہارے لیے جوس بنا کر لاتی ہوں اسے پی کر شاید تمہارا دماغ ٹھکانے پر آجائے۔''

سلمٰی آپا نے اپنے کانوں کو ہاتھ لگا کر جھرجھری سی لیتے ہوئے کہا اور کچن کی طرف چلی گئی۔ سمیر کے لبوں پر افسردہ سی مسکان بکھر گئی۔



زاریہ اور سمیر یونیورسٹی میں ساتھ پڑھتے تھے۔ زاریہ کا تعلق متوسط طبقے سے تھا۔ تین بہنیں دو بھائی اور ماں باپ سات مرلے کا گھر تھا ان کا۔ بہنوں میں وہ سب سے چھوٹی تھی۔ بھائی ایک اس سے چھوٹا تھا۔ زاریہ سے بڑی بہن ساریہ تھی۔ سب سے بڑی ماریہ آپی تھیں جن کی شادی ان کے ماموں کے بیٹے وحید سے ہوئی تھی۔ وحید ان کے ماموں کی اکلوتی اولاد تھا۔ اس لیے اس کے والدین پوتوں سے بھرا گھر دیکھنے کے آرزومند تھے اور وحید بھی ان کا ہم خیال تھا۔ اللہ نے انہیں تین بیٹوں اور دو بیٹیوں سے نوازا تھا۔ پھر بھی وہ شاکر نہ تھے۔ انہیں دو بیٹے اور درکار تھے۔ بیٹیوں کی پیدائش کی انہیں کوئی خوشی نہیں ہوئی تھی

کیونکہ وحید ان مردوں میں سے تھے جنہیں بہن، بیٹی کے رشتے کا کوئی احساس ہی نہیں تھا۔ ماریہ آپی کی صحت بہت گرچکی تھی۔ سمیر اور زاریہ ایک دوسرے سے محبت کرتے تھے اور سمیر نے اپنے والدین کو زاریہ کے لیے آمادہ کرہی لیا تھا۔

دونوں کی شادی بہت دھوم دھام سے ہوئی تھی۔ زاریہ کے خاندان والے تو حسد کی آگ میں جلتے رہ گئے تھے کہ زاریہ کی شادی اتنے امیر بزنس مین کے بیٹے سے ہوگئی تھی اور وہ دونوں ہنسی خوشی زندگی بسر کر رہے تھے۔

آج اتوار تھا اور سمیر نے زاریہ کو گھر لانے کے لیے ہمت کرہی لی تھی۔ زاریہ کو فون کرکے بتادیا تھا کہ وہ اسے لینے آرہا ہے۔ زاریہ نے اسی وقت اپنا سامان پیک کرلیا تھا اور نہا کر بہت اہتمام سے تیار بھی ہوگئی تھی۔ زاریہ کی امی اور بھابیوں نے دوپہر کے کھانے پر خاصا اہتمام کیا تھا۔ ماریہ آپی بھی میکے آئی ہوئی تھیں۔ اس بار ان کے ہاں جڑواں بچوں کی پیدائش ہوئی تھی۔ ایک بیٹا اور ایک بیٹی دونوں بہت خوب صورت اور ماشاءاللہ صحت مند تھے۔ ماریہ آپی البتہ مرتے مرتے بچی تھیں۔ یہ ان کا تیسرا میجر آپریشن تھا۔ ہر بار ڈیلیوری کا خرچا میکے والوں کو برداشت کرنا پڑتا۔

وحید کی تنخواہ اٹھارہ ہزار تھی اور کچھ ان کے سسر مجید کی پنشن آجاتی تھی۔ مہینے کے آخری دس بارہ دن انتہائی تنگی میں گزرتے تھے۔ کل نو افراد تھے ان کے تمام اخراجات اور گھر کے دیگر اخراجات اسکول کی فیس۔ علیحدہ تھی۔ ایسے میں ہر سال ایک بچے کا اضافہ ان کی معاشی بدحالی میں اہم رول ادا کررہا تھا۔ ماریہ آپی کی صحت بھی خراب رہنے لگی تھی۔ اس بار وحید انہیں میکے چھوڑنے آئے تو زاریہ نے انہیں بڑے طریقے

سے آئینہ دکھایا تھا۔

''آپ دو بچوں کو تو صحیح تعلیم و تربیت دے نہیں سکتے اور ہر سال ایک بچے کی آمد پر آپی کی حالت دیکھی ہے آپ نے؟ ڈاکٹر نے کہہ دیا ہے کہ ماں کو زندہ دیکھنا ہے تو اب بس کریں۔ خدانخواستہ اگر ماریہ آپی کو کچھ ہوگیا تو کون سنبھالے گا آپ کے بچے اور کیا میکے والوں نے ٹھیکا لے رکھا ہے آپ کے کیے کی سزا بھگتنے کا؟ جب آپ افورڈ ہی نہیں کرسکتے تو کیوں نہیں اپنے والدین کو سمجھاتے؟ اللہ نے بچا رکھا ہے آپی کو ورنہ آپ نے تو انہیں بہشتی بنانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔''

وحید تلملا کے رہ گئے تھے۔ کچھ کہنے کی جرأت بھی نہ کرسکے۔ البتہ زاریہ کی باتیں انہیں آئینہ دکھا گئی تھیں۔ حقائق سے نظریں چرانا، اب ان کے لیے بھی ممکن نہیں تھا۔ وہ تو اب مزید بچوں کی آمد اور اخراجات سے ہی گھبرا رہے تھے۔ بڑھتی ہوئی مہنگائی اور بچوں کی کثیر تعداد ان کے مسائل بھی بڑھا رہی تھی۔ ماریہ آپی تو بہت کمزور ہوگئی تھیں۔ سچ تو کہا تھا زاریہ نے۔ اگر ماریہ کو کچھ ہوجاتا تو...... زاریہ کی باتوں نے ان کی سوچ کے نئے در کھول دیے تھے۔ وہ خاموشی سے واپس چلے گئے۔ سمیر نے بھی بچوں کو دیکھ کر پیار کیا اور ہزار ہزار کے نوٹ ان کے نوزائیدہ بچوں کی مٹھیوں میں دے دیے تھے۔

''اب چلیں۔'' کھانے سے فراغت کے بعد سمیر نے زاریہ سے کہا۔

''جی میں اپنا سامان لے کر آتی ہوں۔'' زاریہ نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنے کمرے کی طرف بڑھ گئی۔ سمیر بھی اس کے پیچھے ہی چلا آیا۔ زاریہ نے اسے محبت سے مسکراتے ہوئے دیکھا وہ بھی اسی کو دیکھ رہا تھا۔ چمپئی رنگت والی، دل کش نین نقش کی مالک زاریہ کی سنوری اس کے دل میں اُترتی جارہی تھی۔ سوئے ہوئے جذبے پھر سے انگڑائی لے رہے تھے۔

''سمیر میں تیار ہوں گھر چلیں۔''

''ہوں۔ ایک منٹ پہلے میری بات سن لو۔ اس کے بعد فیصلہ کرنا کہ تمہیں میرے ساتھ گھر جانا ہے یا نہیں؟''

''میں سمجھی نہیں؟ یہ آپ کیسی باتیں کررہے ہیں؟''

''بیٹھو سمجھاتا ہوں۔'' سمیر نے اسے کندھوں سے پکڑ کر بیڈ پر بٹھادیا اور خود بھی اس کے برابر بیٹھ گیا۔

''کیا بات ہے سمیر کہیے نا۔'' وہ پریشان ہوگئی تھی۔

''زاریہ، ہماری میڈیکل رپورٹس آگئی ہیں۔''

''اوہ ریئلی میں تو یہاں آکے بھول ہی گئی تھی۔ کہ میں نے آنے سے پہلے اپنا چیک اپ اور کچھ ٹیسٹ کروائے تھے۔ کیا لکھا ہے میری رپورٹس میں؟''

زاریہ اس کی بات سنتے ہی نان اسٹاپ بولتی چلی گئی۔

''الحمدللہ، تمہاری رپورٹس بالکل ٹھیک ہیں۔''

''شکر الحمدللہ، یہ تو خوشی کی بات ہے پھر آپ کیوں پریشان ہیں؟'' زاریہ نے اس کے چہرے پر پھیلی افسردگی کو دیکھتے ہوئے پوچھا تو وہ اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے بولا۔

''کیونکہ میری رپورٹس ٹھیک نہیں ہیں۔''

''کیا؟''

''ہاں، میں پیدائشی طور پر باپ بننے کی صلاحیت سے محروم ہوں۔''

''یہ...... آ...... آپ کیا کہہ رہے ہیں؟''

زاریہ کے اعصاب پر جیسے ایٹم بم پھٹا تھا۔ لمحے بھر کو تو وہ بکھر کر رہ گئی تھی۔ اسے اب سلمٰی آپا کی باتیں یاد آرہی تھیں جو انہوں نے اسے کل فون کرکے بتائی تھیں اور سمیر کی حالت کے بارے میں بتایا تھا۔ اب وہ بھی

تھی کہ سمیر اتنے پریشان اور افسردہ کیوں ہیں۔ یہ صدمہ انہیں اندر ہی اندر کھا رہا تھا۔

''ہاں زاریہ! میری بیوی ہوتے ہوئے تم عمر بھر ماں نہیں بن سکتیں۔ اس لیے اگر تم چاہو تو میں تمہیں اس بندھن سے آزاد کر......!''

''سمیر! آپ نے ایسا سوچ بھی کیسے لیا؟''

زاریہ نے اس کی بات کاٹتے ہوئے تڑپ کر سوال کیا۔

''زاریہ! میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں۔ اس لیے خودغرض ہو کر نہیں سوچنا چاہتا۔ میں جانتا ہوں کہ اولاد سے ایک عورت مکمل ہوتی ہے۔ تم چند سال تو میری محبت میں اولاد کے بغیر گزار لو گی لیکن بالآخر ایک دن تمہیں اولاد کی کمی شدت سے محسوس ہونے لگے گی اور تمہاری مجھ سے محبت کم ہو جائے گی۔ میں ساری زندگی تمہارے سامنے سر جھکائے مجرموں کی طرح نہیں رہ سکتا۔ تم مجھ سے بےزار ہو جاؤ، نفرت کرنے لگو، یہ نہیں سہہ سکوں گا۔ اس لیے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ تم......!''

''آپ اکیلے کیسے کوئی فیصلہ کر سکتے ہیں سمیر!''

زاریہ نے اسے کھڑا ہوتے دیکھ کر اس کے مقابل آ کر سوال کیا۔

''زاریہ......!'' اس نے دل پر جبر کر کے بولنا چاہا۔

''سمیر! محبت تو ہم دونوں نے کی ہے پھر فیصلے کا حق صرف آپ کیوں استعمال کریں؟ آپ یہ سب کر کے اپنی محبت کے سامنے سرخرو ہونا چاہتے ہیں اور مجھے کیا سمجھا آپ نے کہ میں آپ کے اس فیصلے کو قبول کر لوں گی؟ آپ کے بغیر جینے کا حوصلہ کر لوں گی؟ نہیں سمیر! ایسا ہونا ممکن نہیں ہے......! مجھے آپ پر اور آپ کی محبت پر فخر ہے۔ مجھے ساری عمر آپ کے ساتھ مسز زاریہ سمیر بن کر ہی جینا ہے۔ آپ نے مجھے سچائی سے آگاہ کیا ہے اس سے میرے دل میں آپ کی محبت اور بڑھ گئی ہے۔ بس اب گھر چلیں میں اپنا گھر بہت مس کر رہی ہوں۔'' زاریہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر کہا تو وہ بولا۔

لیکن زارا......! تب وہ اس کا مطلب فوراً سمجھ گئی۔

''ارے ماریہ آپی کے بچے کس دن کام آئیں گے؟''

''مطلب......؟''

مطلب یہ کہ وحید بھائی کے دو بچوں میں سے ایک بچہ ہم اڈاپٹ کر لیں گے۔'' وہ آسانی سے کہہ گئی تو سمیر اسے دیکھتا رہ گیا۔ تب اس نے مزید کہا۔ ''وحید بھائی کو اپنی غلطیوں کا احساس ہو گیا ہے۔ اس بڑھتی ہوئی مہنگائی میں بڑا کنبہ۔ بیٹوں کی خواہش میں اولاد کا ڈھیر لگا دینا ایک طرح سے سب پر ظلم ہے۔ وحید بھائی نے اپنے والدین کو سمجھا لیا ہے اور ان کی جانب سے پوری اجازت ہے کہ ایک بچہ کسی بےاولاد کو دے دیا جائے اور ہم سے بڑھ کر اب اور کون مستحق ہو سکتا ہے۔''

زاریہ بولتی چلی گئی۔ اب کے لہجے اور چہرے سے جھلکتی خوشی اور جوش دیکھ کر سمیر بھی ہلکا پھلکا ہو گیا اور ہنس پڑا۔

''مجھے یقین ہے اللہ تعالیٰ نے یہ بچے ہمارے لیے ہی اس دنیا میں بھیجے ہیں۔''

''بس تو پھر چلیں اس طرح ماریہ آپی کی پریشانی بھی دور ہو جائے گی اور ہمیں اپنی بہن کے بچوں سے بڑھ کر کوئی مل سکتا ہے کیا۔ ان بچوں کو اچھی تعلیم و تربیت ماں باپ کا پیار مل جائے گا اور ہمیں بھی اولاد کی نعمت مل جائے گی ہے نا۔''

زاریہ نے اس کا بازو پکڑے پکڑے خوشی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں الحمدللہ۔'' وہ خوش دلی سے ہنس پڑا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ماریہ آپی کے بچوں کو گود میں لیے اپنی گاڑی میں بیٹھ رہے تھے۔ زاریہ نے سب سے یہ جھوٹ بول کر کہ وہ ماں نہیں بن سکے گی سمیر کو سب کے سامنے شرمندہ ہونے سے بچا لیا تھا۔ سمیر نے محبت سے اسے دیکھا اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ اس کی محبت اتنی عظیم تھی واقعی چاندنی کی طرح اجلی اور روشن تھی اور اس نے بیٹے کے بجائے بیٹی کو فوقیت دی تھی۔ ماریہ آپی شکر سے مسکرائی تھی۔ گھر واپس لوٹتے ہوئے وہ دونوں بہت خوش تھے۔

''زاریہ! ہم گھر میں کیا کہیں گے؟'' سمیر نے گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے پوچھا۔ اس کا اشارہ بچوں کی طرف تھا۔

''سرپرائز!'' زاریہ نے اس انداز سے کہا کہ وہ ہنس پڑا۔

''ہاں یہ تو سوائے آپا کے کسی کو معلوم نہیں ہوگا۔ اچھا ہی ہوا نا کہ ممی ڈیڈی سب ایک سال سے لندن میں ہیں۔''

''جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہوتا ہے۔''

''ہوں۔'' سمیر نے بچی کو پیار سے دیکھا تھا۔ بچی زاریہ کی گود میں سو رہی تھی۔

''گھر پہنچتے ہی ہم امل کے لیے ڈھیر ساری شاپنگ کریں گے۔'' زاریہ نے ایک دم بچی کا نام بھی رکھ لیا اور خوشی سے پُر لہجے میں کہا تو سمیر نے چونک کر اسے دیکھا۔

''امل؟''

ہوں، ہماری بیٹی۔''

''اوہ! اچھا نام ہے۔''

اس نے لمبی سے ''او'' کے بعد ہنس کر کہا۔

''مبارک ہو آج سے ہم بھی مما پپا بن گئے ہیں۔''

''تمہیں بھی مبارک ہو مبارک ہو زاریہ اور......!''

''اور کیا؟'' اس کے ادھورے جملے پر وہ متجسس ہوئی۔

''آئی لو یو سو مچ۔'' سمیر نے محبت پاش نظروں سے اسے دیکھتے ہوئے دل سے کہا۔ تو وہ شرمیلے پن سے مسکراتے ہوئے بولی۔

''لو یو ٹو۔''

''اچھا جی۔'' سمیر شرارت سے اس کے چہرے پر جھکا۔

''ہاں جی ذرا دھیان سامنے رکھیں سمجھے؟'' زاریہ نے شرماتے ہوئے اسے ہاتھ سے پرے کیا۔

''اوکے مادام! جو آپ کا حکم۔''

سمیر کے کہنے پر وہ بےساختہ ہنس پڑی۔ سمیر نے بھی ہنستے مسکراتے گاڑی کا رخ گھر کی جانب موڑ دیا۔

محبت چاندنی ہے
جو تاریک راتوں میں
ہمیں رستا دکھاتی ہے
دلوں میں جگمگاتی ہے
لہو میں گنگناتی ہے
بہت بےآس لوگوں کو امیدیں دلاتی ہے
دکھوں اور الجھنوں کو یہ
جیون سے بھگاتی ہے
محبت چاندنی ہے
اور
چاندنی جگمگاتی ہے
ہمیشہ جگمگاتی ہے۔

قسط نمبر 27

پتھروں کی پلکوں پر

نازیہ کنول نازی

پھر کیا ہوا یہ راہ کی دشواریوں سے پوچھ
بس اتنا یاد ہے تیری جانب چلا تھا میں
کل رات ایک شخص تھا مجھ سا کسی کے ساتھ
جانے میری نگاہ کا دھوکا تھا یا تھا میں

ہم جگنو تھے' ہم تتلی تھے' ہم رنگ برنگے پنچھی تھے
کچھ ماہ و سال کی جنت میں
ماں ہم دونوں بھی ساجھی تھے
میں چھوٹا سا اک بچہ تھا' تیری اُنگلی تھام کے چلتا تھا
تُو دور نظر سے ہوتی تھی' میں آنسو آنسو روتا تھا
اک خواب کا روشن بستہ تُو' ہر روز مجھے پہناتی تھی
جب ڈرتا تھا میں راتوں کو' تُو اپنے ساتھ سلاتی تھی
ماں تُو نے کتنے برسوں تک اس پھول کو سینچا ہاتھوں سے
جیون کے گہرے بھیدوں کو' میں سمجھا تیری باتوں سے
میں تیرے ہاتھ کے تکیے پر ماں اب بھی رات کو سوتا ہوں
ماں! میں چھوٹا سا اک بچہ' تیری یاد میں اب بھی روتا ہوں

مسجد کے وسیع احاطے میں بیٹھا وہ رو رہا تھا اور ساتھ ساتھ تسبیح بھی کر رہا تھا۔ جانے آج کیوں اسے اپنی مما بے حد یاد آ رہی تھیں۔ وہ ان کی گود میں منہ چھپا کر رونا چاہتا تھا۔ دل کا سکون پانا چاہتا تھا۔

کئی گھنٹے مسجد میں گزار کر رونے کے بعد وہ وہاں سے اٹھ کر سیدھا قبرستان چلا آیا' جہاں اس کی جنت مٹی کے ڈھیر میں چھپی شہر خاموشاں کا حصہ بنی ہوئی تھی' شافیہ کی قبر بھی ان کے پہلو میں ہی بنی تھی' جب کہ زاور اور صدف بیگم کی قبریں ساتھ ساتھ تھیں۔

مٹی کے ان بڑے ڈھیروں کے نیچے' کیسے کیسے محبوب رشتے' کیسے کیسے پیارے چہرے چھپ گئے تھے' وہ

فاتحہ پڑھتا رہا اور کسی ننھے سے بچے کی مانند بلک بلک کر روتا رہا۔ اگلے کئی گھنٹے رو کر دل ہلکا کرنے کے بعد وہ شکستہ سا اٹھا اور گاڑی میں بیٹھ کر انوشہ کے گھر کی طرف چلا آیا مگر وہاں دروازے پر تالا دیکھ کر ٹھٹک گیا۔

قدرے بوکھلاہٹ میں ساتھ والوں کا دروازہ کھٹکھٹایا تو ایک ادھیڑ عمر خاتون نے سر باہر نکالا۔

"السلام علیکم آنٹی! یہ ساتھ والے آپ کے پڑوسی......؟"

"وہ تو کل یہاں سے چلے گئے بیٹا! اپنا سارا سامان سمیٹ کر۔"

"چلے گئے...... کہاں چلے گئے......؟" بہت زور کا دھچکا لگا تھا اسے جب وہ خاتون بولی۔

"پتا نہیں...... کچھ بتا کر نہیں گئے' بس یہی کہا کہ اب اس شہر میں دل نہیں لگتا۔"

خاتون کا لہجہ سادا تھا۔ شاہ زر کو لگا وہ گر پڑے گا۔ پتا نہیں زندگی کو ابھی اس سے اور کتنے امتحان مطلوب تھے۔

انوشہ رحمن کے گھر سے اپنے گھر تک جیسے وہ پہنچا تھا وہی جانتا تھا۔ یوں لگتا تھا جیسے کسی بھی لمحے دل یا دماغ کی رگ پھٹ جائے گی۔ آنکھوں میں جیسے لہو اُمڈ آیا تھا۔ بُریرہ اس وقت کچن میں تھی جب وہ لاؤنج میں آ کر دہاڑا۔

"بُریرہ......!" اور بُریرہ کے ہاتھ سے کرسٹل کی پلیٹ چھوٹ کر زمین پر جا پڑی۔

"اللہ خیر...... کیا ہوگیا؟" گھبرا کر وہ فوراً کچن سے نکلی جب وہ قہر برساتی نگاہوں سے اسے دیکھتا اس کے سر پر آ کھڑا ہوا۔

"کیا کہا تھا تم نے کل انوشہ سے' جو وہ لوگ راتوں رات شہر چھوڑ کر چلے گئے' بولو......؟"

اپنی انگلیوں کو اس کے گداز بازوؤں میں گاڑ کر زور کا جھٹکا دیا تھا اس نے' وہ سہم گئی۔ شاہ زر کا یہ روپ اس کے لیے بالکل نیا تھا۔

"کچھ نہیں......" بہت مشکل سے وہ کہہ پائی' جواب میں شاہ زر نے اسے تھپڑ دے مارا۔

"بکواس نہیں سننی مجھے' جو سچ ہے وہ بتاؤ۔"

وہ جنونی ہو رہا تھا۔ عین اسی لمحے سائلہ بیگم کے قدم اس کی دہلیز پر پڑے تھے' وہ بیٹی کو سرپرائز دینے' بنا بتائے آئی تھیں مگر بیٹی نے آگے ان کے لیے سرپرائز تیار کر رکھا تھا' ان کی آنکھیں جیسے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔ اتنی ہمت بھی نہ رہی تھی کہ دھاڑ کر شاہ زر کو آواز ہی دے سکتیں۔

"ممی......" بُریرہ کی نگاہ ہی ان پر پڑی تھی اور وہ خود کو شاہ زر کی گرفت سے نکالتی فوراً ان کی طرف لپکی۔

"کیا ہو رہا ہے یہاں......؟" اگلے پل ان کا سکتہ ٹوٹا۔

شاہ زر غیر متوقع طور پر انہیں وہاں دیکھ کر خود پر ضبط کر گیا جب کہ بُریرہ رو پڑی۔

"گھٹیا' ذلیل' کمینے انسان! میں تو سمجھی تھی بہن کی موت نے تمہیں توڑ کر رکھ دیا ہوگا' تم خود کو سنبھال نہیں پا رہے ہو گے' اس لیے میری بیٹی کا' جو بدقسمتی سے تمہاری بیوی ہے تمہارے پاس ہونا ضروری ہے مگر مجھے کیا پتا تھا کہ تم تو جانور ہو بلکہ جانور سے بھی بدتر...... بہت غلط کیا میں نے جو اپنی شہزادیوں جیسی بیٹی تم جیسے جنگلی کے سپرد کر دی۔" وہ بُریرہ کو چھوڑ کر اس کے مقابل آ گئی تھیں۔ شاہ زر نے رُخ پھیر لیا۔

"یہ صلہ ہے میری محبتوں اور احسان کا؟ ساری عمر بیٹا سمجھ کر دل سے لگا کر رکھا' ہر خواہش پوری کی اور تم اس کا بدلہ یوں دے رہے ہو' میری بیٹی کو جہنم میں جھونک کر۔" حلق کے بل چلاتی وہ آپے سے باہر ہو رہی تھیں' جب وہ گہری سانس بھرتے ہوئے بولا۔

"لے جائیں اپنی لاڈلی کو یہاں سے' مجھے اس کی ضرورت نہیں۔"

"لے جاؤں گی' لے جانے کے لیے ہی آئی ہوں مگر تم یاد رکھنا' میں تمہارے ساتھ وہ کروں گی اس وحشت کے بدلے میں کہ ساری زندگی یاد رکھو گے۔"

"ٹھیک ہے کر لیجیے گا' جہاں حالات نے اتنے تھپڑ لگائے ہیں اس چہرے پر' وہاں آپ بھی لگا لیجیے گا' کوئی فرق نہیں پڑتا اب مجھے اس سے۔" ٹھہرے لہجے میں کہتا وہ اپنے کمرے میں چلا آیا۔ سائلہ بیگم بُریرہ پر چڑھ دوڑیں۔

"یہی سب دیکھنے اور دکھانے کے لیے آئی تھیں یہاں' دیکھ لو! جوتے کی نوک پر رکھ کر چلا گیا ہے تمہیں' اب بھی یہیں رُکو گی؟"

"وہ بہت پریشان ہے مما۔"

"تو ہو' میں نے کیا ہے اسے پریشان یا تم نے۔ کیا قصور ہے تمہارا جو وہ یوں تھپڑ مار رہا تھا تمہارے منہ پر۔"

"محبت......" بہت دھیرے سے اس نے کہا تھا مگر سائلہ بیگم نے سن لیا۔

"لعنت بھیجو ایسی محبت پر' جس میں عزت اور احساس ہی نہ ہو' تمہیں اچھے رشتوں کی کمی نہیں ہے بُریرہ! چلو میرے ساتھ۔"

"نہیں مما! وہ اس وقت حقیقت میں پریشان ہے' میں سمجھالوں گی اسے۔"

"کیا سمجھالو گی' محبت سمجھانے سے ہوتی ہے کبھی۔ وہ بھٹک گیا ہے' سمجھنے سمجھانے کی حد سے نکل گیا ہے' اب کچھ نہیں کر پاؤ گی تم۔ عورت چاہے زندگی سے پیاری کیوں نہ ہو' دل سے اُتر جائے تو پاؤں کی جوتی کے برابر بھی اہمیت نہیں رہتی اس کی' تم بھی دل سے اُتر گئی ہو اس کے۔ اب کیا کرو گی یہاں رہ کر اس مقبرے میں رہ کر؟" وہ تلخ ہوئی تو بُریرہ کا دل کٹ گیا۔

وہ شکستہ سی بیڈ روم میں آئی تو شاہ زر بیڈ پر نیم دراز آنکھوں پر بازو رکھے لیٹا تھا۔ بُریرہ نے روتے ہوئے وارڈ روب کے پٹ کھولے' وہاں رکھا ہی کیا تھا جو وہ ساتھ لے جاتی' بس یونہی بے مقصد کپڑے ادھر اُدھر کرتی رہی' جب تھک گئی تو شاہ زر کے پاس چلی آئی۔

"کیا واقعی اب تمہاری زندگی میں میری کوئی گنجائش نہیں رہی شاہ؟" کتنی ملول تھی وہ' اس نے آنکھوں سے بازو ہٹا دیئے۔

"گنجائش ہے مگر زندگی نہیں رہی ہے یہ...... نہیں انصاف کر پا رہا میں تمہارے ساتھ' مجھے لگتا ہے تم یہاں رہیں تو میں تمہیں بھی گنوا دوں گا۔" اس کا لہجہ نم تھا۔ وہ بیڈ کے کنارے پر ٹک گئی۔

"تو تم چاہتے ہو میں تمہاری زندگی سے چلی جاؤں' ہمیشہ ہمیشہ کے لیے؟"

"نہیں...... مجھے بس کچھ وقت چاہیے' میرے اندر ابھی بہت اضطراب ہے' طوفان ہے' ابھی پلیز تم آنٹی

کے ساتھ چلی جاؤ میں وعدہ کرتا ہوں ٹھیک ہوتے ہی تمہیں خود لینے آؤں گا۔"

وہ اسے اپنے پنجرے سے رہائی دے رہا تھا۔ بُریرہ جھوٹی تسلی پر اٹھ کھڑی ہوئی۔

"آئی ایم سوری بُریرہ! ایم رئیلی ویری سوری!" اس کے کھڑے ہونے پر اس نے بہت محبت سے اس کا ہاتھ تھاما تھا۔

"کاش! ہم لڑکیوں کا دل بھی خدا تم مردوں جیسا بنا دیتا۔ ہمیں بھی فرق نہ پڑتا کسی کو کھو دینے سے ہر نئے موڑ پر نئے چہرے سے محبت کا عہد کرتے ہوئے ہمیں بھی پچھلی محبتیں یاد نہ رہتیں۔ کاش! ایسے بے وفائی ہمارے لیے بھی اتنی آسان ہوتی شاہ زر..... کاش.....!" وہ دل برداشتہ ہوئی تو شاہ زر بیڈ سے اُٹھ کھڑا ہوا۔

"تمہیں بھلانا اور کھونا آسان نہیں ہے میرے لیے....."

اس سے زیادہ شاید وہ خود کو یقین دلا رہا تھا۔ بُریرہ ابھی کچھ کہنا ہی چاہتی تھی کہ اس نے اپنے لب اس کی پیشانی پر دھر دیے۔

"میری جان ہو تم بُریرہ رحمٰن! اگر کاش میں اپنے اختیار میں ہوتا۔"

جانے کیا ہوا تھا اسے کہ بھیگے لہجے میں اپنی بے بسی کا اعتراف کرتے ہوئے اس نے بُریرہ کو کسی قیمتی متاع کی طرح اپنی پناہ میں جکڑ لیا یوں کہ اس سے سانس لینا بھی دشوار ہو گیا۔

"کاش! میں زبردست پکڑ والے کی گرفت میں نہ آیا ہوتا کاش.....!" بُریرہ کے کندھے پر چہرہ ٹکائے وہ اب ٹوٹ رہا تھا۔ وہ چپ چاپ اس کی دھڑکنیں سنتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد نیچے آ کر اس نے سائلہ بیگم سے معافی مانگی تھی اور بہت مشکل سے انہیں منایا تھا۔ اگلے ایک ہفتے کے لیے اس نے زبردستی انہیں اپنے پاس روک لیا۔ وہ اس کی ماں نہیں تھیں مگر ماں جیسی تو تھیں۔ ان کے وجود سے اسے اپنی مما کی خوشبو آتی تھی لہٰذا روز آفس سے واپسی کے بعد وہ اپنا تمام وقت بُریرہ اور ان کے ساتھ ہی گزارتا تھا۔

اس ایک ہفتے میں نماز اور بُریرہ کے ساتھ ساتھ سائلہ بیگم نے بھی اسے خاصا سنبھالا تھا۔ وہ ان کے ساتھ ہی انگلینڈ چلے جانا چاہتا تھا مگر جو دل اور روح پر بوجھ تھا وہ اسے کسی صورت قرار لینے نہیں دے رہا تھا۔ انوشہ اور بیٹے کی گمشدگی جیسے پھانس بن کر سینے میں چبھ گئی تھی۔ ایک ہفتہ اپنی بیوی اور ساس کے ساتھ خوب انجوائے کرنے کے بعد اس روز جب وہ انہیں ائرپورٹ چھوڑنے آیا تو بہت اداس تھا۔

تمام راستے بُریرہ کا ہاتھ اس کے ہاتھ میں رہا تھا اور وہ ایک ہاتھ سے گاڑی سنبھالے رہا' دو تین بار بُریرہ نے اپنا ہاتھ اس کے ہاتھ سے نکالنے کی کوشش کی تھی مگر اس نے ہر بار اس کی کوشش ناکام بنا کر گرفت مضبوط کر لی۔

ائرپورٹ کی عمارت کے باہر گاڑی ایک جھٹکے سے رُکی تھی۔ انگلینڈ کے لیے روانہ ہونے والی فلائٹ میں ٹائم بہت کم رہ گیا تھا۔ شاہ زر آخری وقت تک بُریرہ کے ساتھ رہا۔ وقتِ رخصت اس نے بُریرہ کی پیشانی چومی تھی جس پر وہ اس کا ہاتھ تھام کر رو پڑی۔

"لو یو سو مچ شاہ..... آئی آل ویز مس یو ان مائی لائف....."

"می ٹو....." نرمی سے کہتے ہوئے اس نے بُریرہ کا ہاتھ تھپتھپایا وہ اس کا شکریہ ادا کرتی سائلہ بیگم کے

پیچھے لپکتی پلٹ گئی۔ شاہ زر دیر تک ان دونوں کو رخصت ہوتا دیکھتا رہا۔



گاڑی کی ہیڈ لائٹس اس کی آنکھوں میں پڑی تو وہ رک گئی۔

سنسان روڈ پر جھٹکے کے ساتھ رکی گاڑی سے ارسلان باہر نکلا تو امامہ کا دل خوشی سے دھڑک اٹھا۔ ڈھیلے ڈھالے ٹراؤزر اور شرٹ میں وہ کتنا پیارا لگ رہا تھا۔ وہ جانتی تھی وہ آئے گا' ضرور آئے گا اور وہ آ گیا تھا۔ وہ بے تابی سے اس کی طرف بڑھی۔

''مون! تم ٹھیک ہو......؟'' وہ پریشان تھا جب وہ مسکرائی۔

''ہاں! الحمدللہ...... کیوں کیا ہوا؟''

''وہ! تم نے ایمرجنسی میں بلایا تو میں فکر مند ہوگیا کہ جانے کیا ہوا ہے؟''

''پاگل ہو تم اور کچھ نہیں' میں نے تو اس لیے بلایا تھا کہ میں نے شجاع کا گھر چھوڑ دیا ہے' بس آج سے ہم اکٹھے رہیں گے۔''

''یہ کیسے ممکن ہے؟'' اس کے چہرے کا رنگ اڑا تھا۔

''کیوں...... کیوں ممکن نہیں؟ اب کس کا پریشر ہے تم پر؟ ہم نکاح کر سکتے ہیں ارسلان......!''

''نہیں کر سکتے...... نہ میرے پاس کوئی جاب ہے نہ ٹھکانہ ہے' کہاں رکھوں گا تمہیں؟''

''جہاں تم رہو گے میں بھی وہیں رہ لوں گی' تم کہو گے تو سڑک کنارے جھونپڑی میں بھی رہ لوں گی' تمہارے ساتھ۔''

''دماغ خراب ہوگیا ہے تمہارا مون اور کچھ نہیں' اچھی بھلی سکون سے رہ رہی ہو' کیوں چھوڑ کر آئی ہو وہ گھر؟''

''تمہاری وجہ سے کیونکہ میں تم سے محبت کرتی ہوں' اس ایس پی سے نہیں۔''

''تو کیا ہوا؟ محبت انسان کا پیٹ نہیں بھرتی' ابھی میں اس پوزیشن میں نہیں ہوں کہ تمہاری ذمہ داری اٹھا سکوں' لہٰذا پلیز واپس چلی جاؤ مون! بلکہ آؤ میں خود تمہیں چھوڑ کر آتا ہوں۔''

''ہرگز نہیں...... میں واپسی کے سارے راستے بند کر آئی ہوں' اب وہاں پلٹنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔''

''تم حماقت کر رہی ہو مون! مگر میں تمہیں یہ حماقت نہیں کرنے دوں گا؟''

''کیوں...... کیا تم مجھ سے پیار نہیں کرتے؟''

''کرتا ہوں' مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ تمہاری ہر حماقت پر سمجھوتا بھی کرلوں' ابھی میں جن لڑکوں کے ساتھ رہ رہا ہوں وہ اچھے لوگ نہیں ہیں' میں نہیں چاہتا کہ تم ان کی نظروں میں آؤ۔''

''مجھے کچھ نہیں پتا' بس مجھے تمہارے ساتھ رہنا ہے۔'' وہ اپنی ضد پر اڑی تھی۔ ارسلان کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

''ٹھیک ہے' ایک شرط پر تم میرے ساتھ رہ سکتی ہو۔''

''مجھے تمہاری ہر شرط منظور ہے۔'' وہ جذباتی ہوئی تھی جب وہ کچھ سوچتے ہوئے بولا۔

''تو ٹھیک ہے' جس گھر میں تم ایس پی شجاع حسن کے ساتھ رہ رہی ہو وہ اپنے نام کروالو میں وعدہ کرتا ہوں فوری نکاح کرلوں گا تم سے۔''

''کیا......؟'' اسے حیرت سے جھٹکا لگا۔

''حیران ہونے کی ضرورت نہیں ہے' میں کوشش کر کے جاب ڈھونڈ سکتا ہوں' گھر بنا کر نہیں دے سکتا تمہیں۔ اس لیے جس گھر میں رہ رہی ہو وہ اپنے نام کروالو تاکہ بعد میں کوئی پریشانی نہ ہو۔'' وہ اس کے کندھے پر بندوق رکھ کر چلا رہا تھا۔ امامہ پریشان ہوگئی۔

''وہ اپنا گھر میرے نام کیوں کرے گا' اب تو شاید وہ مجھے طلاق بھی دے دے۔''

''کیوں! اب کیا ہوگیا ہے؟''

''بہت کچھ...... اس نے مجھے تمہاری گاڑی سے نکلتے دیکھ لیا تھا' میں نے جھوٹ بولا تو اس نے تھپڑ مارا' جس پر میں اس سے جھگڑا کر کے چلی آئی۔''

''بہت غلط کیا تم نے' میں اس کی جگہ ہوتا تو جانے کیا کر بیٹھتا۔''

''ارسلان......!'' ارسلان نے رخ پھیر لیا۔

''تم زندگی میں کچھ بھی نہیں کر سکتیں امامہ حسن! انتہائی بے کار فضول لڑکی ہو تم' تمہاری جگہ میں ہوتا تو اب تک جانے کتنا کچھ ہتھیا چکا ہوتا اس ایس پی سے۔''

''ایس پی نہیں رہا اب وہ ڈی آئی جی بن چکا ہے اور مجھے چیزوں سے کبھی محبت نہیں رہی' سنا تم نے۔''

''جو بھی ہو' مگر مجھے ابھی سرمائے کی ضرورت ہے' تم نے اب تک میرے لیے کچھ نہیں کیا' اب کرنا ہوگا' جیسے بھی ہو وہ گھر اپنے نام کراؤ۔''

''میرے لیے یہ ممکن نہیں ہے۔''

''تو ٹھیک ہے پھر آج کے بعد تمہارے اور میرے راستے جدا جدا ہیں۔'' ایک لمحے میں اس نے فیصلہ سنا دیا تو امامہ کی آنکھیں جیسے جل اٹھیں۔

''ایک اور آپشن بھی ہے میرے پاس اگر تم قبول کرنا چاہو۔'' فوراً سے پیش تر اس نے اپنے فیصلے میں ترمیم کی تھی۔ وہ نم آنکھوں سے اسے دیکھتی رہی۔

''یہ دیکھو...... یہ بے ہوشی کی دوا ہے' میں سوچ رہا تھا کہ ضرور میری وجہ سے شجاع نے تمہیں ٹارچر کیا ہوگا تو یہ دوا اسی وقت خرید لی تھی میں نے' شام کو دو گی تو صبح ہی اٹھے گا' تب تک تم اس کی ہر قیمتی چیز' چیک بک جو بھی ہاتھ لگتا ہے ہتھیا لینا' یقیناً گارڈ تمہیں روکنے کی جرأت نہیں کرے گا' پھر اس کے بعد اگر اس ایس پی کو پتا بھی چل جاتا ہے تو کوئی پریشانی کی بات نہیں' زیادہ سے زیادہ وہ تمہیں طلاق ہی دے گا' دے دے۔ ادھر وہ فارغ کرے گا اور ادھر میں تمہیں اپنے ساتھ لے جاؤں گا' یہاں سے کہیں دور۔ جہاں کوئی ہمیں پریشان کرنے والا نہ ہو' ٹھیک ہے نا!''

بڑی مہارت سے جال پھینکتے ہوئے وہ اپنے پہلے سے پلان کیے منصوبے پر عمل کر رہا تھا۔ امامہ بے بسی سے اسے دیکھتی آخری بازی کے طور پر یہ فعل سرانجام دینے کے لیے بھی تیار ہوگئی تھی' جس کے لیے اس کا دل

اسے کسی طور پر اجازت نہیں دے رہا تھا۔

سنسان سڑک پر ارسلان حیدر اسے تنہا چھوڑ کر گاڑی میں واپس جا بیٹھا تھا۔ یہ وہ شخص تھا جس کی محبت اس کے مفاد اور شرائط سے مشروط تھی۔

وہ اس کے معیار اور مفاد پر پوری اُترنے کے لیے ہلکان ہوتی جارہی تھی مگر وہ شخص تھا کہ اب بھی اس سے خوش نہیں تھا۔ خطرناک موسم کے تیور بدلے تھے اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھوں کے ساتھ ساتھ بادلوں نے بھی اپنے انمول موتی گرانے شروع کردیے تھے۔

اس کے شکستہ قدموں کی رفتار میں تیزی آئی تھی جب کہ دل بے تکان دھڑک رہا تھا۔ جو راستہ ابھی تھوڑی دیر پہلے وہ اپنے لیے بند کرآئی تھی اب اسی راستے پر واپس پلٹنا کیسی ناقابلِ تصور شرمندگی کا باعث تھا۔ کیسے سامنا کرسکتی تھی وہ شجاع حسن کا جسے بڑے کروفر سے ٹھکرا کر آئی تھی اور اب پلٹ کر واپس جانے کے بعد بھلا کیا حیثیت رہ جانی تھی اس کی سوچیں تھیں کہ اسے الجھاتی جارہی تھیں۔

تیز قدموں کو گھسیٹتی وہ گھر کے سامنے پہنچی تو شرمندگی سے مرجانے کا مقام تھا۔ شجاع جو بے قراری سے سگریٹ نوشی کرتے ہوئے ٹیرس پر ٹہل رہا تھا اسے سر جھکائے گیٹ سے اندر داخل ہوتے دیکھ کر بے ساختہ پُرسکون ہوگیا۔ آپ ہی آپ یہ لفظ اس کے ہونٹوں پر اُمڈ آئے تھے۔

ہجر کی رات آنکھوں میں گزاروں گا تو رُو دوں گا
خیالوں میں تیری زلفیں سنواروں گا تو رُو دوں گا
یونہی سنسان راتوں میں پریشانی کے عالم میں
گلی میں آکے جب تجھ کو پکاروں گا تو رُو دوں گا
تیری تصویر آنکھوں کو جھپکنے ہی نہیں دیتی
میں جب دیوار سے اس کو اُتاروں گا تو رُو دوں گا
اگر میں زندگی بھی ہار دوں تو مسکراؤں گا
مگر اے دوست! جب تجھ کو میں ہاروں گا رُو دوں گا

امامہ کی نظر اس پر نہیں پڑی تھی۔ وہ سر جھکائے چلتی سیدھی گڑیا کے کمرے میں آئی۔ کپڑے بارش میں بھیگنے کی وجہ سے خراب ہوگئے تھے اس نے دروازہ لاک کیا اور بیگ سے کپڑے نکال کر تبدیل کرلیے۔

بھیگے کپڑے اٹھا کر ابھی وہ پھیلانے کا سوچ ہی رہی تھی کہ دروازہ ہلکی سی دستک سے بج اُٹھا۔ یک لخت اس کا دل زور سے دھڑکا تھا۔ تاہم وہ کپڑے وہیں صوفے پر پھینک کر دروازے کی سمت چلی آئی۔ کپکپاتے ہاتھوں سے چٹخنی گرا کر جونہی اس نے دروازہ کھولا شجاع حسن کو مقابل پاکر بے ساختہ سر جھکا گئی۔ تاہم اس نے اس کی طرف توجہ نہیں کی آہستگی سے اسے سامنے سے ہٹا کر وہ اندر آیا اور بیڈ پر گہری نیند میں سوئی اپنی بیٹی کو اپنے مضبوط بازوؤں میں اُٹھالیا۔

امامہ اسے روکنا چاہتی تھی مگر وہ جس خاموشی سے آیا تھا اسی خاموشی سے واپس پلٹ گیا نہ کوئی استفسار نہ

سرزنش اس شخص کی خاموشی بھی کیسی جان لیوا تھی۔

وہ کچھ دیر دروازے میں کھڑی رہی پھر گہری سانس بھرتے ہوئے واپس پلٹ آئی۔ اس رات وہ ایک پل کے لیے بھی سکون کی نیند نہیں سوسکی تھی۔ صبح ہونے میں ابھی کچھ وقت باقی تھا جب شجاع پھر اس کے کمرے میں آیا تھا وہ جو بازو پر سر رکھ کر کروٹ کے بل لیٹی تھی اسے دیکھتے ہی اٹھ بیٹھی۔

”گڑیا کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے تمہیں بلارہی ہے۔“

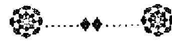
اس کی سرخ آنکھیں بھی رتجگے کی چغلی کھارہی تھیں۔ وہ سرعت سے اُٹھی اور جوتا پہنے بغیر اپنے بیڈ روم کی طرف بڑھ گئی۔ جہاں گڑیا بیڈ پر بیٹھی ہچکیاں لے لے کر رورہی تھی اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا۔ لپک کر اسے اپنے سینے سے لگایا تھا۔

”گڑیا......! میری جان......کیا ہوا؟“

بچی اس کی پناہ میں آتے ہی اور بلک بلک کر رونے لگی وہ شاید خواب میں ڈر گئی تھی اسی لیے اسے دبوچے بس مما مما کی گردان کرتی رہی اور وہ اس کا چہرہ اس کے ہاتھ بے تحاشا چومتی رہی۔

شجاع آکر خاموشی سے دوسری سائیڈ پر ٹک گیا تھا۔ اس کا دایاں ہاتھ گڑیا کے سر میں چلتا پیار سے اس کے بال سہلاتا تحفظ کا احساس دلاتا رہا۔ امامہ شرمندہ سی بیٹھی رہی۔

”میرا خیال ہے یہ کسی بھیانک خواب سے ڈر گئی ہے۔“ تھوڑی دیر بعد اسے شجاع کی آواز سنائی دی تھی۔ اس نے کوئی رائے نہیں دی گڑیا اس کے سینے سے لگی دونوں ہاتھوں میں شجاع کا بازو تھام کر سہمی سی روتی رہی۔



مجھے محسوس ہوتا ہے
جہاں میں آنکھ جھپکوں گی
وہیں یہ حادثہ ہوگا

ٹرین چلنے لگی تھی! جمال صاحب انوشہ کے سر پر ہاتھ رکھے اسے پلیٹ فارم سے اُٹھا لائے۔ بہت ممکن تھا کہ جن لوگوں کے ہاتھ اس کا بچہ لگا تھا وہ اس پر قبضہ جمانے کے لیے فساد کھڑا کرنے پہنچ جاتے۔ وہ سوچ رہی تھی کہ اگر صدف بیگم کی رحلت پر نزہت بیگم نے اس کا بچہ نہ دیکھا ہوتا تو آج شاید وہ اسے یوں فوری نہ پہچان پاتی اور وہ اپنے بچے کے کتنی قریب سے ہو کر گزر جاتی۔

ٹرین کی وسل کے ساتھ اس نے اپنے بچے کو بانہوں میں بھرا تھا اور شکستہ وجود کے ساتھ اُٹھ کھڑی ہوئی تھی پلیٹ فارم پر موجود لوگوں کا رش اب چھٹنے لگا تھا۔

وہ دوبارہ ٹرین میں چڑھ آئی۔ بچہ اب خاموش ہوچکا تھا۔ اس کا دل تیزی سے دھڑکتا اپنے خالقِ حقیقی کا شکر ادا کررہا تھا کہ جس کے کرم سے وہ اپنے بچے تک پہنچ پائی تھی ورنہ دنیا کے اس سمندر میں سارے رشتے گنوانے کے بعد بھلا اسے اپنا بیٹا پانے کی امید ہی کہاں رہی تھی۔ حالات نے جیسے اسے اپنی ٹھوکر پر رکھ رکھا تھا اس کے بعد تو وہ کوئی اختیار بھی استعمال کرنے کی پوزیشن میں نہیں رہی تھی۔ زاور اور صدف بیگم کی رحلت

کے بعد یوں بھی اس کا دماغ پہلے جیسا نہیں رہا تھا۔ وہ قدم قدم پر تھکنے اور ہانپنے لگی تھی۔

ٹرین سے باہر بھاگتے مناظر کے ساتھ' سرد ہوا کا سلسلہ پھر شروع ہوگیا تھا۔ اس نے اپنے بچے کو اچھی طرح آغوش میں چھپا کر اپنا دوپٹا اس پر پھیلا دیا۔ نزہت بیگم اب جاگ رہی تھیں' وہ سر سیٹ کی پشت گاہ سے ٹکا کر سکون سے پلکیں موند گئی۔

رات بھر کے سفر کے بعد گاڑی اگلے اسٹیشن پر رکی تو وہ جھٹکے سے بیدار ہوگئی۔ منزل آ گئی تھی۔ مگر وہ ابھی تک لاعلم تھی کہ اسے کہاں جانا ہے۔

جمال صاحب ٹیکسی رکوا چکے تھے' وہ نزہت بیگم کے ساتھ اپنے بچے کو اٹھائے خاموشی سے ٹیکسی میں آ بیٹھی' تقریباً ایک گھنٹے کے بعد ٹیکسی ایک پوش علاقے میں داخل ہوئی تھی۔ تبھی جمال صاحب نے اسے بتایا۔

"کچھ عرصہ پہلے زاور نے یہاں ایک گھر خریدا تھا تمہارے لیے مگر وہ اسے تعمیر نہ کر سکا۔ انگلینڈ میں سیٹل ہونے کی وجہ سے اس نے یہاں اپنی ساری پراپرٹی فروخت کردی تھی۔ اسی لیے اس گھر کی تعمیر بھی رک گئی۔ وہ چاہتا تھا کہ تمہیں بھی وہیں سیٹ کروادے' اس سلسلے میں کئی بار اس کی تمہارے شوہر سے بات بھی ہوچکی تھی مگر..... قدرت نے اسے اتنا وقت ہی نہیں دیا' وہ بدنصیب تو چند ماہ بعد دنیا میں آنے والے اپنے بچے کی خوشی بھی نہ دیکھ سکا' بہر حال یہاں تمہارے نام پر جو گھر ہے وہ زاور نے یہاں اپنے ایک دوست کے سپرد کردیا تھا' اسی نے سنا ہے تعمیر مکمل کروائی ہے اس گھر کی۔ ابھی ہم وہیں چل رہے ہیں' زاور کا جو بزنس انگلینڈ میں ہے اس کی دیکھ بھال بھی وہی کر رہا ہے' سال میں دو چار بار چکر لگا لیتا ہے پاکستان کا' بہت اچھا لڑکا ہے۔" جمال صاحب بتا رہے تھے' اس کی آنکھیں یک لخت آنسوؤں سے بھر آئیں۔

اسی پل ٹیکسی ایک جھٹکے کے ساتھ جس شان دار گھر کے سامنے رُکی تھی۔ وہ واقعی اپنی شان وشوکت کے لحاظ سے اپنا کوئی ثانی نہیں رکھتا تھا۔ گیٹ پر گارڈ موجود تھا' جمال صاحب اپنا تعارف کروا کر نزہت بیگم اور انوشہ کو ساتھ لیے اندر چلے آئے۔

"اب تم جب تک چاہو یہاں رہ سکتی ہو بیٹی! کبھی مت سمجھنا کہ تمہارا دنیا میں کوئی نہیں رہا' وہ اوپر سات آسمانوں پر بیٹھا رب ہے ناں' اپنے ہر بندے پر نظر رکھتا ہے' کس کی آنکھ میں آنسو ہیں' کس کے لبوں پر مسکراہٹ ہے' سب پتا ہوتا ہے اسے' وہ اپنے بندے کو آزماتا ہے مگر اس پر ظلم نہیں کرتا۔" انوشہ کے سر پر ہاتھ رکھے وہ اسے سمجھا رہے تھے۔ وہ سر جھکائے آنسو ضبط کرتی رہی۔

اس کا بیٹا وہاں آ کر بہت خوش تھا۔ وہ دلچسپی سے اسے دیکھتی دیر تک نزہت بیگم سے باتیں کرتی رہی۔

جمال صاحب کے بقول وہاں روزانہ صفائی والی آتی تھی مگر پھر بھی گھر کو توجہ کی ضرورت تھی۔ وہ ایک ایک چیز کو بغور دیکھتی خامیاں نوٹ کرتی رہی' رات میں تھکن سے بے حال کب اس کی آنکھ لگ گئی اسے پتا ہی نہ چلا۔

اگلے روز صبح وہ جلدی بیدار ہوگئی تھی۔ ایک مدت کے بعد ٹھنڈے پانی سے وضو کر کے اس نے فجر کی نماز ادا کی تو رگ و پے میں عجیب سا سکون اُتر آیا۔ اس لمحے اس کا دل شدت سے قرآن پاک کی تلاوت کو چاہا تھا مگر ابھی وہ نہیں جانتی تھی کہ اسے کون سی چیز کہاں ملے گی؟ دو تین کمرے لاک بھی تھے۔ لہٰذا نماز کے بعد وہ دیر تک تسبیح کرتی رہی' پھر کچھ سوچ کر ناشتے کی تیاری کے لیے کچن کی طرف چلی آئی۔ جہاں بند ڈبوں میں

ضروریات زندگی کی ہر چیز موجود تھی۔

گیس آن کر کے اس نے چائے کا پانی رکھا تھا' جب نزہت بیگم بھی بیدار ہوگئیں' اس کا مُنا جمال صاحب کے پاس سو رہا تھا۔ نزہت بیگم انوشہ کے پاس چلی آئیں' تھوڑی دیر ادھر اُدھر کی باتوں کے بعد وہ اپنے اصل مقصد کی طرف آ گئیں۔

"مجھے تم سے کچھ بات کرنی تھی انوشہ!" بڑے محتاط انداز میں انہوں نے اسے مخاطب کیا تھا۔ وہ آٹا گوندھتی رک گئی۔

"جی کہیے!"

"دیکھو غصہ مت ہونا' میں جس جگہ پر ہوں اگر تم اس جگہ پر ہوتیں تو میری پریشانی بہتر سمجھ سکتی تھیں' خدا گواہ ہے میں نے کبھی یہ نہیں سمجھا کہ تم اور زاور میرے بچے نہیں ہو' یا یہ کہ تم نے میرے بطن سے نہیں' صدف کے بطن سے جنم لیا ہے' میں وہاں انگلینڈ میں تھی تب بھی دل یہیں تمہارے پاس پڑا رہتا تھا۔ اب تو خیر بات ہی اور ہے۔" وہ تمہید باندھ رہی تھیں' انوشہ کے کان کھڑے ہوگئے۔

"تم جس اذیت اور کرب سے گزر کر آئی ہو اور گزر رہی ہو' مجھے اس کا اندازہ ہے' اس کے باوجود تمہارے بابا چاہتے ہیں کہ تمہاری شادی کردی جائے۔"

"کیوں.....؟ کیا بابا کو میں زندہ چلتی پھرتی اچھی نہیں لگتی؟" کتنی بدتمیزی سے فوراً ہی جواب دیا تھا اس نے۔ نزہت بیگم گڑبڑا کر رہ گئیں۔

"نفرت ہے مجھے مرد ذات کے نام سے' شدید نفرت ہے مجھے شادی کے لفظ سے۔ اچھی یا بُری' جیسی زندگی بھی میرے رب نے میرے نصیب میں لکھ دی ہے مجھے قبول ہے' بنا کسی کے ساتھ' کسی کے سہارے کے' مجھی آپ....." وہ اتنی تلخ ہوجائے گی انہیں اندازہ نہیں تھا۔ انوشہ اب رُخ پھیرے آٹے پر اپنا بقیہ غبار نکال رہی تھی۔

نزہت بیگم مایوس ہو کر جمال صاحب کے پاس کمرے میں چلی آئیں۔ انوشہ کا بیٹا ان کے ساتھ کھیل رہا تھا۔

"نماز پڑھ لی.....؟"

"ہوں..... مسجد جانے کی ہمت نہیں تھی' اس لیے گھر پر ہی ادا کرلی' انوشہ کیا کر رہی ہے؟"

"ناشتا بنا رہی ہے..... آج تو اس نے بھی نماز ادا کی ہے۔"

"ماشاء اللہ! وہ پاک پروردگار چاہے گا تو آہستہ آہستہ دل کے سارے جالے صاف ہوجائیں گے اس کے۔ میں ہر نماز میں اس کے لیے خصوصی دعا کرتا ہوں' تم بھی دعا کرنا بیگم! کل سرمد بیٹا آئے تو اسے وہ پسند آ جائے' میں اب زیادہ دن اسے بے آسرا نہیں دیکھ سکتا۔"

"میں بھی نہیں دیکھ سکتی مگر وہ بہت ضدی ہے' میرا خیال ہے اس بار اگر اس کے ساتھ زبردستی ہوئی تو وہ برداشت نہیں کرے گی۔"

"تمہاری بات ہوئی ہے اس سے؟"

"ہاں! وہ کسی طور دوبارہ شادی کے حق میں نہیں ہے۔"

"پاگل ہے وہ‘ تم نے سمجھایا نہیں اسے؟"

"سمجھایا تھا‘ مگر بچے جب بڑے ہوکر کندھوں تک آ جائیں تو پھر انہیں کچھ بھی سمجھانا بہت مشکل ہو جاتا ہے جمال! میرا نہیں خیال کہ اس بار وہ کسی بات پر سمجھوتا کرے گی۔"

"اچھا! اللہ بہتر کرے گا‘ تمہیں پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے‘ ابھی وہ ذہنی طور پر ٹھیک بھی تو نہیں ہے‘ وقت کے ساتھ ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔"

نزہت بیگم خدشات کا شکار تھیں‘ جمال صاحب اپنے تیزی سے بجتے سیل کی طرف متوجہ ہو گئے۔



بارش خوب برس رہی تھی۔ کھلے آسمان کے نیچے وہ تن تنہا کھڑی‘ موسم کی ہولناکی کا نظارہ کر رہی تھی جب اچانک اس نے دیکھا کہ بادلوں کی گرج کے ساتھ آسمان پر دراڑیں پڑنا شروع ہو گئی تھیں‘ وہ خوف کے مارے سہم کر اندر کی طرف بھاگی مگر تب تک آسمان کا ایک ٹکڑا ٹوٹ کر زمین پر آ پڑا۔

آسمان کے ٹوٹنے کے ساتھ ہی زمین سے بادلوں تک پانی کی دیوار بن گئی اور یوں لگا جیسے دنیا پانی میں گھر کر رہ گئی ہو‘ ہر طرف چیخ و پکار شروع ہو گئی تھی۔ گوری نے لوگوں کے ساتھ اندھا دھند بھاگنا شروع کر دیا‘ اسے سمجھ ہی نہیں آ رہی تھی کہ یہ پل بھر میں کیا ہو گیا تھا۔

لوگ قیامت‘ قیامت پکار رہے تھے اس کا دل جیسے خون میں ڈوب کر رہ گیا‘ بس اتنی جلدی اختتام ہو گیا تھا دنیا کا؟! اتنی سی زندگی تھی اس کی؟

وہ بھاگتی جاتی تھی اور خوف سے روتی جاتی تھی‘ کسی کو نہیں پتا تھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے‘ عجیب افراتفری اور نفسانفسی کا عالم تھا‘ زمین اُدھڑتے ہوئے قالین کی مانند سمٹتی جا رہی تھی‘ نیچے گہرے کھدان اور آگ کا سمندر تھا‘ اس کی کچھ سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے‘ تبھی اسے زور کی ٹھوکر لگی اور وہ منہ کے بل گر گئی تھی‘ اسی اثناء میں منظر بدلا تھا اور اس نے اپنے سامنے سفید لباس میں ملبوس ایک نورانی چہرے والے نیک بزرگ کو دیکھا تھا۔ وہ تسبیح پر کچھ پڑھ رہے تھے اور گوری مٹی سے بے حال ان کے سامنے زمین پر اوندھے منہ گری زار و قطار رو رہی تھی۔ بزرگ نے آنکھیں کھول کر ایک نظر اسے دیکھا تھا پھر بارعب آواز میں بولے تھے۔

"اب کیوں روتی ہے بچی! اب تو عمر کی نقدی ختم ہو چکی‘ اب اگلے سفر کا سوچ۔ یہ دنیا تو صرف بازار تھی جس میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہیں دوسرے اربوں لوگوں کے ساتھ عمر کی مخصوص نقدی دے کر بھیجا تھا کہ جا! دنیا کے بازار سے اپنی آخرت کے لیے کچھ خرید لا‘ کیا خریدا تو نے؟ عمر کی ساری نقدی خرچ کر کے اپنی آخرت کے لیے کیا خریدا؟ نیکی یا برائی‘ آخرت کی فکر یا گمراہی‘ دین کی معلومات‘ سچے دین کا علم یا دنیاداری؟ جھانک اپنے گریبان میں اور دیکھ اپنی جھولی کی طرف...... صرف دنیاداری خریدی تو نے‘ عمر کی ساری نقدی خرچ کر کے کمایا تو کیا کمایا؟ صرف دنیاداری؟" بزرگ کی آواز میں جلال تھا وہ مزید بلک بلک کر رو پڑی۔

"دنیا والوں کی پروا کی تو نے‘ ان کی خوشنودی کا خیال رکھا‘ ان کی پروا کی‘ اپنے رب کا کیوں نہیں سوچا‘ جس

نے تجھے دنیا کے بازار میں خریداری کے لیے بھیجا تھا' اپنی آخرت کی فکر کیوں نہیں ہوئی تجھے...... کس گمان میں اپنے اصل سے غافل رہی تو' بول......" وہ کیا بولتی' بولنے کے لیے کچھ تھا ہی نہیں۔

"اب کیوں روتی ہے' اب تو اختیار میں کچھ بھی نہیں' عمر کی ساری نقدی' سارے ماہ و سال خرچ ہو چکے۔ بھٹک گئی تو بھی دنیا کے اس بازار میں' اب کس بات کا غم؟ دنیا والوں سے امید رکھی تو نے' رشتوں کی ڈوری میں الجھ کر دنیا کی طرف دیکھا' اپنے رب کی طرف کیوں نہیں دیکھا' جس کا در ہمیشہ کھلا رہتا ہے' جہاں ہمیشہ واپسی کا انتظار ہوتا ہے' عمر کی نقدی تک تجھے واپسی کا خیال نہیں آیا' اب جب اس نے ڈوری کھینچ کر واپس بلا لیا تو روتی ہے' اپنے اعمال پر غم کرتی ہے' بڑی بدنصیب ہے تو......" بزرگ کے جلال میں کوئی فرق نہیں آیا تھا' گوری کی آنکھ کھل گئی۔

آدھی رات کے اس پہر میں اس کا سارا وجود پسینے سے شرابور ہو چکا تھا' بدن پر ایک عجیب سی کپکپی طاری تھی' یہ کیسا خواب تھا؟ کیسی آگہی تھی؟ دنیا کے بازار...... عمر کی نقدی کی کیا کہانی تھی؟

وہ کیا نقصان تھا جس کا احساس اسے خواب میں دلایا جا رہا تھا؟ وہ کچھ دیر بستر پر بیٹھی سہمی رہی' پھر پانی پینے کے لیے اٹھی تو دوبارہ نیند ہی نہ آئی' دن بھر کام میں مصروف رہنے کی وجہ سے کتنی تھک کر سوئی تھی مگر اس عجیب وغریب خواب نے کتنا بے چین کر دیا تھا اور یہ پہلی بار تو نہیں تھا' بی اماں کے گھر بھی وہ ایسے خوابوں کی زد میں رہی تھی' کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے؟

شہر آنے کے بعد وہ بہت بدل گئی تھی' خود کو مصروف رکھنے کے لیے بہت سے کام ڈھونڈ لیے تھے اس نے مگر سکون تھا کہ ابھی بھی دسترس سے دور تھا۔

فجر کی نماز میں ابھی کافی وقت تھا' وہ وضو کر کے جائے نماز پر آ گئی' مختلف سوچوں اور ذہن میں بھٹکتے ڈھیروں خیالات کے ساتھ' جیسے تیسے اس نے تہجد کی نماز ادا کی۔ بی اماں بارہ نفل پڑھتی تھیں اس سے صرف آٹھ ادا ہو سکے تھے' نماز کی ادائیگی کے بعد ہاتھ دعا میں اٹھے تو صرف ایک ہی دعا لبوں پر آئی۔

"اے میرے مالک! مجھے اس روندی ہوئی دنیا سے بے نیاز کر دے' میں ان میں سے نہیں ہوں جن کے لیے یہاں سکون ہے' مجھے یہ دنیا داری نہیں چاہیے میرے مالک! مجھے وہ راستہ دکھا جو خیر اور نجات کا راستہ ہے۔ میں برائی اور برائی پھیلانے والوں سے بے نیاز ہوں' میرے ہر دانستہ و غیر دانستہ فعل کو پاک کر دے مالک! میری زبان' ہاتھ اور عمل کے شر سے ہر کسی کو محفوظ رکھ (آمین)۔" شفاف موتیوں کی طرح آنسو ٹوٹ ٹوٹ کر اس کے گالوں پر بکھر رہے تھے اور وہ روتی جا رہی تھی۔



مجھ سے بچھڑ کے تو بھی نہ پائے گا کبھی چین
آئیں گی یاد میری وفائیں تمام عمر
تجھ پر تھا اعتبار مگر اب نہیں رہا
اب غیر کو دکھانا ادائیں تمام عمر

ایان مل گیا تھا۔ وہ خوشی سے بے حال ہوتی اسے اپنی ماں کے پاس لے آئی۔ اسی اثناء میں اس کے سیل

نے بیٹری ختم ہونے کا سگنل دیا تھا' اس نے تیزی سے یہ قطعہ ٹائپ کیا اور عباد کو بھیج کر موبائل بند کر دیا۔

دل تھا کہ بھائی مل جانے کی خوشی کے باوجود جیسے غم سے پھٹا جا رہا تھا۔ وہ اسپتال سے نکل آئی۔ ارادہ گھر جا کر سب کو ایان کے مل جانے کی خوش خبری سنانے کا تھا' مگر قدم تھے کہ مزید چلنے سے انکاری ہو گئے تھے' بہت مجبور ہو کر اسے رکشہ لینا پڑا تھا۔ وہ زندگی میں بہت کم روئی تھی مگر اس وقت جانے کیا ہوا تھا کہ آنسو بھل بھل بہہ رہے تھے۔

"واہ ری غربت! تجھے کسی کی خالص محبت بھی نصیب نہیں۔"

"کہاں جانا ہے بی بی؟" رکشے والے کی آواز اس کی سماعتوں سے ٹکرائی تھی اور جانے کس بے خیالی میں اس کے لبوں سے نکلا تھا۔

"ساحل سمندر......"

پھٹ پھٹ کی تیز آواز کے ساتھ رکشہ چلتا رہا اور وہ خود میں کھوئی رہی' ہوش اس وقت آیا جب رکشہ ڈرائیور نے ساحل کے قریب لا اتارا۔

"ایک سو پچیس روپے ہو گئے باجی!"

"ایک سو پچیس؟" حقیقی معنوں میں وہ اب چونکی تھی۔

"ہاں جی' ایک سو پچیس! فارسی میں بولوں کیا؟"

دن بھر مشقت سے اکتایا رکشہ ڈرائیور تپا تھا۔ صاعقہ اپنی بے خبری پر جی بھر کے پچھتائی' مٹھی میں پکڑے پیسوں کی گنتی کرنے لگی' کل دو سو روپے تھے' اس نے ایک سو پچیس نکال کر رکشہ والے کو تھما دیے۔ رکشہ پھٹ پھٹ کرتا آگے بڑھ گیا جب کہ وہ ہونق سی وہیں کھڑی رہی۔

"کیوں آئی ہوں میں یہاں' بھلا میرا یہاں کیا ہے؟" منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی وہ سمندر کے قریب چلی آئی۔ اسے لگا جیسے سمندر کی ہر لہر اس پر ہنس رہی ہو۔

"سوری...... میں آپ کو نہیں جانتا...... اف کتنی اذیت تھی اس ایک جملے میں' کاش! وہ کسی کو بتا سکتی۔" وہ سن سی گھٹنوں کے گرد بازو لپیٹ کر بیٹھ گئی۔

"آپ کو کیا لگا میں آپ کے منہ سے اصل حقیقت جان کر آپ سے نفرت کرنے لگوں گا؟ دو حرف بھیج کر چلا جاؤں گا' اپنے اور میرے تعلق کو اتنا سستا مت کریں صاعقہ! پلیز......" وہ کہیں قریب ہی سے بولا تھا۔ وہ سر اٹھائے سمندر کی لہروں کو دیکھتی رہی۔

"تم باز نہیں آؤ گی ناں صاعقہ! مت چھوو راہیں جن پر چل کر پچھتانا پڑے' مڈل کلاس گھرانے کی لڑکی ہو تم' لوئر مڈل کلاس گھرانے کی' جہاں صرف خواب دیکھے جاتے ہیں' ان کی تعبیر پانے کی ضد نہیں کی جاتی۔" کتنی بلند بازگشت تھی سمندر کی لہروں کی' وہ اچانک پھٹ پڑی۔

"کیوں...... کیوں ضد نہیں کی جاتی۔ مڈل کلاس گھرانے کی لڑکیاں کیا انسان نہیں ہوتیں' ان کے سینے میں کیا دل کی جگہ پتھر ہوتا ہے؟ کیوں بانٹ دیا ہے محبت کو گھرانوں میں؟ کوئی اپنی رضا سے نصیب لکھوا کر لاتا ہے اپنے؟ کیوں روند دیا ہے معاشرے نے انسانوں کو اسٹیٹس میں بانٹ کر؟ مڈل کلاس گھرانے کی لڑکیاں

کہاں جائیں؟ کیوں پتھر سے بنا کھلونا سمجھ لیا ہے لوگوں نے مڈل کلاس گھرانے کی لڑکیوں کو کیوں......“
ساحل سمندر پر اس وقت زیادہ رش نہیں تھا لہٰذا کوئی اس کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ سمندر کی مسکراتی لہریں اب بھی اس پر ہنس رہی تھیں‘ اس نے اشتعال میں آ کر کئی پتھر اُٹھائے اور سمندر کی طرف اُچھال دیئے۔

”صرف مڈل کلاس گھرانوں کی میراث ہے یہ محبت سنا تم نے۔ اپر کلاس گھرانوں کی لڑکیاں یہ روگ نہیں پالتیں‘ سو حیلے ہوتے ہیں ان کے پاس خود کو مصروف رکھنے کے لیے نوکریاں‘ کلب‘ نیٹ‘ دوست اور نہیں تو ملک چھوڑ کر چلی جاتی ہیں وہ مگر...... مڈل کلاس گھرانے کی لڑکی تو کہیں جا بھی نہیں سکتی۔ ایک ایک محبت کو سنبھال کر اثاثے کی طرح رکھتی ہے‘ خواب دیکھتی ہے اور ٹوٹ جانے پر خاموشی سے اپنی ذات کی کرچیاں چن لیتی ہے‘ کوئی واویلا نہیں کرتی‘ کسی کلب‘ کسی انٹرنیٹ‘ کسی پارٹی میں سکون نہیں ڈھونڈ سکتی وہ‘ چھوٹی سی چار دیواری ہوتی ہے اور احساسات کا رستا لہو ہوتا ہے بس‘ کون قدر کر سکتا ہے مڈل کلاس لڑکی سے بڑھ کر محبت کی‘ بولو...... ہے کوئی جواب تمہارے پاس؟“ اس بار پھر وہ چلائی تھی‘ جواب میں سمندر کی لہریں خاموش ہو گئیں۔

”بہت اذیت ناک ہے یہ غریب ہونا بھی‘ نہ خودداری رہتی ہے نہ قدر۔ کاش! تم ادھوری تمناؤں کی اس اذیت کو سمجھ سکتیں‘ مگر میں یہ اذیت ساتھ لے کر نہیں چلوں گی‘ اس نے فریب کیا ہے تو کیا؟ مجھے اپنی قدر ہے‘ صاعقہ سو بار لعنت بھیجتی ہے ایسے دکھ اور ایسی محبت پر‘ سنا تم نے...... کبھی ٹوٹا ہوا نہیں دیکھو گی تم مجھے‘ کبھی نہیں......“ وہ چلا رہی تھی اور زار و قطار رو رہی تھی۔

”مڈل کلاس گھرانے کی لڑکی ہوں‘ جانور تو نہیں ہوں نا‘ پھر کیوں کیا اس نے میرے ساتھ ایسا‘ آخر کیوں؟“ اذیت تھی کہ کسی طور کم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔

”کیوں کہا اس نے کہ اسے میرے غریب ہونے سے فرق نہیں پڑتا‘ اسے کیا پتا کیا ہوتی ہیں مڈل کلاس گھرانے کی لڑکیاں۔ زندگی کی چھوٹی چھوٹی چیزوں چھوٹی چھوٹی خوشیوں کے لیے ترستی‘ ناجائز باتوں پر بھی بُری طرح پٹتی...... آہ!“

سورج ڈوبتا جا رہا تھا۔ وہ مغموم سی اٹھ کھڑی ہوئی۔

بچھڑنے کی اذیت کو
اگر تم جاننا چاہو
تو کچھ پل کو ذرا یہ سانس اپنی روک کر دیکھو
تمہیں محسوس یہ ہوگا
بچھڑنا ”موت“ جیسا ہے



”کیا بات ہے عباد! پریشان دکھائی دے رہے ہو؟“

وہ دوا لینے کے بعد گاڑی میں آ کر بیٹھا تھا‘ جب اسے خاموش پا کر ہادیہ نے پوچھا‘ عباد بنا کوئی جواب دیئے خاموشی سے گاڑی اسٹارٹ کرنے لگا۔

”بتاؤ نا! کیا ہوا ہے؟“

”کچھ نہیں یار! دوست کی وجہ سے پریشان ہوں‘ اس کی مما کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے۔“

”ایک تو تم بھی ناں! چن چن کر دکھی دوست بنا رکھے ہیں تم نے۔“ اس بار وہ پھر خاموش رہا۔

”اب میں ایسے موڈ کے ساتھ مارکیٹ نہیں جاؤں گی‘ بس گھر چلو۔“ وہ خفا ہوئی تھی‘ عباد نے خاموشی سے گاڑی گھر کے راستے پر ڈال دی۔

”تم بہت بُرے ہو عباد! کبھی کبھی شدید نفرت محسوس ہونے لگتی ہے مجھے تم سے۔“ اب وہ غبار نکال رہی تھی‘ عباد ہنوز خاموش رہا۔ وہ دل جلائی رُخ پھیرے بیٹھی رہی۔

”جانے کیوں مجھے لگتا ہے جیسے کہیں پر کچھ غلط ہے‘ تم کچھ چھپا رہے ہو مجھ سے‘ یاد رکھنا عباد! اگر تم نے مجھ سے کچھ غلط کیا تو میں کبھی تمہیں معاف نہیں کروں گی۔“

”ٹھیک ہے۔“ وہ جیسے بہت پریشان تھا۔

ہادیہ شدید غم و غصے کا شکار ہوئی‘ گاڑی رُکنے پر ایک جھٹکے سے نکل گئی۔

وہ گاڑی لاک کر رہا تھا جب اسے صاعقہ کا میسج موصول ہوا۔ دل کو کھینچ لینے والا قطعہ تھا۔ اس نے فوراً کال بیک کی مگر دوسری طرف سے کوئی جواب نہیں آ رہا تھا۔ اس نے بے ساختہ گاڑی کے بونٹ پر زور دار مکا رسید کیا۔

”کیوں کیا میں نے اس کے ساتھ ایسا؟ کیوں اتنا کمزور پڑ گیا میں‘ کیوں؟“ اپنے عمل اپنی حرکت پر اب اسے پچھتاوا ہو رہا تھا‘ مگر......

”مجھے معاف کر دو‘ میں بہت شرمندہ ہوں۔“

اگلے ہی پل وہ بڑبڑایا تھا مگر یہ پچھتاوا فی الحال اس کی بے چینی کو کم کرنے میں کسی طور معاون ثابت نہ ہو سکا۔

اسے خبر ہی نہیں تھی کہ آنے والے دن اسے مزید کیا کیا دکھانے والے ہیں۔



”سانول! تُو یہاں۔“

”ہاں آپا! حویلی چھوڑ آیا ہوں میں۔“

”ہائے او ربا! مگر کیوں......؟“

”بس‘ غلامی نہیں کر سکتا میں کسی کی۔“ وہ شکستہ دکھائی دے رہا تھا۔

آپا جو سانول کی پھوپھو تھیں اور خاندان میں برابر کا رشتہ نہ ملنے کے جرم کی پاداش میں کنواری ہی بڑھاپے کی دہلیز پر آ بیٹھی تھیں‘ آزردہ ہو گئیں۔

”بہت خراب ہے تُو سانول! بچپن سے جانتی ہوں تجھے‘ میری ہی گود میں پل کر جوان ہوا ہے‘ کیسے نہیں جانوں گی پھر‘ مگر دیکھ سانول! زندگی کے ہر معاملے میں اکڑ نہیں چلتی۔“

”خدارا پھوپو! مجھے کچھ بھی سمجھانے کی کوشش مت کرنا‘ آپ جانتی ہو ناں میں مکھی بیٹھے آٹے کی روٹی

نہیں کھاتا' وہ تو پھر لڑکی ہے جو دو روز گھر سے باہر گزار کر برآمد ہوئی ہے' نہیں چاہیے ایسی بچپن کی منگ اور اس کے ساتھ زمین جائیداد۔ میرا پہلے ہی دل نہیں تھا اُدھر' بھائی کو بول میرا حصہ مجھے دے دے۔'' کچھ بھی سننے پر آمادہ نہیں تھا وہ' پھوپو رنجیدہ سی سر جھکا گئیں۔

''اتنا غصہ اچھا نہیں ہوتا سانول! جو زیادہ اکڑ کر چلتا ہے وہ جب ٹوٹتا ہے ناں تو ٹوٹنے کی تکلیف برداشت نہیں ہوتی اس سے' خدا کا واسطہ ہے تجھے' زندگی کے ساتھ سمجھوتا کرنا سیکھ لے' ورنہ بہت پچھتائے گا۔''

''کہاناں پھوپو! کوئی نصیحت نہیں' اپنا حصہ تو میں لے کر ہی رہوں گا' چاہے کچھ ہوجائے۔'' وہ اشتعال کا شکار ہورہا تھا۔ پھوپو بے بسی سے اس کا منہ دیکھتی رہ گئیں۔

اسی شام انہوں نے حویلی جاکر بہزاد کے بڑے بھائی سے بات کی تھی اور انہیں ہر ممکن طور سے سمجھانے کی کوشش کی مگر نتیجہ کچھ بھی نہ نکلا تھا۔ دونوں بھائی اپنی اپنی ضد پر اڑتے تھے' نتیجتاً سانول شاہ نے حتمی قدم اٹھالیا۔ دوست تو گاؤں میں بھی کم نہیں تھے اس کے' پھر بھی شہر سے کئی غنڈے بلوائے تھے اس نے' تاہم اس کے اس اقدام کی خبر اس کے بھائی کو ہوگئی تھی اور اس نے بھی طیش میں آکر تیاری مکمل کرلی۔

آپا کی نہ پہلے کوئی اہمیت تھی نہ اس وقت ہی وہ کچھ کرسکیں۔ وہ چوہدری خاندان جس نے صرف بے بس نادار لوگوں پر ظلم کرنا سیکھا تھا اب اسی کا تماشہ لگا تھا اور گاؤں کے بے بس نادار لوگ تماشائی تھے۔

دونوں طرف برابر کی جنگ تھی کہ اچانک منظر بدل گیا۔

سانول شاہ کے بھائی کے پسٹل سے نکلنے والی دو گولیاں جو سانول کے وجود میں اُتری تھیں' ساری کہانی کا پانسہ پلٹ گئی تھیں۔ دونوں طرف طاقت کا تصادم تھا اور اس تصادم میں ہار سانول شاہ کا مقدر بن گئی تھی۔

◇ ◇ ◇

''اب گڑیا کی طبیعت کیسی ہے؟''

رات بھر جاگ کر اپنی بیٹی کے سرہانے بیٹھے رہنے کے بعد وہ صبح تھوڑی دیر کے لیے کمرے سے باہر گیا تھا' جب امامہ نے اس سے پوچھا۔ وہ رات دیر تک گڑیا کے پاس بیٹھ کر اسے مختلف کہانیاں سناتی رہی تھی۔ کل فجر سے لے کر پورا دن اور پوری رات' گڑیا نے اسے اپنے ساتھ ہی مصروف رکھا تھا۔ اس اثناء میں کئی بار ارسلان کا فون آیا تھا اور اس نے اسے شجاع کو وہ دوا دینے پر مجبور کیا تھا' جو اس نے خود امامہ کو دی تھی۔

جانے کیا بات تھی کہ کل سے اب تک وہ اسے ٹال رہی تھی' شاید گڑیا کی طبیعت کی وجہ سے مگر اب جب کہ وہ خفا ہونے لگا تھا تو اس نے ہمت باندھ لی۔

قدرت اللہ صاحب ابھی کمرے سے نہیں نکلے تھے' اس نے شجاع کو کچن میں ہی روک لیا۔

''پہلے سے بہتر ہے۔''

بنا اس کی طرف دیکھے وہ جواب دے کر کچن سے نکلنے لگا تھا' جب اس نے پھر پکار لیا۔

''سنیں! میں ناشتہ تیار کررہی ہوں پلیز آج کرکے جائیے گا۔''

''کوئی ضرورت نہیں' اس گھر میں ہر کام کے لیے ملازم موجود ہیں' آپ کو کسی بھی زحمت کی کوئی ضرورت نہیں مس امامہ! ہاں ابا جی چیک اپ کے لیے آپا کے ساتھ ہی بیرون ملک جارہے ہیں' ہفتہ دو ہفتہ کے لیے ان کا سامان پیک کردیجیے گا۔ دوپہر میں گاڑی آئے گی انہیں لینے۔''

''آپ نہیں آئیں گے۔'' اس کے احکامات کے جواب میں فوری اس نے پوچھا تھا جب وہ بولا۔

''نہیں......'' اور وہ مایوس ہوکر رہ گئی۔

دوپہر سے پہلے ہی فائزہ آپا اس سے ملنے چلی آئیں۔ وہی ان کا پیار' وہی شجاع کی باتیں اور وہی اسے بار بار اپنا خیال رکھنے کی ہدایت' وہ عورت مجسم پیار تھی۔ امامہ کو ان سے باتوں میں وقت گزرنے کا پتا ہی نہیں چلا۔

وہ رخصت ہوگئی تھیں' قدرت اللہ صاحب بھی جاتے ہوئے اسے خوب پیار کرکے گئے تھے۔ وہ کتنی ہی دیر اُن کے جانے کے بعد آزردہ سی بیٹھی رہی' پھر ارسلان کی کال آگئی تو نئے سرے سے بے کلی کا شکار ہوکر رہ گئی۔

شجاع شام میں جلد لوٹ آیا تھا' وجہ گڑیا کی طبیعت کی خرابی تھی' وہ کھانا کھا کر آیا تھا۔ امامہ نے اسے شربت کا گلاس لا تھمایا۔

''تھک کر آئے ہیں' میرے ہاتھ کا پانی تو پی ہی سکتے ہیں آپ۔''

شجاع کے دیکھنے پر اس نے فوری وضاحت دی تھی جواب میں وہ گلاس تھام کر ایک ہی سانس میں خالی کرگیا۔

''شکریہ!''

شروب پی کر فوراً اٹھتے ہوئے وہ اپنے کمرے کی طرف بڑھ گیا تھا جب کہ وہ گہری سانس بھر کر باہر لان کی طرف چلی آئی جہاں اس نے ارسلان کو کال کی تھی۔

''ہیلو ارسلان! خوش ہوجاؤ' میں نے شجاع کو وہ دوا پلادی۔''

''شاباش! کب پلائی؟'' فوری کال پک کرتے ہوئے وہ بے تحاشا خوش ہوا تھا۔ جب وہ بولی۔

''ابھی دو منٹ پہلے' بتاؤ اب کیا کرنا ہے؟''

''انتظار! ایس پی شجاع حسن کی موت کا انتظار۔''

''کیا مطلب؟'' اس کا دل بہت زور سے دھڑکا تھا۔ دوسری طرف وہ دل کھول کر ہنسا۔

''مطلب تھوڑی ہی دیر میں اس کی زندگی کا چراغ گل ہوجائے گا' کیونکہ تم نے اسے بے ہوشی کی دوا نہیں زہر پلایا ہے جان! اب دیکھنا ساری کہانی ٹھیک ہوجائے گی۔''

وہ خوش ہورہا تھا۔ امامہ کے ہاتھ سے موبائل گر پڑا۔ یہ کیا ہوگیا تھا اس کے ہاتھوں۔ وہ چکراتے سر کو تھامتی وہیں بیٹھ گئی۔

(باقی آئندہ ماہ انشاءاللہ)



محبت ابد کی صورت

غزالہ عزیز

دلوں میں دوریاں اتنی نہیں تھیں
بظاہر ہم میں جتنے فاصلے تھے
اسے معلوم کیا' ہم اس کی خاطر
چراغوں کی طرح شب بھر جلے تھے

''کسی سراب کے پیچھے بھاگتے رہنا جبکہ منزل ملنے کی امید بھی نہ ہو تو کیا یہ اپنی قیمتی زندگی کا زیاں نہیں.....؟ کیا ایسا نہیں ہوسکتا کہ ہم انسان ناممکن کو ممکن بنانے کی لاحاصل سعی کرنے کے بجائے سمجھوتا کرتے ہوئے کسی ایسے بڑھتے ہوئے ہاتھ کو تھام لیں جو پورے خلوص اور محبت کے ساتھ ہماری جانب بڑھایا گیا ہو؟'' میں نے شاکی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھا۔ وہ جو ساحل سمندر پر ہوا کے سرد جھونکے سے جھرجھری لیتے ہوئے دونوں بازوں کا حصار اپنے گرد بے خیالی میں باندھ رہی تھی شاید سردی کے شدید احساس کو زائل کرنے کے لیے.....

مگر اس کی اس بے دھیانی پر مجھے غصہ آنے لگا کہ وہ اتنی بڑی بڑی باتیں اتنی آسانی سے کیسے کہہ جاتی ہے؟ کیا میرا دل، میرا نقصان اتنا چھوٹا اور بے معنی ہے کہ وہ مجھے تسلی بھی ایسے دے رہی ہے جیسے محبت کرنا، اسے کھونا اور ہنستے ہوئے یہ کہہ کر آگے بڑھ جانا کہ ''یہی ہماری تقدیر میں درج تھا کہ وہ ہمارے نصیب کی نہیں تھی۔ تو معید حسن! تم بھی اسے بھول کر خوابوں کی ریت اڑاتے ہوئے کسی اور منزل کی جانب آگے بڑھ جاؤ۔'' اسے اندازہ ہی نہیں تھا کہ ان دنوں میں کس ذہنی اذیت سے گزر رہا تھا اور وہ مجھ سے سمیرا علی کو بھول جانے کی بات کر رہی تھی تب میں نے طنزیہ لہجے میں کہا تھا۔

''ہاں! تم تو یہی کہو گی۔ تمہارے لیے یہ سب کہنا بہت آسان جو ہے حالانکہ تم میری بہترین دوست ہو۔ مجھے تم سے ہرگز یہ امید نہیں تھی کہ تم بھی سب گھر والوں کی طرح مجھے سب کچھ بھول جاؤ یا مٹی پاؤ کا سبق دو گی؟'' میں سچ مچ اس سے ناراض ہوگیا۔

''پلیز معید حسن! میرا ہرگز یہ مقصد نہیں تھا۔ نا ہی میں تمہیں اسے بھول جانے کے لیے کہہ رہی ہوں۔ میں جانتی ہوں، کسی کو بھول جانا۔ وہ جو آپ کو اس دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہو، آسان نہیں ہوتا۔'' وہ بہت دھیمے دھیمے اور افسردہ لہجے میں کہہ رہی تھی اور میں یک دم ہی اس کے انداز ہی نہیں' لفظوں کی ادائیگی پر بھی ٹھٹکا تھا۔ میں نے اس کے چہرے کو غور سے دیکھا۔ واقعی وہ میرے لیے افسردہ اور دکھی دکھائی

دے رہی تھی۔ میں چاہتا تھا کہ وہ سر اٹھا کے براہ راست میری آنکھوں میں دیکھ کر بات کرے مگر وہ سر جھکائے شاید ہمارے قدموں کے نیچے اچھلتی کودتی لہروں کو دیکھ رہی تھی۔ بہرحال مجھے اس کے ان چند لفظوں نے ہی دلاسہ دیا تھا۔

''میں تو صرف اتنا کہہ رہی ہوں کہ تمہارے سوگ منانے یا پڑھائی کے ساتھ ساتھ تمام ضروری کاموں کو چھوڑ دینے سے اگر سمیرا علی تمہیں مل جائے گی تو ضرور ایسا کرو مگر ایسا سب کچھ کرنے کے بعد بھی سمیرا علی تمہیں نہیں ملے گی۔ اسے تمہاری طرف لوٹنا ہوتا تو کبھی اپنے ماں باپ کے طے کردہ رشتے پر سر جھکا کے چپ چاپ کسی اور سے شادی پر تیار ہرگز نہیں ہوتی اور بدقسمتی سے ایسا ہو چکا ہے۔ وہ کسی اور کی ہونے جا رہی ہے۔ اب تمہارا اس پر کوئی حق نہیں رہا پھر اپنی زندگی برباد کرنے پر کیوں بضد ہو معید حسن!'' اس بار وہ سر اٹھائے خفا نگاہوں سے مجھے دیکھ رہی تھی اور نجانے اچانک مجھے کیا ہوا کہ بے اختیار سامنے کھڑی اس کانچ سی لڑکی کے دونوں بازو اپنی مضبوط گرفت میں جکڑتے ہوئے انتہائی طیش کے عالم میں بولا۔

''یہ سب تم اس لیے کہہ رہی ہو نا کہ تم نے خود کبھی محبت نہیں کی۔ تم بے حس ہو مایا! تم پتھر کی طرح سخت اور برف کی طرح سرد احساسات کی مالک ہو ورنہ اس تکلیف کی گھڑی میں تم میرے ساتھ بیٹھ کر یہاں نصیحتیں کرنے کے بجائے میرے دکھ میں میرے ساتھ مل کر روتی نظر آتیں۔'' پھر میں نے جھٹکے سے اسے پرے دھکیلا تھا۔ وہ شدید حیرانی اور دکھ کے ساتھ مجھے ساکت کھڑی دیکھ رہی تھی اور اس کی آنکھیں......! اس وقت اس کی آنکھوں میں میرے لیے صرف دکھ نہیں بلکہ کچھ اور بھی تھا۔ میں نے چونک کر اس کی طرف دیکھا تھا مگر وہ یک دم ہی وہاں سے بھاگتی ہوئی میرے احساسات کو چھوتی بہت دور نکلتی چلی گئی۔ میں وہیں ساحل پر ساکت کھڑا تھا۔ یکا یک پانی کی زوردار لہر نے میرے قدموں کو ڈگمگایا تو میں ہوش کی دنیا میں واپس آ کے بے اختیار ہی اس کے قدموں کے نشانوں پر قدم رکھتا کسی تھکے ماندے مسافر کی طرح سڑک کے کنارے کھڑی اپنی گاڑی کی جانب چل دیا۔

سست رفتار میں گاڑی چلاتے ہوئے میرا دماغ اس گتھی میں الجھ کر رہ گیا کہ اچانک مایا کو کیا ہو گیا؟ ٹھیک ہے میں یک دم بہت تلخ ہو گیا تھا اس کے ساتھ لیکن اگلے لمحے اپنی شدید زیادتی کا احساس ہوتے ہی میں اس سے معذرت کرنا چاہ رہا تھا، لیکن وہ...... مجھے سمجھ نہیں آ رہا۔ مایا نے ایسا ردعمل کیوں دیا اور اس کی آنکھیں......! اس کی آنکھوں میں اس لمحے کیا تھا۔ اس سے پہلے کہ اس پریشانی میں مجھ سے کوئی حادثہ سرزد ہوتا۔ میں نے پوری توجہ ڈرائیونگ پر مرکوز کرتے ہوئے ذہن کو ہر شے سے آزاد کر دیا۔ مجھے گھر پہنچنے کی جلدی تھی مگر مجھے نہیں معلوم تھا کہ میں اس روز کے بعد مایا سے کبھی نہیں مل سکوں گا۔ میری بہترین دوست مجھے چھوڑ کے اور مجھ سے خفا ہو کر جانے کہاں چلی گئی؟



''یہاں رہ کر کوئی تماشا کرنے سے بہتر ہے کہ تم عرفان کے پاس برطانیہ چلے جاؤ۔ تمہارے ویزے اور ٹکٹ کا انتظام ہو چکا ہے۔'' ابو نے اس سے پہلے کبھی مجھ سے اتنے سخت اور دوٹوک لہجے میں بات نہیں کی تھی اور میں جو ان کی طرف سے تسلی یا دلاسے کی امید کر رہا تھا، ان کے بے رحمانہ فیصلے پر غصے میں آ گیا۔ وہ جانتے تھے کہ اس وقت مجھے سب گھر

والوں کی ہمدردی کی ضرورت ہے مگر انہوں نے تو جیسے میرے لیے سزا تجویز کر دی تھی۔ اسی لیے میں بھی غصے میں بپھر اٹھا۔

''میں کہیں نہیں جاؤں گا۔ ہرگز نہیں جاؤں گا۔ جب تک......''

''جب تک تم ہماری عزت کا جنازہ نہیں نکال دیتے۔ خاندان بھر میں ہمیں ذلت اور رسوائی سے دوچار نہیں کر دیتے۔ ہیں نا! یہی ارادے ہیں نا تمہارے؟'' ابو نے غصے سے دھاڑتے ہوئے کہا۔

''ابو میں تو صرف......''

''بکواس بند کرو۔ یہ رشتے داری کا معاملہ ہے۔ ہم بھی بیٹی کے ماں باپ ہیں۔ کسی کی بیٹی کی عزت پر حرف آئے...... ہرگز نہیں! اگر تم سمجھ رہے ہو کہ تم عین سمیرا کی شادی والے روز کوئی فلمی قسم کا ہنگامہ کرو گے تو یاد رکھنا' میں اپنے ہاتھوں سے گولی مار دوں گا۔'' ابو غصے سے کانپنے لگے تھے۔ تب ہی امی نے تیزی سے انہیں تھام کر صوفے پر بٹھایا تھا۔

''ابو پلیز! میرا ایسا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ میں تو صرف یہ کہہ رہا تھا......''

''بس کرو معید حسن! اب کیا اپنے باپ کو موت کے منہ تک پہنچا کر دم لو گے؟ جانتے ہو وہ دل کے مریض ہیں۔ ان کا بلڈ پریشر ہائی ہو رہا ہے اور یہ ان کے لیے کتنا خطرناک ہے۔ چلے جاؤ تم یہاں سے ورنہ...... ورنہ انہیں کچھ ہو گیا تو میں تمہیں کبھی معاف نہیں کروں گی۔''

ابو کی طبیعت واقعی بگڑنے لگی تو میں چپ چاپ وہاں سے چلا آیا اور میں نے جو سوچا تھا کہ جب تک وہ بے وفا اپنے شوہر کے ساتھ شادی کر کے رخصت نہیں ہو جاتی تب تک میں اس ملک تو کیا' اس شہر سے بھی قدم باہر نہیں نکالوں گا لیکن گھر والوں کے اصرار اور امی کی التجا پر مجھے اپنا فیصلہ بدلنا پڑا اور سمیرا کی شادی والے روز، جب اس کا نکاح تھا...... مجھے اچھی طرح یاد ہے' اس روز بہت بارش ہو رہی تھی شاید آسمان بھی میرے دکھ پر رو رہا تھا تب میں بارش اور اپنے آنسوؤں میں بھیگتا ایئرپورٹ روانہ ہو گیا۔ جہاز میں بیٹھ کر میں نے عہد کیا تھا کہ اب میں کبھی اس ملک میں لوٹ کر نہیں آؤں گا۔ وہ ملک جہاں میری محبت نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ وہی ملک جہاں میری سب سے اچھی دوست مجھ سے روٹھ کر چلی گئی تھی۔



لندن کی بھاگتی دوڑتی اور مصروف زندگی میں میں جلد ہی کھو گیا۔ لندن شہر میں عرفان چاچو کا ذاتی اسٹور تھا۔ انہوں نے رہائش کے ساتھ ساتھ میری نوکری کا مسئلہ بھی جلد ہی حل کر دیا۔ میں تعلیم مکمل نہ ہونے کی وجہ سے دن بھر ان کے اسٹور پر سیلزمین کی نوکری کرتا۔ شام کو ان کے گھر کے آؤٹ ہاؤس میں آ کر لندن کی راتوں میں خون منجمد کرتی ٹھنڈ سے بچنے کے لیے چمڑے کا لمبا کوٹ پہن کر سڑکوں پر رات گئے تک آوارہ گردی کرنے نکل جاتا۔ بس دنوں، ہفتوں اور مہینوں کے گزرتے میرا یہی معمول بنتا چلا گیا۔ دن بھر کام کرتا اور شام گہری ہونے کے بعد یخ بستہ راتوں کی دھند میں کھو جاتا۔ چاچو مجھے اپنے ریسٹورنٹ میں مینیجر کی حیثیت سے بھیجنا چاہتے تھے مگر میں نے انہیں منع کر دیا تو انہوں نے مجھے اسٹور کا انچارج بنا دیا یوں میری ذمے داری ضرور بڑھی مگر اب پہلے جیسی محنت نہیں کرنی پڑتی تھی البتہ لندن کے معمولات نے مجھے جکڑ لیا تھا مگر یہاں کی آزاد منش زندگی میرے لہو کے ساتھ دوڑتی شرافت کو نہ مار سکی تھی۔ البتہ کبھی کبھی وہسکی ضرور پی لیتا تھا۔ لندن کی

سردی اور سمیرا کی بے وفائی کا دکھ مل کر کبھی کبھی مجھے بے بس کردیتے تھے حالانکہ امی نے چلتے وقت کتنی نصیحتیں کی تھیں مگر میں بس اس ایک نصیحت پر عمل نہ کرسکا تھا۔

اس روز بارش ہورہی تھی۔ شام سات بجے اسٹور بند کرکے میں گھر چلا آیا تھا تب چچی نے مجھے بتایا کہ پاکستان سے میری ڈاک آئی ہے۔ مجھے حیرانی ہوئی تھی۔ فون اور نیٹ کے توسط سے گھر میں سب سے بات ہوجاتی تھی پھر یہ خط بھیجنے والا عزیز کون تھا......؟ بہرحال پہلے ٹھنڈ سے بچنے کے لیے میں نے کچن میں جاکر اپنے لیے کافی بنائی تھی۔ پھر آوٹ ہاوس میں اپنے کمرے میں آتش دان کے پاس بیٹھا وہ گلابی رنگ کا لفافہ کھولنے لگا جو پاکستان سے میرے نام آیا تھا لیکن یہ کیا......! یہ خط نہیں تھا۔ صرف ایک نظم تھی اور بھیجنے والے نے اپنا نام پتا نہیں لکھا تھا۔

بارشوں کے موسم میں
لوگ روٹھ جاتے ہیں
یوں ہی باتوں باتوں میں
دل بھی ٹوٹ جاتے ہیں
اک ذرا سی رنجش سے
اک ذرا سی تلخی پر
ساتھ چھوٹ جاتے ہیں!
جن لوگوں سے تقدیر نہیں ملتی
پھر وہی لوگ کیوں
دل میں بس جاتے ہیں؟
بات گر دل کی ہے!
تم سے پھر یہ کہنا ہے
اگرچہ تم کو مجھ سے محبت نہیں ہے!
مگر تمہیں معلوم ہی کب ہے!
کہ تم برسوں سے آرزو ہو اس دل کی
چلو چھوڑو محبت کو!
اور تم یہ سمجھو!
دوستی نے ہاتھ بڑھایا ہے
تمہیں جاناں!
برستی بارشوں نے پھر بلایا ہے
وہ گلیاں، وہ رستے
وہ لہجے، وہ چہرے
سب ہی تم کو یاد کرتے ہیں
چلے بھی آؤ اب جاناں!
بارشوں کے موسم میں
کسی سے روٹھنا نہیں اچھا
سنو! اب سارے جھگڑے بھول جاؤ نا!
سنو! تم لوٹ آؤ نا!
سنو! تم لوٹ آؤ نا!

"سنو! تم لوٹ آؤ نا!" میں نے زیر لب دہرایا۔ "کون ہوسکتا ہے یہ......کیا سمیرا؟ نہیں وہ کیسے ہوسکتی ہے۔ وہ شادی کے بعد بہت خوش تھی اور ایک سال بعد ہی اٹلی چلی گئی تھی اور اسے معلوم ہی کب ہے کہ میں لندن میں ہوں پھر کون ہے یہ......؟" ہاتھ میں گلابی کاغذ تھامے میری نگاہیں کسی کی التجا پر ٹھہر گئی تھیں۔ کوئی گزارش تھی یہ......!

سنو اب تم سارے جھگڑے بھول جاؤ نا!
سنو! تم لوٹ آؤ نا!

میں نے گلابی کاغذ احتیاط سے تہہ کرکے اپنی ڈائری میں رکھ لیا۔ اگر بارش نہ ہورہی ہوتی تو اس وقت میں یقیناً لندن کی کہر آلود سڑکوں پر آوارہ گردی کررہا ہوتا مگر اب آتش دان کے سامنے بیٹھا ماضی کی راکھ کریدنے لگا۔ آج بھی میں صرف سمیرا علی کے بارے میں سوچ رہا تھا۔ محبت آج بھی اک خوب صورت یاد بن کر میرے پاس تھی اور دوستی کو میں

فراموش کرچکا تھا۔ میں تو شاید ماما کو بھی فراموش کرچکا تھا۔ میرا پاکستان جانے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ یہاں کے سرد موسم اور ایک دوسرے سے بے گانے اپنی زندگی میں مست بے حس لوگوں کے ساتھ اٹھتے بیٹھتے میں بھی شاید جذبات واحساسات سے عاری ہوتا جارہا تھا۔ چاچو اور چچی جان سے میری خاصی بے تکلفی تھی۔ وہ میرے بارے میں سب کچھ جانتے تھے اگرچہ چچی جان نے ایک دو بار مجھے شادی کے لیے راضی کرنے کی کوشش بھی کی تھی لیکن میرے صاف انکار کے بعد انہوں نے مزید اصرار کرنا چھوڑ دیا ان کے بچے چھوٹے تھے پھر وہ جاب بھی کررہی تھیں۔ چاچو کے ساتھ مل کر باقاعدہ ریسٹورنٹ کی ساری مینجمنٹ کا کام سنبھال رکھا تھا۔ ان دونوں کی اپنی زندگی کے معمولات بہت لگے بندھے اور مصروف تھے وہ اس میں مگن رہتے۔ میرے لیے یہی کافی تھا کہ دیارِ غیر میں مجھے نوکری کے ساتھ اپنے سگے رشتوں کا ساتھ بھی میسر تھا۔ بہرحال اگلے روز پاکستان سے آنے والی کال نے میرے ارادے اور فیصلے کی پتھریلی دیوار میں دراڑ ڈال دی۔

رمشہ کا فون آیا تھا۔ وہ رو رہی تھی۔ ابو اسپتال میں تھے۔ انہیں انجائنا کا اٹیک ہوا تھا۔ وہ مجھے یاد کررہے تھے۔ مجھ سے ملنا چاہتے تھے حالانکہ میں کبھی ان کا لاڈلا بیٹا نہیں رہا تھا۔ میرا خیال تھا کہ وہ مجھ سے چھوٹے درید سے سب سے زیادہ پیار کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اکلوتی بیٹی رمشہ سے بھی انہیں بہت پیار تھا۔ اس لیے شاید میرے لیے گنجائش نہیں رہی تھی یا پھر یہ محض میری سوچ تھی۔ میں نے رمشہ کو ڈھیروں تسلی دی تھی۔ اگرچہ اتنی جلدی اور اچانک واپسی اتنی آسان نہ تھی تاہم میں نے اس سے جلد پہنچنے کا وعدہ کیا۔ امی کو بھی حوصلہ دیا تھا۔ وہ ابو کی وجہ سے بے حد

پریشان تھیں تب مجھے یاد آیا کہ سمیرا سے پہلے اگر کوئی مجھ سے بہت محبت کرتا تھا تو وہ امی تھیں۔ میں امی کا لاڈلا تھا۔ میری ساری غلطیوں اور کوتاہیوں کا ہمیشہ وہی پردہ رکھتی تھیں۔ شاید سمیرا سے پہلے اور زیادہ امی مجھ سے محبت کرتی تھیں۔ اس کا احساس اب مجھے اتنی دور آ کر ہو رہا تھا ورنہ سمیرا کی محبت نے مجھے سب سے بےگانہ کر دیا تھا۔

دو دن بعد میں پاکستان جانے والے برٹش ائیرویز کے جہاز میں بیٹھا سوچ رہا تھا کہ میں نے اپنے ساتھ ساتھ بہت سے لوگوں کے ساتھ زیادتی کی۔ ان کی محبت کو آزمائش میں ڈالا۔ لندن آنے کے بعد بار ہا ابو نے مجھے واپس بلانے کی خواہش کا اظہار کیا تھا مگر میں ان سے ناراض تھا۔ اس لیے انہیں مایوس کرتا رہا۔ میں کب جانتا تھا کہ وہ امی کی وجہ سے مجھے واپس آنے کے لیے کہتے ہیں۔ جن کی ممتا اور محبت کا احساس یک دم ہی مجھے خود کو ملامت کرنے پر مجبور کر گیا تھا۔ فقط ایک محبت کے لیے میں اپنے پیچھے کتنی محبتوں کو ٹھکرا آیا تھا اور اب ابو کی بیماری کا سن کر میرا دل چاہ رہا تھا کہ اڑ کر ان کے پاس پہنچ جاؤں اور اپنی گزشتہ برسوں کی کوتاہیوں کی معافی طلب کروں۔ اس وقت بہت مضطرب تھا میں۔ میں نے یکدم ہی پرسکون ہونے کے لیے سیٹ کی پشت سے ٹیک لگالی۔ کوئی میرے برابر والی سیٹ پر آ کر بیٹھا تھا۔ میں نے کاہلی میں آنکھیں کھول کر دیکھنے کی زحمت نہیں کی تھی۔

"پلیز! اپنی سیٹ بیلٹ باندھ لیں۔ جہاز اڑنے والا ہے۔" ایک شائستہ سی نسوانی آواز دلکش انگلش لب و لہجے کے ساتھ میری سماعتوں میں اتری تو میں نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں اور پھر جیسے بند کرنا بھول گیا۔ "بیلٹ باندھ لیں۔" وہ میری محویت پر مسکرائی اور اس نے پھر دہرایا تھا مگر میں یک ٹک اسے دیکھ رہا تھا جبکہ وہ بالکل پرسکون تھی جیسے مجھے پہچانی نہیں ہو یا پھر معید حسن نامی شخص کو فراموش کر چکی ہو۔ مجھے کسی مجسمے کی طرح بدستور اپنی جانب تکتے دیکھ کر اس نے بڑی بےتکلفی سے ہاتھ بڑھا کر میری سیٹ بیلٹ باندھ دی تھی تب میں چونک کر اپنی محویت پر خجل ہوتے مسکرانے لگا مگر وہ یوں ہی خفا خفا سی بیٹھی مجھے دیکھتی رہی۔

"تم بالکل نہیں بدلے معید حسن!"

"مگر تم بہت زیادہ بدل گئی ہو۔" میں نے بےساختہ کہا تھا۔

"مثلاً!"

"مثلاً! پہلے سے زیادہ سوبر اور......"

"اور......؟" اس نے امید بھرے لہجے میں بےساختہ پوچھا۔

"اور پہلے سے زیادہ خوب صورت بھی۔" میں شرارت سے مسکرانے لگا تھا۔

"اور تم پہلے سے زیادہ بےباک ہو گئے ہو۔ لندن کے ماحول اور فضاؤں کا اثر ہے یقیناً!" وہ خفگی سے دوسری جانب دیکھنے لگی۔ بقیہ وقت خاموشی کی نذر ہو گیا۔ میری طبیعت میں عجیب سی پژمردگی اُمڈ آئی تھی۔ نہ جانے کتنا وقت گزرا۔ بالآخر ائیر ہوسٹس نے جہاز میری سرزمین پر جا اترنے کی خبر سنائی تھی۔ وہ اپنی سیٹ بیلٹ کھولنے لگی تھی۔ تھوڑی دیر بعد ہم دونوں کراچی ائیرپورٹ پر موجود تھے۔

"تم نے شادی کر لی مایا؟"

ہم اپنا سامان لینے کے بعد قریبی کافی شاپ میں چلے آئے تھے۔ اس وقت پاکستان میں شام کے چھ بج رہے تھے لیکن باہر بارش کی وجہ سے رات کا سا سماں تھا۔ بادلوں نے آسمان کے شفاف سینے کو

بدلیوں کی سیاہ چادر سے ڈھانپ دیا تھا اور میں نے اس سے بےساختہ سوال کر ڈالا تھا۔ بنا سوچے سمجھے۔ کتنی عجیب بات تھی جب میں پانچ برس قبل یہاں سے جا رہا تھا تب بھی بارشوں کا موسم تھا اور آج بھی وہی جل تھل تھی۔ میں تو ابو کی طبیعت کی خرابی کی پریشانی میں کسی کی کچھ روز پہلے کی "التجا" کو فراموش کر بیٹھا تھا۔ جب کسی نے میرے لوٹ آنے کی خواہش کی تھی۔ میرے بےساختہ سوال کرنے پر اس نے جل کر کہا تھا۔

"ہاں کر لی اور چھ بچے بھی ہیں۔"

"کیا! چھ بچے؟" مجھے سن کر سچ مچ کرنٹ لگا تھا۔ وہ مجھے پانچ برس پہلے چھوڑ کر گئی تھی اور کہہ رہی تھی کہ اس کے چھ بچے ہیں۔ میں نے اس کی دماغی حالت پر شبہ کرتے یقین دہانی چاہی تھی۔ "مایا! تم سچ کہہ رہی ہو؟ مگر چھ بچوں کے بعد تم اتنی خوب صورت، سلم اور اسمارٹ کیسے رہ سکی ہو؟ مجھے بالکل یقین نہیں آ رہا۔"

"تو مت کرو یقین...... کس نے کہا ہے یقین کرنے کو......؟ تم تو ہو ہی بےاعتبار سدا کے۔" اس لہجے میں کچھ خاص تھا کہ میں چونک اٹھا۔ وہ اپنے حصے کی کافی ختم کر کے اٹھ کھڑی ہوئی تھی تب بےاختیار ہی میں نے اس کی کلائی تھام لی۔

"پلیز مایا! کچھ دیر اور بیٹھو نا! کتنے عرصے بعد ہماری ملاقات ہوئی ہے۔" میں نے التجا کی تھی۔

"سنو! تم لوٹ آؤ نا!" کسی کے لکھے جملے کی بازگشت اسی لمحے میرے کانوں میں گونجی تھی۔ یکا یک اس لمحے مجھے وہ گلابی کاغذ یاد آیا تھا جس پر پاکستان سے کسی نے ایک "التجا" لکھ بھیجی تھی۔

"نہیں، مجھے دیر ہو جائے گی۔ مجھے گھر پہنچنا ہے وقت پر، میری اسی ہفتے شادی ہو رہی ہے۔" اس نے سپاٹ لہجے میں کہا تھا اور میں نے یک دم ہی اس کی کلائی چھوڑ دی تھی۔ جانے اس لمحے میرے چہرے پر کون سا تاثر ابھرا تھا مگر میں صرف مایا کے چہرے کے تاثرات دیکھ رہا تھا۔ وہ بےحد سپاٹ لہجے میں اتنی بڑی خبر مجھے سنا رہی تھی۔

"پانچ سال پہلے میں بھائی اور بھابی کے اصرار پر جرمنی چلی گئی تھی۔ اب پاکستان میں پاپا اور مما نے میری شادی طے کر دی ہے۔ اس لیے واپس لوٹنا پڑا۔"

"تم شادی کر رہی ہو؟" میرے لبوں سے جانے کیسے سوال پھسل گیا تھا۔

"کیوں...... نہیں کروں کیا؟ تم نے بھی تو لندن میں کسی میم شیم سے کر لی ہو گی۔ تم مرد کب محبت کو جی کا روگ بناتے ہو...... تمہیں تو زندگی میں ایک دن آگے بڑھ جانا ہوتا ہے۔ کسی ایک جگہ پڑاؤ کب ڈالتے ہو تم لوگ......! اور وہ تمہاری محبت سمیرا......! اس نے بھی تو......" میں یک دم مسکرانے لگا تھا۔ اگر اسے پتا چل جاتا کہ میں وہیں کھڑا ہوں جہاں سے چلا تھا تو شاید وہ یقین بھی کر لیتی۔ میری زندگی کھلی کتاب کی مانند ہی تو تھی اس کے سامنے۔ سب کچھ جانتی تھی وہ۔ پھر بھی روایتی عام سا مرد ہونے کا طعنہ دے رہی تھی مجھے لیکن کیوں......! اس نے ایسا کیوں کہا......؟ وہ میری اچھی دوست تھی اور بس! تو پھر لہجے میں یہ غصہ یہ رقابت کیوں تھی؟ میں ضرور غور کرتا اگر گھر سے درید مجھے لینے ڈھونڈتا ہوا کافی شاپ تک نہیں آ جاتا۔ مایا جا چکی تھی۔ میرے سامنے رکھی کافی کپ کی ٹھنڈی ہو چکی تھی۔ میں بل ادا کر کے بےدلی سے درید کے ساتھ چل دیا۔



"مجھے معاف کر دیں ابو! میں آپ کا اچھا بیٹا نہیں

بن سکا۔ میں نے آپ کے اور امی کے ساتھ بالکل اچھا نہیں کیا۔ یہ بات تو شاید بہت پہلے سے طے تھی کہ سمیرا میرے نصیب میں نہیں ہے پھر کیوں میں دوسروں کو اس بات کا ذمے دار سمجھتا رہا' آپ لوگوں کو قصوروار گردانتا رہا؟"

میں اسپتال کے کمرے میں ابو کے سامنے بیٹھا اپنی زیادتیوں اور کوتاہیوں کا اعتراف کر رہا تھا۔ میں نے تو اپنا سامان بھی چیک نہیں کیا تھا۔ درید کے ساتھ سیدھا اسپتال ہی چلا آیا تھا مگر جب ابو نے محبت سے میرا چہرہ اپنے ہاتھوں میں تھاما تو مجھے لگا کہ میں واقعی بدنصیب تھا جو ایک محبت کی خاطر اتنی ساری محبتوں کو بھلائے بیٹھا تھا۔

"نہیں بیٹا! قصور تمہارا نہیں ہے۔ شاید کسی کا بھی نہیں۔ سوائے ہماری قسمت کے۔ جس طرح دنیا میں کچھ چیزیں ہمارے لیے نہیں ہوتیں' اسی طرح کچھ لوگ بھی ہمارے لیے نہیں ہوتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں کسی اور کے بخت میں لکھ رکھا ہوتا ہے لیکن ہمارے لیے بھی کہیں نہ کہیں ہمارے حصے کی محبت ضرور رکھی ہوتی ہے جو وقت آنے پر ہمیں انعام کی طرح مل جاتی ہے تب ہمیں ماننا پڑتا ہے کہ یہی ہمارے لیے بہترین ہے۔ کیونکہ اسے ہمارے لیے ہمارے رب نے منتخب کیا ہے۔"

"ابو پلیز! ابھی آپ بات مت کریں۔ ڈاکٹر نے آپ کو آرام کرنے کے لیے کہا ہے۔ اب میں آ گیا ہوں۔ ہم بعد میں بہت سی باتیں کریں گے۔" میں نے ابو کو روکنا چاہا مگر انہوں نے مجھے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔

"نہیں بیٹا! اب میں ٹھیک ہوں۔ تم سے اسی وقت ضروری باتیں کرنی ہیں۔ آج میں تمہارے سامنے ایک اعتراف کرنا چاہتا ہوں۔ ایک ایسا اعتراف جو شاید میں نے کبھی تمہاری ماں کے سامنے بھی نہیں کیا۔" ابو اب میرے ہاتھ کے سہارے اٹھ کر بیٹھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ میں نے جلدی سے انہیں سہارا دے کر بیٹھنے میں مدد دی تھی۔

"بیٹا! تم نے سمیرا سے محبت کی مگر وہ تمہارے نصیب میں نہیں تھی۔ جس طرح سدرہ میری محبت ہو کر بھی میرا نصیب نہیں بن سکی۔"

میں حیرت سے ابو کی طرف دیکھ رہا تھا۔ وہ سمیرا کی امی کا نام لے رہے تھے۔ انہوں نے اپنی حرماں نصیبی کی تمام داستان میرے سامنے کھول کر رکھ دی تھی۔ اف میرے خدایا! تقدیر نے کتنا بڑا مذاق کیا تھا ہمارے ساتھ۔ ابو نے سدرہ آنٹی کو چاہا لیکن قسمت میں ان کا ساتھ نہیں لکھا تھا۔ کچھ خاندانی رنجشوں اور اختلافات کے باعث وہ دونوں چاہ کر بھی ایک نہ ہو سکے اور اب اتنے برسوں بعد تاریخ نے ایک بار پھر خود کو دہرایا تھا۔ میں اور سمیرا بھی ایک دوسرے کو بے حد چاہنے کے باوجود ایک دوسرے کو پا نہ سکے۔ وجہ وہی خاندانی رنجش، اختلافات اور آپس کی ناراضگی...... ابو چاہ کر بھی میرا مقدمہ لڑنے کے باوجود جیت نہ سکے شاید تقدیر کا لکھا اسی کو کہتے ہیں۔ وہ میرے سامنے یہ سارے انکشافات کر رہے تھے۔ انہوں نے میرے لیے کوشش کی تھی اور میں ان سے بدگمان تھا......؟ انہوں نے میری خاطر سمیرا کے گھر والوں کی طرف سے میرے رشتہ کے لیے صاف انکار کی بے عزتی بھی برداشت کی...... کاش! میں امی ابو کو مجبور نہ کرتا تو شاید رد کیے جانے کی بے عزتی ان سب کو نہ جھیلنی پڑتی۔ صرف میری وجہ سے...... میری خاطر......! کیوں کہ محبتیں اعزاز کی طرح وصول کی جاتی ہیں، بھیک میں مانگے کی محبتیں اپنی قدر کھو دیتی ہیں۔ میں نے لمحوں میں

انہیں ہر الزام سے بری کردیا۔ وہ تمام جرائم جو قسمت نے ازخود اپنی رضا سے ان کے کھاتے میں ڈال دیے تھے۔

"بیٹا! مجھے اندازہ ہے انسان جسے شدت سے چاہتا ہے اسے پا نہ سکے تو کتنی تکلیف ہوتی ہے لیکن ہم تقدیر سے لڑ نہیں سکتے' اس لیے میں نے بڑے مان سے تمہارے لیے ایک فیصلہ کیا ہے۔ کیا میں امید رکھوں کہ تم اس بار میرا مان رکھو گے؟" وہ مجھ سے یقیناً کوئی سنجیدہ بات کرنا چاہ رہے تھے اور اب میرے لیے ان کا مان توڑنا تو دور، ان کی کسی ادنیٰ خواہش کو رد کرنا بھی مشکل تھا۔

"ابو! اب میں آپ کو کبھی مایوس نہیں کروں گا۔" میں نے ان کے ہاتھوں کو تھام کر آنکھوں سے لگایا تھا۔

"اپنے بہت اچھے دوست کی بیٹی سے میں نے تمہاری شادی طے کر دی ہے۔ تمام تیاریاں مکمل ہیں۔ ایک ہفتے بعد تمہاری شادی ہے۔ بس! یہ مت پوچھنا کہ یہ سب اتنی جلدی کیوں کر ہوگیا؟ اس کی تفصیل میں پھر کبھی تمہیں بتاؤں گا، اگر زندگی نے وفا کی تو......"

"پلیز ابو! اللہ آپ کا سایہ ہم سب پر ہمیشہ قائم رکھے۔"

"ہاں میاں! ابھی تمہارے بچوں کو بھی تو کھلانا ہے ہم نے۔" وہ شرارت سے مسکرائے تھے اور میں بھی۔ شادی کے معاملے میں اب میری کوئی مرضی یا پسند نہیں رہی تھی یا شاید میں واقعی سمیرا اور اس کی محبت کو بھلا بیٹھا تھا۔ اس لیے میں نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔ دل میں کہیں اک اطمینان اور سکون جاگزیں ہوا تھا۔



چند روز بعد ابو کو اسپتال سے رخصت کر دیا گیا۔

یہ میری شادی سے دو روز پہلے کی بات ہے جب میں اپنے کمرے میں بیٹھا اپنا سامان چیک کر رہا تھا مگر یہ کیا! جینز اور ٹی شرٹس کے بجائے لیڈیز کرتے اور جینز کے ساتھ اسکارف، پرفیومز، کاسمیٹکس کا سامان......! او خدایا! میں حیرت سے سب کچھ دیکھ رہا تھا اور پھر میں نے پورا بیگ الٹ دیا تب ہی ایک عنابی رنگ کی ڈائری گری تھی۔ ایئرپورٹ پر میرا سامان تبدیل ہوگیا تھا مگر کس کے سامان کے ساتھ......؟ یکدم ہی مجھے سامنے پڑی ڈائری کا خیال آیا شاید اس میں اس سامان کے مالکان کا کچھ اتا پتا مل جائے۔ میں نے فوراً ڈائری اٹھائی تھی لیکن کاش! میں اسے نہ کھولتا۔

بارشوں کے موسم میں
لوگ روٹھ جاتے ہیں
یوں ہی باتوں باتوں میں
دل بھی ٹوٹ جاتے ہیں
اک ذرا سی رنجش سے
اک ذرا سی تلخی پر
ساتھ چھوٹ جاتے ہیں
جن لوگوں سے تقدیر نہیں ملتی
پھر وہی لوگ کیوں
دل میں بس جاتے ہیں؟
بات گر دل کی ہے!
تم سے پھر یہ کہنا ہے
اگرچہ تم کو مجھ سے محبت نہیں ہے!
مگر تمہیں معلوم ہی کب ہے!
کہ تم برسوں سے آرزو ہو اس دل کی
چلو چھوڑو محبت کو!
اور تم یہ سمجھو!

دوستی نے ہاتھ بڑھایا ہے
تمہیں جاناں!
برستی بارشوں نے پھر بلایا ہے
وہ گلیاں، وہ رستے
وہ لہجے، وہ چہرے
سب ہی تم کو یاد کرتے ہیں
چلے بھی آؤ اب جاناں!
بارشوں کے موسم میں
کسی سے روٹھنا نہیں اچھا
سنو! اب سارے جھگڑے بھول جاؤ نا!
سنو! تم لوٹ آؤ نا!
سنو! تم لوٹ آؤ نا!

ڈائری میرے ہاتھوں سے چھوٹ کر بیڈ پر گری تھی۔ "اف، میرے خدایا! یہ میں نے کیا کر دیا؟ کاش! میں اب ابو سے انکار کرنے کی ہمت کر پاتا یا پھر کاش! میں یہ ڈائری کبھی نہ پڑھتا۔"

مجھے ساحل سمندر پر اپنی مایا سے آخری ملاقات کی وہ سرمئی شام پوری شدت سے یاد آئی تھی جب سمیرا کی شادی ہو رہی تھی اور اس نے اپنے گھر والوں کے خلاف میرا ساتھ دینے سے صاف انکار کرتے ہوئے کہا کہ میں اسے بھول کر نئے سرے سے اپنی زندگی شروع کروں اس کی طرح کیونکہ شاید اس کے لیے یہ آسان تھا، بہت آسان! تب مایا میری بہترین دوست مجھے حوصلہ دے رہی تھی۔ مجھے وہ باتیں سمجھا رہی تھی جو مجھے آج اتنے سالوں بعد جا کر سمجھ آئی ہیں اور جسے میں اپنی بہترین دوست سمجھتا تھا وہ میری اچھی دوست ہونے کے ساتھ مجھ سے بے حد محبت بھی کرتی تھی لیکن میں کبھی سمجھ ہی نہیں سکا۔ کچھ دن پہلے مجھے یہ نظم پاکستان سے آنے والی ڈاک سے موصول ہوئی تھی اور میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ وہ مایا ہوگی۔ کیوں؟ میں اس کے ہاتھ کی لکھائی بھی پہچان نہیں سکا یا پھر سمیرا کی محبت میری آنکھوں کا پردہ بن گئی تھی؟ میری سوچ کی اڑان اس تک نہ پہنچ سکی۔ میں دونوں ہاتھوں سے اپنا سر تھامے بیٹھا تھا۔ ایک محبت تقدیر نے مجھ سے چھینی تھی، دوسری میرے ہاتھوں سے ریت کی مانند پھسل گئی تھی۔

"ہمیشہ میرے ساتھ ہی ایسا کیوں ہوتا ہے...... ہر وہ چیز جو مجھے چاہیے ہوتی ہے یا جسے میرے پاس ہونا چاہیے وہ قریب آ کر میری دسترس سے دور ہو جاتی ہے۔ کیوں...... آخر کیوں ہوتا ہے ایسا؟"

میں واقعی بہت رنجیدہ ہو رہا تھا۔ جہاز میں مایا سے اپنی ملاقات کو یاد کر رہا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ اس کی شادی ہو رہی ہے اب میں چاہوں بھی تو اسے پا نہیں سکتا تھا مگر شاید ابو کی باتوں اور محبت نے مجھے سمجھوتا کرنا سکھا دیا تھا۔ اس لیے اگلے لمحے میں نے خود کو سنبھال کر سارا سامان واپس بیگ میں ڈالا اور اب مایا کو اسے واپس کرنے جا رہا تھا۔ اب پانچ سالوں میں اس کے گھر کا پتا تو مجھے یاد ہی تھا۔ اسے میں کیسے بھول سکتا تھا!



آج ایک بار پھر جل تھل کا سماں تھا! میں تقریباً بھیگتا ہوا مایا کے گھر کے صدر دروازے تک پہنچا تھا۔ بارش زوروں پر تھی۔ پتا نہیں باہر کی بارش کا زور زیادہ تھا یا پھر میرے اندر......! مگر میں نے خود کو پوری طرح سنبھال رکھا تھا۔ میں مایا کے سامنے کمزور پڑنا نہیں چاہتا تھا۔ کیونکہ اس بار مجھے اپنے دل کی نہیں سننی تھی۔ مجھے ابو کا مان رکھنا تھا۔ اتفاق سے مایا ہی دروازہ کھولنے آئی تھی۔

"ارے! اتنی صبح صبح کون آ گیا ہے؟ سارا گھر سو رہا ہے۔ کسی کو دروازے پر بجتی گھنٹی سنائی نہیں

دے رہی۔" وہ بڑبڑاتی ہوئی آئی اور اب دروازہ کھولے میرے سامنے تھی۔

"اس لیے کہ بارش میں گھنٹی کی آواز سنائی نہیں دے سکتی۔" میں نے بے ساختہ کہا تھا اور وہ حیران گم صم سی کھڑی تھی۔ اس نے مایوں کا پیلا جوڑا پہنا ہوا تھا۔ میں تو بھول ہی گیا تھا۔ اس نے بتایا تھا کہ اس کی شادی ہو رہی ہے اور میں پھر بھی ہونقوں کی طرح کھڑا اسے تک رہا تھا۔

"تم! یہاں..... اس وقت.....؟ کسی نے دیکھ لیا تو غضب ہو جائے گا۔"

"کیا مطلب؟ میں تو تمہارا سامان لوٹانے آیا ہوں اور تم انہیں بتا سکتی ہو کہ میں تمہارا دوست ہوں۔ اس میں گھبرانے والی کیا بات ہے؟" میں نے اس کے یک دم پریشان ہونے پر کہا تو وہ بمشکل مسکرائی تھی۔

"ہاں..... ہاں..... بہترین دوست ہو مگر اس وقت رات بھر رت جگا کر کے سب سو رہے ہیں۔ پلیز! تم چپ چاپ میرے کمرے میں چلے آؤ۔"

اس نے بے ساختہ میرا ہاتھ پکڑ کے اندر گھسیٹا تھا۔ تھوڑی دیر بعد میں اس کے سامنے بیٹھا گرم گرم چائے پی رہا تھا۔ مجھے بارش میں بھیگا دیکھ کر مایا کو یہی سوجھا تھا کہ وہ مجھے بٹھا کر چائے بنانے چلی گئی تھی اور میں خود پر رشک کر رہا تھا کہ کسی کی مایوں کی دلہن میرے لیے اپنے ہاتھوں سے چائے بنانے گئی تھی۔

"آئی ایم سوری! میں نے تمہاری ڈائری پڑھ لی ہے۔" میں نے سچ مچ شرمندہ لہجے میں معذرت کی تھی مگر مجھے لگا جیسے وہ اپنی شادی پر بہت خوش ہے حالانکہ اسے تو میری طرح.....

"تم یہی سوچ رہے ہو کہ میں اتنی خوش اور مطمئن کیوں نظر آ رہی ہوں حالانکہ میں....." یک دم ہی کچھ کہتے کہتے اس کی پلکیں حیا سے جھکتی چلی گئیں۔ یہ کتنا دلکش منظر تھا۔ کوئی میرے دل سے پوچھتا۔

"کاش! یہ سب میرے لیے ہوتا۔" میرے دل نے بے اختیار ایک پاگل سی خواہش کی تھی۔ سمیرا جانے کہاں چلی گئی تھی..... یہاں تو ہر طرف صرف مایا تھی۔ "تو کیا محبت ایک بار پھر نئے سرے سے میرے دل کو اسیر کر رہی ہے؟" میں اپنے اندر اٹھنے والے سوالوں میں الجھ رہا تھا اور مایا مسکرا رہی تھی۔

"میں معذرت چاہتا ہوں مایا! میں نے بہت دیر کر دی۔ میں کبھی سوچ ہی نہیں سکا کہ دوستی کبھی محبت میں بھی بدل سکتی ہے۔ جانتی ہو، جب میں پاکستان سے جا رہا تھا تو یہی بارشوں کا موسم تھا اور سمیرا میرے ذہن اور دل پر چھائی ہوئی تھی مگر کیا تم یقین کرو گی کہ جب میں پانچ سال بعد واپس پاکستان آیا ہوں تو یہی بارشوں کا موسم ہے لیکن میرے دل میں تمہاری یاد ہے۔ تمہاری محبت ہے مایا!"

میں نے بے اختیار ہو کر اس کا ہاتھ تھام لیا تھا۔ وہ پلکیں اٹھائے یک ٹک میری طرف دیکھ رہی تھی تب ہی کوئی تیزی سے دروازہ کھول کر اندر آیا تھا۔

"ہیں! یہ کیا ہو رہا ہے یہاں؟ ابھی نکاح ہوا نہیں ہے اور تم دونوں اتنے دھڑلے سے ایک دوسرے کا ہاتھ تھامے بیٹھے ہو؟" ایک دلکش سی لڑکی ہم دونوں کو کھڑی گھور رہی تھی۔ میں نے بے ساختہ مایا کا ہاتھ چھوڑا تھا اور گھبرا کے اٹھ کھڑا ہوا تھا۔

"وہ..... بھابی!"

"وہ کیا بھابی.....؟"

مایا شاید وضاحت دینا چاہ رہی تھی اور میں گنگ سا کھڑا دیکھ رہا تھا کہ یہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ.....

"اور تم.....! شام کو تو نکاح ہو رہا ہے۔ تم شام

تک صبر نہیں کر سکتے تھے؟ نکاح کے بعد مل لیتے مگر نہیں تم نے سوچا ہوگا رات کو رت جگا کر کے سب پڑے سو رہے ہوں گے، اس لیے صبح صبح موقع سے فائدہ اٹھایا جائے۔ ہے نا!" مایا کی بھابی بے تکلفی سے میری کلاس لے رہی تھیں اور اب یہ ساری صورت حال اچھی خاصی مجھے سمجھ آ گئی تھی گویا مایا ہی ابو کے قریبی دوست کی بیٹی ہے..... مگر اسے کیسے پتا چلا کہ میں.....

"پلیز بھابی! انہیں کچھ مت کہیں۔ انہیں کچھ معلوم نہیں ہے۔"

"کیا مطلب ہے تمہارا؟ تم یہ کہنا چاہ رہی ہو کہ معید حسن کو یہ تک پتا نہیں کہ اس کی شادی تم سے ہو رہی ہے؟"

"جی بھابی! معید حسن کو واقعی نہیں پتا۔ میں تو بس انہیں سرپرائز دینا چاہ رہی تھی۔" مایا نے مجرموں کی طرح سر جھکا لیا تھا۔

"اچھا! تو اسے پہلے ہی سے سب حقیقت کا علم تھا اور یہ مجھے احمق بنا رہی۔" میں نے خود کلامی کی تھی۔

"تم نے کچھ کہا کیا؟" بھابی نے میری جانب سوالیہ نگاہوں سے دیکھا تھا۔

"نہیں بھابی! مایا مذاق نہیں کر رہی۔ دراصل اس نے ہی مجھے فون کر کے اس وقت بلایا ہے۔ کہہ رہی تھی کہ سب گھر والے سو رہے ہیں۔ موقع اچھا ہے۔"

میں نے صاف جھوٹ بولا تھا کیونکہ مایا کی شرارت میری سمجھ میں آ چکی تھی اور اب میری باری تھی۔ مایا حیران سی میری طرف روہانسی ہو کر دیکھ رہی تھی۔

"نہیں تو بھابی! وہ....."

"اچھا چھوڑو اس قصے کو۔ بس پانچ منٹ دے رہی ہوں تم دونوں کو۔ ایک دوسرے کو خدا حافظ کہہ لو۔ رخصتی والے دن تک..... میں تب تک باہر کھڑی پہرہ دے رہی ہوں۔ کوئی ادھر آ گیا تو ہم تینوں کی خیر نہیں ہوگی۔"

بھابی چلی گئیں تو میں دونوں ہاتھوں کو پھانسی کے پھندے کی طرح دائرہ بنائے مایا کی طرف بڑھا تھا۔

"تمہیں سب کچھ پتا تھا پھر بھی مجھے ستا رہی تھیں؟ اب دیکھنا، سارے حساب برابر کروں گا تمہارے ساتھ....."

وہ ڈر کر دو قدم پیچھے ہٹی تھی اور میں نے بڑھ کر اس کے ہاتھوں کو تھام لیا تھا۔

"کیا کر رہے ہو۔ بھابی پھر سے آ جائیں گی۔"

"تمہارے ہاتھوں کی لکیروں میں اپنا نام دیکھ رہا ہوں۔ اگر یہ یہاں لکھا تھا تو پہلے مجھے نظر کیوں نہیں آیا؟" میں اس کے ہاتھ کی ہتھیلی تھامے غور سے دیکھ رہا تھا۔

"اس لیے کہ تمہیں بالآخر تقدیر پر اعتبار آ جائے۔ کیونکہ صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔" وہ خوشی سے مسکرائی اور میں سوچ رہا تھا کہ اس سے زیادہ دلکش منظر اور کیا ہوگا؟

"وہ..... بھابی آ گئیں....." میں نے بے ساختہ مڑ کے دیکھا تھا۔ وہاں کوئی نہیں تھا مگر مایا ہنستے ہوئے دروازے کی جانب بھاگتے ہوئے ایک بار پھر مجھے بے وقوف بنا گئی تھی اور اب میں ساری عمر اس کے ہاتھوں بے وقوف بنتے رہنے کے لیے دل و جان سے تیار تھا۔ واقعی ایک نہ ایک دن ہمیں ہمارے حصے کی محبت مل کر رہتی ہے۔ ابو کے فلسفے پر مجھے یقین آ گیا تھا۔ میں نے آسودگی سے مسکراتے ہوئے باہر کی جانب قدم بڑھا دیے۔



روحانی مسائل اور ان کا حل

حافظ شبیر احمد

بندش

سوال:۔السلام علیکم:میرے دونوں بھائی جنوبی افریقا میں ہوتے ہیں۔پہلے تو اُن کا کاروبار بہت اچھا تھا لیکن اب کچھ عرصے سے ان کا کاروبار بالکل اچھا نہیں چل رہا۔برائے مہربانی آپ بتادیں کہ کسی نے کوئی تعویز وغیرہ تو نہیں کردیا؟ کوئی وظیفہ بتادیں یا کوئی اور حل بتادیں۔

جواب:۔بندش ہے۔رات کو سب معاملات سے نمٹ کر سونے سے پہلے 3 تسبیح "یاذالجلال والاکرام" پڑھیں (اول وآخر 3-3 بار درود شریف) کاروبار چلنے کی دعا مانگیں۔

نوٹ:۔5 وقت کی نماز کی پابندی لازماً۔

(ط۔ن......شادیوال گجرات)

بڑا آدمی

1: بڑا آدمی یا بڑی حیثیت حاصل کرنے کے لئے مسلسل جدوجہد کرنی چاہیے نہ کہ "خیالی پلاننگ" جب انسان کسی بھی چیز کو حاصل کرنا چاہتا ہے تو مسلسل محنت کرنی پڑتی ہے۔تب جا کر مقصد حاصل ہوتا ہے اگر آپ میرے کہنے پہ عمل کریں تو مقصد حاصل ضرور کریں گے۔

1: مستقل مزاجی سے پڑھائی پہ دھیان دیں۔

5:2 وقت کی نماز باجماعت کی پابندی کریں۔

3: رات سوتے وقت تیسرے کلمہ کی ایک تسبیح پڑھ کر دعا کریں۔

نوٹ:۔آج کے دور میں جس کے پاس مال اور اچھی نوکری ہو تو ہر ایرا غیرا بھی اپنا بن جاتا ہے تھوڑے لکھے کو بہت جانیں عمل کرنا نہ کرنا آپ کا کام ہے۔والسلام۔

نوٹ:۔مجھے حیرت ہے آپ نام محمد عاقب نور لکھتے ہیں۔جب ایڈریس لکھتے ہیں تو نام محمد عامر نور لکھتے ہیں۔اللہ آپ کو سمجھ دے آمین۔

(محمد عاقب نور بن شمیم اختر)

نبیلہ

جواب:۔سورۃ الفلق + سورۃ الناس صبح وشام 11، 11 بار پڑھ کر ہاتھوں پہ پھونک مار کر اپنے جسم پر ہاتھ پھیریں۔(دعا کریں کہ رشتا ہونے میں جو رکاوٹیں ہیں وہ ختم ہوں۔

سورۃ المزمل روزانہ 3 بار پڑھیں۔

دیوانگی

سوال:میری بیٹی جس کی عمر 14 سال ہے۔پچھلے کئی ماہ سے عجیب وغریب کیفیت میں مبتلا ہے۔روز مغرب کے اوقات میں اس پر ایک عجیب سی دیوانگی طاری ہوجاتی ہے اور اس کے منہ سے مردانہ آواز میں کچھ ایسی باتیں نکلتی ہیں جو ہماری سمجھ میں نہیں آتیں۔گھر کے سامان کو بکھر دیتی ہے اور پورا گھر سر پر اٹھالیتی ہے۔جب وہ ایک آدھ گھنٹے کے بعد حواس میں آتی ہے تو اُس کو کچھ بھی یاد نہیں ہوتا اور کمزوری کی وجہ سے وہ بستر سے لگ گئی ہے۔

جواب:سورۃ المزمل روزانہ ۳ بار عصر پڑھ کر پانی پر پھونک مار کر پلائیں اور تیل پر دم کرکے بعد عصر سر کی مالش کریں۔ایک ایک قطرہ دائیں اور بائیں کان میں ڈالیں (اول وآخر ۱۱۔۱۱ بار درود شریف پڑھیں)

(نورین اختر.........کراچی)

موت کا فرشتہ

سوال:میری عمر 80 سال ہے میں نماز روزے کی پابند ہوں مگر بیماریاں کئی ہیں اس بوڑھاپے میں جو بیماریاں ہوسکتی ہیں ان کا اندازہ آپ لگا ہی سکتے ہیں۔مجھے اکثر یوں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی ہے جو میرے آس پاس ہے۔کبھی کبھی تو اس کی موجودگی کا احساس یوں ہوتا ہے کہ جیسے جو ہوا کا سرد جھونکا میرے قریب سے

گزر گیا ہو۔اکثر مجھے یہ خیال آتا ہے کہ میرا وقت قریب ہے اور موت کا فرشتہ میرے آس پاس موجود ہے۔

جواب: کثرت سے "یَـا مٰلِکَ الْمُلْک" کا ورد کریں۔

(ابن مریم.........کراچی)

نظر لگ جاتی ہے

سوال:میرا بچہ 3 سال کا ہے جب سے وہ پیدا ہوا ہے اکثر رات میں اچانک اتنی شدت کے ساتھ روتا ہے کہ میں بیان نہیں کرسکتی۔برائے مہربانی مجھے کوئی ایسا وظیفہ بتائیں جس سے میرا بیٹا سکون کی نیند سو سکے۔میرے گھر والے کہتے ہیں کہ اس کو کسی کی زبردست نظر ہے۔

جواب: رات میں جب بچہ سوجائے تو اس کے ماتھے اور سینے پر انگشت شہادت سے عمر رضی اللہ تعالیٰ لکھیں (نیت یہ کریں کہ بچہ کو ڈر نہ لگے سکون سے سوئے)۔

(ماہ ملک.........لاہور)

رشتے میں رکاوٹ

سوال:میری تین بیٹاں ہیں۔بڑی بیٹی کی شادی بڑی مشکلوں سے ہوئی وہ اب بھی بہت پریشان رہتی ہے اولاد کے لیے اس کے سسرال میں بھی کچھ عورتیں ہیں جو تعویذ وغیرہ کرتی رہتی ہیں۔اب میری دوسری بیٹی کے رشتے میں رکاوٹ۔مجھے فالج ہے۔میں اپنی بیٹوں کی طرف سے بہت پریشان ہوں۔گھر کے حالات بھی اچھے نہیں ہیں۔میرے شوہر اور ان کی والدہ گھر آئے رشتوں میں بہتر ائیاں کرتی ہیں جس کی وجہ سے اکثر رشتے ختم ہوجاتے ہیں۔

جواب: ۷ بار سورۃ "اَلَمْ نَشْرَحْ" پڑھ کر ان سب پریشانیوں کے ختم ہونے کی دعا مانگیں (اول وآخر ۱۱۔۱۱ بار درود شریف لازماً)

(فرح احمد.........اسلام آباد)

معاشی مسائل

سوال: ہم معاشی مسائل سے دوچار ہیں چھوٹے بھائی کو ملازمت کے حصول میں مشکلات کا سامنا ہے۔بڑے بھائی کی آمدنی زیادہ نہیں ہے اور گھر کے بیشتر اخراجات کی ذمہ داری ان پر ہے دونوں بھائی کوشش کررہے ہیں لیکن ابھی تک حالات ان کا ساتھ نہیں دے رہے۔

جواب: "سورۃ القریش" ہر فرض نماز کے بعد ۲۱ بار پڑھیں۔روزی میں برکت کی دعا کریں (اول وآخر ۷۔۷ بار درود شریف)

(قدسیہ سیما.........حیدرآباد)

جسم پر لرزہ

سوال: میں کالج میں زیر تعلیم ہوں۔جب بھی کسی بڑے آدمی یا صاحب حیثیت شخص سے بات کرتی ہوں یا اسٹیج پر بولنے کا موقع آتا ہے تو جسم پر لرزہ طاری ہوجاتا ہے اور میں اپنی بات ٹھیک سے نہیں کرسکتی ذہن ساتھ نہیں دیتا اس کمزوری کی وجہ سے میں احساس کمتری کا شکار ہوں اُسے دور کرنا چاہتی ہوں۔

جواب: "سورۃ القدر" ہر نماز کے بعد ۱۱ بار پڑھ کر دعا مانگیں۔اسٹیج پر بولنے سے پہلے ایک بار پڑھ کر جسم پر پھونک ماریں۔

(نائمہ ملک.........میانوالی)

نوٹ

جن مسائل کے جوابات دیئے گئے ہیں وہ صرف انہی لوگوں کے لیے ہیں جنہوں نے سوالات کیے ہیں۔عام انسان بغیر اجازت ان پر عمل نہ کریں۔عمل کرنے کی صورت میں ادارہ کسی صورت ذمہ دار نہیں ہوگا۔لفافے پر روحانی مسائل اور ان کا حل ضرور لکھیں۔

روحانی مسائل اوران کا حل

بے دینی کا ماحول ہمارے معاشرے میں ناسور کی طرح سرایت کرتا جارہا ہے اور ہم اپنے اصل مقام سے دور ہوتے جارہے ہیں۔ اس لیے ذہنی پریشانی' بیماری' تکلیف' خاندانی اختلاف وافتراق اور معاشی تنگ دستی میں ہم ہروہ کام کرجاتے ہیں جس کی دین وشریعت ہمیں اجازت نہیں دیتے' بلکہ بعض اوقات دین وایمان اور عزت وناموس کو بھی خطرہ لاحق ہوجاتا ہے۔ اسی بات کے پیش نظر ہم ماہنامہ آنچل کے قارئین کی راہ نمائی کے لیے روحانی مسائل پر مبنی علاج بالقرآن کالم کا آغاز کررہے ہیں۔۔ آپ اپنے سوالات صفحہ کے ایک جانب ہر ماہ کی ۵ تاریخ تک دفتر کے پتہ پر ارسال کریں۔ صرف وہ ای میل شامل اشاعت کی جائیں گی جو اُردو یا رُومن میں ہوں گی ای میل کی سہولت صرف بیرون ملک قارئین کے لیے ہے۔ اندرون ملک (پاکستان) کے لیے صرف کوپن قابل قبول ہوگا۔ ایک کوپن ایک سوال کے لیے ہی کارآمد ہوگا۔ سوال کے لیے کاپی کا ایک صاف ستھرا صفحہ استعمال کریں ایک صفحہ پر ایک ہی سوال درج کریں۔ ایک سے زائد سوالات کے جوابات نہیں دیئے جائیں گے۔ ٹیلی فون پر رابطہ کی زحمت نہ فرمائیں۔ لفافہ کے اوپر روحانی مسائل اوران کا حل لازمی لکھیں۔

کوپن — جولائی 2011

نام .... والدہ کا نام .... گھر کا مکمل پتا ....

....

گھر کے کون سے حصے میں رہائش پذیر ہیں ....

ای میل rohanimasail@aanchal.com.pk

پتا: ماہنامہ آنچل' 8 فرید چیمبرز عبداللہ ہارون روڈ صدر کراچی



اے ایس صدیقی

دل پسند شخصیت بننے کے لیے جہاں بہت سی باتیں ہیں وہیں دو باتیں اور بھی بڑی اہمیت رکھتی ہیں۔

ان کا تعلق آپ کے سماجی رویتے سے ہوتا ہے۔ اس ضمن میں ہم تحفے اور تعریف کی اہمیت پر آج بات کریں گے۔

سب سے پہلے تو یہ جان لیں کہ تحفہ دینے کے دو مقصد ہوتے ہیں ایک تو کوئی ذاتی مفاد ہوتا ہے اور دوسرا صرف خوشی بانٹنے کا جذبہ۔ اسی طرح تعریف کے بھی دو مقاصد ہوتے ہیں۔ اپنا کوئی کام نکالنے کے لیے کی جائے یا یہ واقعی سچی اور بے غرض ہو۔

یہاں واضح طور پر یہ بتانا ضروری ہے کہ یہ دونوں کام جب صرف منفی مقاصد کے لیے کیے جاتے ہیں تو شخصیت کے حسن میں کوئی اضافہ نہیں کرتے بلکہ یہ اسے داغ دار بناتے ہیں کیونکہ مصنوعی باتیں دیر تک اپنا ملمع قائم نہیں رکھ پاتیں۔ لہٰذا اگر مقصد شخصیت کی اثر پزیری ہے تو پھر یہ کام مثبت انداز میں کرنے ہوں گے ورنہ کوئی فائدہ نہیں۔

تعریف سے آغاز کرتے ہیں۔ تعریف کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ یہ حقیقی ہو بناوٹی نہ ہو۔ ایسی نہ ہو کہ خوشامد محسوس ہو۔ نہ ہی اتنی سرسری ہو کہ کوئی ٹالنے والی چیز لگے۔ اس جگہ خلوص کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ وہ تعریف جس میں خلوص نہیں ہوتا فقیر کی دعا جیسی ہوتی ہے۔

اگر آپ ماں باپ ہیں تو اپنے بچوں کی کاوشوں کو وقتاً فوقتاً سراہیں اس سے ان کے اندر بہتر کام کرنے کی لگن پیدا ہوتی ہے۔ آفس میں ہیں تو اپنے ماتحتوں کی عمدہ کاوشوں کا ذکر کریں کسی نے تعریف کے ضمن میں کہا ہے کہ آدمی کی تعریف اس کی زندگی میں کرنی چاہیے۔ بھلا قبر پر کتبہ لگانے سے کیا فائدہ۔

تعریف کے پیچھے ہمیشہ نیک مقصد ہونا چاہیے۔ صرف ہمت افزائی کے بہانے غلط قسم کی تعریف کرنے والے معاشرتی مجرم ہوتے ہیں۔ اس سے بڑا نقصان پہنچتا ہے۔ خاص طور پر ان لوگوں کو جو سچ مچ تعریف کے مستحق ہوتے ہیں۔

آپ نے وہ مثل تو سنی ہوگی گھوڑے گدھے ایک ساتھ باندھنے والی۔ تعریف کے ضمن میں انصاف کا دامن کبھی نہیں چھوڑنا چاہیے۔

جب آپ کسی کی تعریف کرتے ہیں اور یہ تعریف حقائق پر مبنی ہوتی ہے۔ تو جس شخص کی تعریف کی جاتی ہے ایک طرح سے آپ اسے جیت لیتے ہیں۔ وہ بعد میں آپ کی شہرت کا ذریعہ بنتا ہے۔

تعریف سن کر سب خوش ہوتے ہیں۔ کہتے ہیں تعریف کی جائے تو بھینس بھی دودھ زیادہ دیتی ہے۔

تحفے تحائف دینے کا معاملہ بھی شخصیت کی زیبائش بڑھاتا ہے۔ اس سے دلوں میں محبتیں جنم

لیتی ہیں۔ ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اگر کسی کے گھر جاؤ تو ساتھ میں کوئی چھوٹا موٹا تحفہ ضرور لے جاؤ۔

تحفوں کے ضمن میں تعریف کی طرح کئی باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہوتا ہے ورنہ آپ کا یہ اچھا سا عمل بجائے اس کے کہ کوئی فائدہ دے آپ کی شخصیت کے لیے ضرر رساں بھی بن سکتا ہے۔

تحفہ دیتے وقت ہمیشہ دھیان رکھیں کہ جسے تحفہ دیا جا رہا ہے۔ اس کا مزاج کیا ہے؟ اس کی مالی پوزیشن کیا ہے؟ اس کی ترجیحات کیا ہیں؟ تحفہ دیتے وقت ان باتوں کے علاوہ یہ بھی دھیان میں رکھیں کہ آپ کا دیا ہوا تحفہ ایسا ہے جو کارآمد ہے۔ یہاں ایک چھوٹی سی مثال دیکھیں۔ منکوں سے بنے ہوئے زیورات ہار کڑے وغیرہ عموماً استعمال نہیں کیے جاتے۔ زیادہ مہنگے نہیں ہوتے۔ ایک محترمہ کو ان کی سہیلی نے یہ زیورات تحفے میں دیے۔ انہوں نے لے لیے لیکن بعد میں اٹھا کر اسے انہوں نے اپنی ماسی کو دے دیا۔ کیا فائدہ ہوا اس تحفے کا۔ اس کے برخلاف دوسری سہیلی نے خوش بو کی ایک چھوٹی شیشی تحفے میں دی جو مالیت میں زیورات سے کم تھی اسے بڑے چاؤ سے لیا گیا۔ استعمال میں بھی لایا گیا۔

تحفے کا انتخاب دراصل آپ کی سوجھ بوجھ کا امتحان ہوتا ہے۔ ساتھ ہی اس سے اس کا بھی پتا چلتا ہے کہ آپ میں دوسروں کو سمجھنے کی کتنی لیاقت ہے۔

جنہیں عمدہ کتابوں کا شوق ہوتا ہے۔ انہیں کوئی اچھی کتاب پیش کر کے بھی خوش کیا جا سکتا ہے۔

بچوں کے لیے تحفہ لے جانا ہو تو ان کی عمر کا خاص خیال رکھیں۔ بعض کھلونوں پر لکھا بھی ہوتا ہے کہ یہ کھلونا کتنی عمر کے بچے کے لیے ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ تحفے میں ایسا کھلونا دے دیا گیا جو بچے کی عمر سے مناسبت نہیں رکھتا تھا۔ عموماً یہ تحفے یا تو ضائع ہوتے ہیں یا ان کا مقصد ہی پورا نہیں ہوتا۔ یعنی خوشی بخشنے سے یہ تحفہ قاصر رہتا ہے۔

اگر آپ ایک خاوند ہیں تو سالگرہ کے موقع پر اپنی شریک حیات کو کوئی تحفہ دینا نہ بھولیں۔

اسی طرح اگر آپ ایک بیوی ہیں تو خاوند کی سالگرہ پر اس کے لیے کچھ نہ کچھ اہتمام ضرور کریں۔

ہم نے شروع میں لکھا ہے کہ شخصیت کی تعمیر کا کام تو زندگی بھر جاری رہنے والا کام ہوتا ہے۔ یہ ایک عمارت کی تعمیر کا سا عمل ہوتا ہے۔ ٹکڑے ٹکڑے کر کے یہ آگے بڑھتا ہے۔ اس میں رکنے کا کوئی لمحہ نہیں ہوتا۔

بڑی بڑی باتوں کی طرح چھوٹی چھوٹی باتیں بھی ہماری شخصیت میں رنگ بھرتی ہیں۔ انہیں کسی بھی طرح نظر انداز نہیں کرنا چاہیے۔





ہومیوڈاکٹر محمد ہاشم مرزا

نویرہ گجرات سے لکھتی ہیں کہ خط شائع کیے بغیر جواب دیں آپ میری امید کی آخری کرن ہیں۔

محترمہ آپ CINAMOM-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔ مبلغ 1300 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کر دیں۔ بالوں سے متعلق دونوں ادویہ ارسال کر دی جائیں گی منی آرڈر فارم کے آخر میں دونوں دواؤں کے نام ایلفروڈائٹ اور ہیئر گروور ضرور لکھیں۔

عائشہ انجم میمن میر پور خاص سے لکھتی ہیں کہ میرا اور دوست کا مسئلہ ہے شائع کیے بغیر جواب دیں۔

محترمہ آپ دوست کو SABALSERULATUM-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیں اور مبلغ 550 روپے میرے کلینک کے نام پتے پر منی آرڈر کر دیں۔ منی آرڈر فارم کے آخر میں کوپن پر مطلوبہ دوا کا نام B.BEAUTY ضرور لکھیں۔ اسی طرح آپ HAIR GROWER کے لیے 600 روپے کا منی آرڈر ارسال کریں۔ دونوں دوائیں آپ کے گھر پہنچ جائیں گی۔

عمر حیدر منڈی بہاؤالدین سے لکھتے ہیں کہ آپ کی بہت تعریف سنی ہے میں بہت پریشان ہوں میرا مسئلہ شائع کیے بغیر دوا تجویز کر دیں۔

محترم آپ STAPHISGARIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔

کرن رانا خانیوال سے لکھتی ہیں کہ آپ میرے مسئلے کا موثر حل اور علاج کے لیے رہنمائی فرمائیں۔

محترمہ آپ APISMELL 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ کھانے سے پہلے لیں۔ مکمل شفایابی تک دوا کا استعمال جاری رکھیں۔

مسز عباس لکھتی ہیں کہ دو بچوں کو دودھ پلانے کی وجہ سے میرے بریسٹ بالکل لٹک گئے ہیں اور مرجھا کر چھوٹے ہو گئے ہیں۔

محترمہ آپ JODUM-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں اور اس کے علاوہ BREASTBEAUTY کا استعمال جاری رکھیں۔

عائشہ بتول سرگودھا سے لکھتی ہیں کہ میں بہت پریشان ہوں مسئلہ شائع کیے بغیر علاج بتائیں۔

محترمہ آپ فکر نہ کریں باہر سے تھوڑا نقصان ہوا ہے جو کوئی مسئلہ نہیں ہے۔

افشاں بتول لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر چھائیاں پڑ گئی ہیں۔ اس کا علاج بتائیں۔

محترمہ آپ BERBARISAQUIF-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

آمنہ لاہور سے لکھتی ہیں کہ میں اپنی بیٹی کی وجہ سے بہت پریشان ہوں۔

محترمہ آپ اسے OVATESTA3X کی ایک گولی تین وقت روزانہ کھلائیں۔ ان شاء اللہ تمام مسئلے حل ہو جائیں گے۔

ایڈنا جہلم سے لکھتی ہیں کہ میری کلائی کے جوڑ پر گلٹی نکل آئی ہے۔ ڈاکٹر آپریشن بتاتے ہیں۔ دوسرے میری عمر 26 سال ہے۔ نسوانی حسن نہ ہونے کے برابر ہے۔

محترمہ آپ RUTA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

دوسرے مسئلہ کا 26 سال کی عمر میں کوئی حل نہیں ہے۔

طیبہ نذیر گجرات سے لکھتی ہیں کہ امی کو دس سال سے شوگر ہے آنکھوں میں بھی خارش ہے اور الرجی بھی ہے۔

محترمہ اس کا علاج مقامی معالج سے جاری رکھیں۔ ادھر ادھر کی دوا نہ لیں بہتر یہی ہے۔

معتیہ الطاف گھاڑ سے لکھتی ہیں کہ جسم پر گہرے بھورے داغ ہیں دوسرے میرے شوہر کا مسئلہ ہے۔ دونوں کے لیے کوئی دوا بتائیں۔

محترمہ آپ SEPIA 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں اور اپنے شوہر کو STAPHISGARIA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیں۔

گلناز ہری پور سے لکھتی ہیں کہ میری امی اور باجی کو حد سے زیادہ مٹاپا ہے اور میرا جسم تو ٹھیک ہے مگر پیٹ بڑھا ہوا ہے۔

محترمہ آپ CALCIUM FLOUR 6X کی چار گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور امی باجی کو PHYTOLACCA-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ دیں۔ HAIR GROWER کے لیے 600 روپے اور APHRODITE کے لیے 700 روپے کا منی آرڈر ارسال کریں۔ منی آرڈر فارم کے آخری کوپن پر مطلوبہ دوا کا نام ضرور لکھیں۔ ان شاء اللہ ایک ہفتے میں دونوں چیزیں آپ کے گھر پہنچ جائیں گی۔

سونیا خان گجرات سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر چھائیاں ہیں اس کا علاج بتائیں۔

محترمہ آپ BERBARIS AQUIFQ کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ لیں۔ چھائیاں ختم ہونے پر دوا کا استعمال بند کردیں۔

مسز سبحان لکھتی ہیں کہ میری آنکھوں سے مستقل پانی بہتا ہے آنکھیں سرخ رہتی ہے۔ کوئی ڈراپ لکھیں۔

محترمہ آپ EUPHRSIA آئی ڈراپس روزانہ سوتے وقت ڈال لیا کریں اور EUPHRSIA-6 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

اقرا بٹ سیالکوٹ سے لکھتی ہیں کہ میرے پورے جسم پر لکیروں جیسے نشانات ہیں۔

محترمہ اس کا علاج دیکھنے کے بعد ہو سکتا ہے۔

دانیا زینب حسن ابدال سے لکھتی ہیں کہ میرے بچے بہت کمزور مرجھائے ہوئے سے ہیں۔ ان کے لیے کوئی دوا بتائیں۔ مجھے لیکوریا کا مرض ہے اس کا علاج بتائیں۔

محترمہ آپ بچوں کو FIVE PHOS 6X کی چار گولی تین وقت روزانہ کھلائیں اور آپ BORAX 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین مرتبہ روزانہ لیں۔ ان شاء اللہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

نبیلہ بیگم حسن ابدال سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر تل ہیں اور اب میری بچیوں کے چہرے پر بھی تل ہو گئے ہیں۔ بچیوں کی نظر بھی کمزور ہے اس کا حل بتائیں۔

محترمہ تل ختم کرنے کے لیے THUJA-Q کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں اور اسی کو تلوں پر لگایا کریں۔ نظر کی کمزوری کے لیے CENERARIA آنکھوں کے ڈراپس جرمنی کے ایک قطرہ روزانہ سوتے وقت آنکھوں میں ڈالیں۔

انعم حسن فیصل آباد سے لکھتی ہیں کہ میرا اور امی کا مسئلہ ہے۔ شائع کیے بغیر دوا بتائیں۔

محترمہ آپ PITUITRIN-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ آپ کے دونوں مسئلے حل ہوں گے۔ امی کو PHYTOLACCA-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پلائیں۔ مبلغ 700 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر جو آخر میں لکھا ہوا ہے ارسال کردیں۔ آپ کو APHRODITE ارسال کردیا جائے گا۔

مرزا محمد فیصل بیگ فیصل آباد سے لکھتے ہیں کہ میں اپنی صحت برباد کر چکا ہوں کوئی دوا تجویز کردیں۔

محترم آپ ACID PHOS 3X کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

شائزے ٹوبہ ٹیک سنگھ سے لکھتی ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر جواب دیں۔

محترمہ آپ TEUCRIUM-3X کے پانچ قطرے

آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔ اپنی بہن کو NATRUMCARB-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پلائیں۔

تنویر احمد خان سکھر سے لکھتے ہیں کہ میرا سر گنجا ہو گیا ہے۔ صرف سائڈوں پر بال رہ گئے ہیں۔ جب کہ میری عمر ابھی 35 سال ہے بال بھی سفید ہو گئے ہیں۔

محترم آپ میرے کلینک کے نام پتے پر 600 روپے کا منی آرڈر ارسال کردیں۔ منی آرڈر فارم پر اپنا پتا مکمل لکھیں اور آخری کوپن پر HAIR GROWER ضرور لکھیں آپ کو یہ دوا گھر پہنچ جائے گی۔ اس کے استعمال سے قدرتی بال مضبوط اور گھنے پیدا ہوں گے۔

قمر سلطانہ سیالکوٹ سے لکھتی ہیں کہ حسن نسواں کی کمی ہے۔ میں بہت پریشان ہوں کوئی دوا بتائیں۔

محترمہ آپ SABALSERRULATA-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین مرتبہ روزانہ پی لیا کریں اور مبلغ 550 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں۔ منی آرڈر فارم کے آخری کوپن پر مطلوبہ دوا BREAST BEAUTY ضرور لکھیں۔ دوا آپ کے گھر پہنچ جائے گی۔ ان شاء اللہ آپ کا مسئلہ حل ہو جائے گا۔

سلمیٰ شہزاد سرگودھا سے لکھتی ہیں کہ میرا وزن بہت بڑھ گیا ہے چہرے پر بھورے رنگ کے تل ہیں بچوں کو دودھ پلانے کی وجہ سے بریسٹ لٹک گئے ہیں کیا بچوں کو دودھ پلانے کے دوران BREAST BEAUTY استعمال کر سکتی ہوں۔

محترمہ آپ PHYTOLACCA-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔ دودھ پلانے کے دوران BREAST BEAUTY استعمال کر سکتی ہیں اس میں کوئی نقصان دہ اجزاء شامل نہیں ہیں۔

ناصر علی بہاولپور سے لکھتے ہیں کہ مسئلہ شائع کیے بغیر میری دوا تجویز کردیں۔

محترم آپ ACID PHOS 3X کے پانچ قطرے تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

محمد عبداللہ خان کراچی سے لکھتے ہیں کہ مسئلہ شائع کیے بغیر جواب دیں۔

محترم یہ ادویات استعمال کرتے رہیں۔ 3 ماہ مکمل کرلیں۔ دوسرے مسئلہ کا کوئی حل نہیں ہے یہ قدرتی ہوتے ہیں۔

مریم بٹ لکھتی ہیں کہ میرا پیٹ بہت بڑا ہے۔ آپ نے جو دوا بتائی تھی وہ میں نے حکیم سے منگائی تھی۔ اس نے قطرے دیے تھے اس سے فرق نہیں پڑا۔

محترمہ آپ CALCIUM FLOUR 6X کی چار چار گولی تین وقت روزانہ کھائیں اور CALCIUM CARB 200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر ہر آٹھویں دن لیں۔ یہ ادویات کسی ہومیو اسٹور سے خریدیں حکیم سے ان ادویات کو کوئی تعلق نہیں۔

خاتون لکھتی ہیں کہ میری چار بیٹیاں ہیں اور چاروں کے سر میں بے حد جوئیں ہیں کسی طرح صاف نہیں ہوتیں۔ میری بیٹی کی عمر 14 سال ہے اس کے بازو اور چہرے پر بال پیدا ہو رہے ہیں۔ جیسے لڑکوں کی مونچھیں ہوتی ہیں۔ اس کا بھی حل بتائیں۔ میں بہت پریشان ہوں۔

محترمہ آپ بچیوں کے سر دھونے کے بعد ایک لوٹا پانی میں SABADILA-Q ایک ڈرام ڈال لیں اور آخر میں اس پانی سے سر دھلائیں۔ روزانہ ایک بار کریں۔ فالتو بالوں کو ختم کرنے کے لیے میرے کلینک سے APHRODITE منگالیں۔ اس کے لیے 700 روپے کا منی آرڈر ڈاکٹر ہاشم مرزا کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں۔ منی آرڈر فارم کے آخری کوپن پر اپنا مکمل پتا اور مطلوبہ دوا کا نام APHRODITE ضرور لکھیں دوا آپ کے گھر پہنچ جائے گی۔

شہروز عالم حیدرآباد سے لکھتے ہیں کہ میرا وزن 86 کلو ہے وزن کم کرنے کی دوا بتائیں۔

محترم آپ PHYTOLACCA-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

عابدہ لکھتی ہیں کہ میرے چہرے اور تھوڑی پر بال ہیں۔ کیا میں APHRODITE استعمال کرسکتی ہوں۔ اس کے منگانے کا طریقہ کیا ہے۔

محترمہ آپ 700 روپے کا منی آرڈر میرے کلینک کے نام پتے پر ارسال کردیں۔ اپنا پتا مکمل لکھیں۔ آپ کو دوا گھر پہنچ جائے گی۔ اس کے استعمال سے فالتو بال ہمیشہ کے لیے ختم ہوجائیں گے۔

عرفان غوری کہروڑ پکا سے لکھتے ہیں کہ بھائی کا قد چھوٹا ہے اور میرا مسئلہ بھی ہے۔

محترم آپ بھائی کو CALCIUM PHOS 6X کی چار گولی تین وقت روزانہ کھلائیں اور BARIUMCARB 200 کے پانچ قطرے ہر آٹھویں دن پلائیں اور آپ خود AGNUS CAST 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں۔

وسیم خان لودھی فیصل آباد سے لکھتے ہیں کہ اپنی میڈیکل رپورٹ بھیج رہا ہوں۔ میرے لیے کوئی دوا تجویز کردیں۔

محترم آپ DAMIAXIA-Q کے دس قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

حورین غور غشتی سے لکھتی ہیں کہ میرے چہرے پر کالے تل ہیں۔ اس کا علاج بتائیں۔

محترمہ آپ THUJA-Q کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پیا کریں اور اسی کو تلوں پر لگالیا کریں۔ مثانے کے لیے PHYTOLACCA-Q کے دس قطرے تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

محمد ریاض فوجی سرگودھا سے لکھتے ہیں کہ میں بہت پریشان ہوں میرے مسئلے کا حل بتائیں۔

محترم آپ STAPHISGARIA-30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

حق نواز وہاڑی سے لکھتے ہیں کہ میرا مسئلہ شائع کیے بغیر علاج تجویز کردیں۔

محترم آپ LEDUMPAL 30 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر تین وقت روزانہ پی لیا کریں۔

منور خاتون ملتان سے لکھتی ہیں کہ کیا ہومیو پیتھک میں ایسی کوئی دوا ہے کہ بچوں کے دانت آسانی سے نکل آئیں میرے بچوں کے دانت بہت مشکل سے نکلتے ہیں۔

محترمہ بچوں کو دانت نکلنے کے زمانے میں ہومیو پیتھک دوا BIOPLASGEN-2 کی چار چار گولی تین وقت روزانہ دیا کریں۔

نرگس خان لکھتی ہیں مجھے برتھ کنٹرول کی کوئی موثر ہومیو پیتھک دوا بتائیں کیونکہ ایلو پیتھک دوا کے مضر اثرات بہت ہوتے ہیں۔

محترمہ ماہانہ غسل کے بعد تین دن تک روزانہ NATRUMMUR 200 کے پانچ قطرے آدھا کپ پانی میں ڈال کر پی لیا کریں۔ ایک ماہ کی حفاظت ہے۔

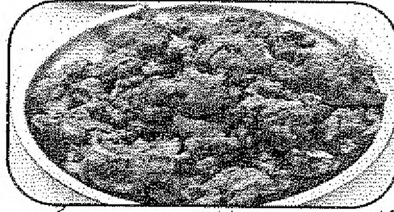
معائنہ اور باقاعدہ علاج کے لیے تشریف لائیں۔

صبح 10 تا 1 بجے شام 6 تا 9 بجے فون 021-36997059 ہومیو ڈاکٹر محمد ہاشم مرزا کلینک دکان C-5 ‘KDA فلیٹس فیز 4 شادمان ٹاؤن 2 نارتھ کراچی۔

خط لکھنے کا پتا: آپ کی صحت۔ ماہنامہ آنچل پوسٹ بکس 75 کراچی۔



پسا ہوا دھنیا	ایک چائے کا چمچ
بیسن	125 گرام
لہسن پسا ہوا	ایک چائے کا چمچ



گرم مسالہ پسا ہوا	ایک چائے کا چمچ
پسا ہوا زیرہ	ایک چائے کا چمچ
میٹھا سوڈا	ایک چٹکی
نمک	حسب ضرورت
تیل (تلنے کے لیے)	حسب ضرورت

ترکیب:

پیاز، سبز دھنیا، سبز مرچ باریک کٹی ہوئی، ایک پیالے میں بیسن ڈال کر اس میں ملالیں۔ دھنیا پاؤڈر، زیرہ، لہسن، گرم مسالہ، سرخ مرچ، نمک، میٹھا سوڈا پاؤڈر بھی شامل کرلیں۔ اب اس میں چکن کے ٹکڑے ڈالیں اور اچھی طرح مکس کرلیں تاکہ چکن پر بیسن کی تہہ بن جائے۔ گرم آئل میں سرخ ہونے تک تلیں۔ کیچپ کے ساتھ پیش کریں۔

نجم انجم اعوان..... کراچی

فریش فروٹ ود آئس کریم

اجزاء:

دودھ	دو لیٹر
انڈے	تین عدد
تازہ کریم	آدھا لیٹر
پسی ہوئی چینی	ایک کپ
ونیلا ایسنس	چند قطرے
کٹی ہوئی اسٹرابری	آدھا کپ
کٹی ہوئی رس بیری	آدھا کپ
کٹی ہوئی بلو بیری	آدھا کپ
کٹا ہوا آم	آدھا کپ
چیری	آدھا کپ

ترکیب:

انڈے میں تھوڑا سا دودھ ڈال کر پھینٹ لیں۔ باقی دودھ کو دھیمی آنچ پر پکائیں پھر اس میں چینی اور انڈے شامل کرکے مزید چند منٹ پکائیں پھر پیالے میں ڈال کر ڈھک دیں، ٹھنڈا ہونے کے بعد کریم شامل کرکے الیکٹرک بیٹر سے اچھی طرح پھینٹ لیں ونیلا ایسنس اور کٹے ہوئے پھلوں کی آدھی مقدار ملائیں پھر اسے فریزر میں ٹھنڈا کرنے کو رکھ دیں۔ جب آئس کریم جم جائے تو کریم اور پھلوں سے سجا کر فریزر میں رکھیں اچھی طرح سے فریز ہونے کے بعد پیش کریں۔

نزہت جبین ضیاء..... کراچی

خوبانی کا شربت

اشیاء:

خوبانی تیار کی ہوئی	ایک کلو
عرق گلاب	دو لیٹر
چینی	ایک کلو

ترکیب:

عمدہ قسم کی خوبانی لے کر دھولیں۔ بیج نکال دیں ایک کلو خوبانی لے کر ایک لیٹر عرق گلاب میں پکائیں۔ جب خوب گل جائے تو اسے ململ کے کپڑے سے چھان لیں اب باقی عرق گلاب میں خوبانی کا عرق اور چینی ڈال کر پکائیں اور آنچ دھیمی رکھیں جب تیار ہوجائے تو اتار لیں اور ٹھنڈا کرکے پیش کریں۔

صباء..... سرگودھا

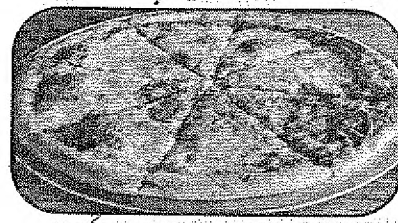
دستر مقابلہ

طلعت آغاز

چکن پیزا

اشیاء:

میدہ	چار اونس
تیل	ایک چائے کا چمچ



نمک	1/4 چائے کا چمچ
خمیر	آدھا چائے کا چمچ
چینی	آدھا چائے کا چمچ
پانی	1/4 کپ
مرغی اُبلی ہوئی اور ریشے کٹے ہوئے	ایک کپ
ٹماٹو کیچپ	دو کھانے کے چمچ
مرچ پسی ہوئی	آدھا چائے کا چمچ
رائی پسی ہوئی	آدھا چائے کا چمچ
تیل	دو کھانے کے چمچ

ترکیب:

خمیر کو پانی میں ملائیں اور دس منٹ کے لیے چھوڑ دیں پھر اس میں میدہ' نمک' چینی اور ایک چائے کا چمچ تیل ملائیں اور اچھی طرح گوندلیں۔ آٹا نرم ہونا چاہیے گوندھنے کے لیے پانی بھی استعمال کر سکتی ہیں پھر اسے نرم کپڑے سے ڈھانپ دیں۔ جب تک کہ پھول کر دو گنا نہ ہو جائے۔ اب مرغی میں تمام مسالے ملادیں۔ تیل گرم کریں اور اس میں مرغی کو تلیں پھر کیچپ ڈال کر گاڑھا گاڑھا بھون لیں۔ روٹی کو پیزا ٹرے میں رکھیں' تھوڑا سا ٹماٹو کیچپ پھیلائیں پھر مرغی کو پھیلائیں آخر میں پنیر کے ٹکڑے کر کے اوپر پھیلائیں۔ اوون میں آدھے گھنٹے تک بیک کریں۔

نوشین اقبال نوشی......گاؤں بدر مرجان

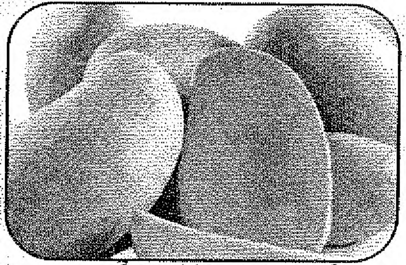
آم کی آئس کریم

اشیاء:

دودھ	دو کلو
کسٹرڈ پاؤڈر	4 بڑے چمچے
چینی	ایک پاؤ
قلمی والے آم	1/2 کلو

ترکیب:

دودھ اُبال لیں' اس میں چینی ملادیں۔ آدھا کپ ٹھنڈے دودھ میں کسٹرڈ پاؤڈر گھول کر دودھ میں



ملادیں۔ کسٹرڈ پاؤڈر ڈالتے وقت چمچ برابر چلاتے رہیں تاکہ گٹھلی نہ بنے پھر اچھی طرح چمچہ چلائیں۔ جب حل ہو جائے تو دیگچی اُتار کر ٹھنڈا ہونے دیں۔ آم کا چھلکا اُتار لیں اور باریک باریک ٹکڑے کاٹ لیں۔ گٹھلی الگ کر لیں' اب اس گودے کو خوب پھینٹیں۔ کسٹرڈ ٹھنڈا ہونے پر اس میں آم شامل کر دیں۔ اب اس مرکب کو پھر سے خوب پھینٹیں اگر آپ کے پاس آئس کریم بنانے کی مشین ہے تو اس میں چار کلو کے قریب برف اور آدھا کلو سابرہ کا نمک ڈال کر برف جمالیں۔ آئس کریم فریج میں بھی تیار کی جاتی ہے' مرکب تیار کرنے کے بعد سانچے میں ڈالیں اور فریزر میں رکھ دیں۔ ایک گھنٹے بعد اسے نکال کر خوب اچھی طرح پھینٹیں اور فریزر میں رکھ دیں دو تین بار یہ عمل دُہرائیں' تقریباً چار گھنٹے میں آئس کریم جم جائے گی۔

صائمہ شوکت......ساہیوال

ہاٹ چکن پلیٹرز

اشیاء:

مرغی (بغیر ہڈی)	6-8 ٹکڑے
چائنیز نمک	1/2 کھانے کا چمچ
لیموں کا رس	1 کھانے کا چمچ
سویا ساس	1 کھانے کا چمچ
نمک	حسبِ ذائقہ
سفید مرچ	1 چائے کا چمچ
انڈے	1/2 کپ
تیل	حسبِ ضرورت

ترکیب:

مرغی کے ٹکڑوں پر چائنیز نمک' سفید مرچ' لیموں کا رس' سویا ساس لگا کر دو گھنٹے کے لیے رکھ دیں۔ اب انڈے پھینٹ لیں اور چکن کے ٹکڑوں کو اس میں ڈِپ کریں پھر بریڈ کرمز میں لپیٹ کر تلتے جائیں۔ جب سنہری ہو جائیں تو نکال لیں' مزے دار چکن پلیٹرز تیار ہیں۔

آنسہ جاوید......فیصل آباد

سادہ آلو چاٹ

اشیاء:

آلو (اُبال کر کیوبز کاٹ لیں)	دو کپ
پیاز (چوپ کر لیں)	ایک عدد
ہرا دھنیا' پودینہ' ہری مرچوں کا پیسٹ	ایک ایک چائے کا چمچ
املی کی چٹنی	چوتھائی چائے کا چمچ
سرخ مرچ پاؤڈر	1/2 چائے کا چمچ
زیرہ پاؤڈر	1/2 چائے کا چمچ
چاٹ مسالہ	1/2 چائے کا چمچ
لیموں کا رس	ایک چائے کا چمچ
دہی	دو چائے کے چمچ
نمک	حسبِ ذائقہ
تیل	حسبِ ضرورت

ترکیب: آلو کو گرم تیل میں ڈال کر ڈیپ فرائی کر لیں اور نکال کر کچن پیپر پر رکھ دیں تاکہ اضافی تیل جذب ہو جائے' ایک پیالے میں آلو' پیاز' ہرا



دھنیا' پودینہ' ہری مرچوں کا پیسٹ' املی کی چٹنی' سرخ مرچ پاؤڈر' زیرہ پاؤڈر' چاٹ مسالہ' نمک' لیموں کا رس اور دہی ڈال کر اچھی طرح ملائیں۔ ہرے دھنیے سے سجا کر پیش کریں۔

پروین افضل شاہین......بہاولنگر

چکن پکوڑے

اشیاء:

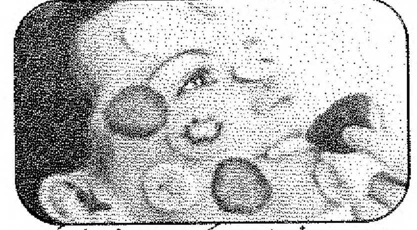
چکن (بغیر ہڈی کے ٹکڑے)	325 گرام
پیاز (باریک کٹی ہوئی)	ایک درمیانہ سائز
سبز مرچ' سبز دھنیا	باریک کٹی ہوئی
سرخ مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچ

بیوٹی گائیڈ

روبین احمد

ماسک
جلد کی حفاظت کا ضامن

جلد کی حفاظت کے سلسلے میں ماسک کا استعمال آج کل اگرچہ عام ہے۔ تاہم یہ کوئی انقلاب انگیز تصور نہیں



ہے جسے ہم ماضی کے دھندلکوں میں تلاش نہ کرسکیں۔ ممکنہ طور پر ماسک کسی نہ کسی شکل میں صدیوں سے استعمال ہوتے چلے آرہے ہیں۔ ماسک کے موجودہ فیشن کے ابتدائی دنوں میں بہت کم ورائٹیز میں یہ دستیاب ہوتے تھے مگر اب ان کا حصول کوئی مسئلہ نہیں رہا۔ بازار کے بازار ان سے بھرے پڑے ہیں۔ خاص طور پر مغربی ممالک میں طرح طرح کے ماسک بآسانی مل جاتے ہیں۔

اب اصل مسئلہ ماسک تلاش کرنے کا نہیں بلکہ اس کے انتخاب کا ہے۔ کاروباری نقطہ نظر سے ماسک کے استعمال سے چہرے کی دلکشی میں اضافہ کے بارے میں پروپیگنڈے کے ڈھنگ سے پبلسٹی کی جارہی ہے۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ چہرے کے ماسک کوئی جادوئی چیز نہیں ہیں کہ پلک جھپکتے میں چہرے کو دلکشی سے ہمکنار کردیں اس کا بنیادی استعمال چہرے کی جلد میں داخل ہوجانے والی مٹی اور دھول کے ذرات کو نکال پھینکنا ہے۔ زیادہ اہمیت اس بات کی ہے کہ یہ چہرے کی جلد کو مزید کھنچاؤ دے اور اس میں دلکشی پیدا کرے۔

عام طور پر ماسک خوش گوار مہک رکھتے ہیں ان کے استعمال سے چہرے کی جلد میں پڑے ہوئے مردار خلیے مٹ جاتے ہیں اور جلد صاف ہوجاتی ہے کاسمیٹکس کی دنیا میں دلکشی کے حصول کے لیے ماسک کا استعمال بہت تیزی سے مقبولیت حاصل کرتا جارہا ہے مگر یہ بات بھی ذہن میں رکھے جانے کے قابل ہے کہ ماسک کی مدد سے چہرے کی دلکشی تو برقرار رکھی جاسکتی ہے۔ لیکن نوجوانی کو واپس نہیں لایا جاسکتا۔

ماسک کے استعمال کا بڑا فائدہ یہ ہے کہ ان کی مدد سے جلد کو کھرچے بغیر فاضل خلیات کو دور کیا جاسکتا ہے اور یوں چہرے کی دلکشی کو برقرار رکھنے میں غیر معمولی سہولت رہتی ہے ان کی مدد سے ان مسام کو بند کیا جاسکتا ہے۔ جو چہرے میں غیر ضروری رطوبت پیدا کرتے ہیں۔ جھریوں کو کم کرنے یا غیر نمایاں کرنے میں بھی ماسک اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ رگڑ رگڑ کر صاف کرنے والوں کے لیے ماسک ایک راستہ ہے۔

ماسک کی اقسام

یوں بازار میں کئی اقسام کے ماسک دستیاب ہیں، تاہم انہیں بنیادی طور پر دو اقسام میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

1: ایک تو وہ ماسک جنہیں آپ جلد کو کھرچنے کے لیے استعمال کرسکتی ہیں۔

2: دوسرے وہ ماسک جنہیں آپ سوکھنے پر دھوسکتی ہیں۔

بیوٹی سیلونز میں استعمال ہونے والے سرد یا گرم ماسک پہلی قسم سے تعلق رکھتے ہیں۔

گھروں میں بنائے جانے والے ماسک

اگر ماسک گھر میں بنالیے جائیں تو اس میں ایک فائدہ ضرور ہے اور وہ یہ کہ آپ کو اپنی جلد کے تقاضوں کے مطابق اس میں لچک رکھنے میں آسانی ہوسکتی ہے۔ آج کل گھریلو ماسک استعمال کرنے کا رجحان بہت تیزی سے فروغ پارہا ہے۔ تاہم گھر میں ماسک تیار کرنے کے سلسلے میں سب سے زیادہ پریشان کن مرحلہ یہ طے کرنے

کا ہوتا ہے کہ آپ کی جلد کس نوعیت کی ہے اور اس کے تقاضے کیا کیا ہیں؟

اس بات کے طے ہونے پر ہی یہ پتا چل سکتا ہے کہ گھر میں ماسک کی تیاری کے سلسلے میں کن کن چیزوں کی ضرورت پڑے گی۔

آپ کو یہ جان کر حیرت ہوگی کہ بہت سے ماسک پھلوں، سبزیوں، انڈوں، دودھ اور وٹامن سے بھی تیار کیے جاتے ہیں۔ انڈوں کا ماسک کے طور پر استعمال کرنے کا رجحان اس لیے زیادہ ہے کہ انڈے ہر قسم کی جلد پر ملے جاسکتے ہیں اور پھر یہ بہت آسان طریقے سے استعمال بھی ہوتا ہے۔ تازہ پھلوں مثلاً اسٹرابیری کو بھی ماسک کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ اسٹرابیری کو کاٹیے یا اسے اچھی طرح کچل کر چہرے پر ملیے اس طرح کیلے کو بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ کیلے میں وٹامنز، کیلشیم، فاسفورس اور پوٹاشیم کی مقدار بہت زیادہ ہوتی ہے۔ لہٰذا انہیں استعمال کرنے کا رجحان بھی عام ہے۔ عام طور پر کیلے حساس جلد کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں۔ ٹماٹر، پپیتے، دہی، بالائی والے دودھ، شہد کو بھی چہرے کی جلد کی حفاظت کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔

تجارتی پیمانے پر تیار کیے جانے والے ماسک

بازار میں دستیاب ماسک زیادہ مقبول اس لیے ہیں کہ انہیں استعمال کرنے میں بہت سہولت رہتی ہے۔ گھر میں ماسک کی تیاری کے لیے اجزائے ترکیبی کے حصول کے لیے بہت محنت کرنی پڑتی ہے اور اس میں وقت بھی بہت ضائع ہوجاتا ہے۔ بازار میں دستیاب ماسک مختلف کمپنیاں برسوں کی تحقیق اور اچھی طرح سوچ بچار کے بعد بناتی ہیں۔ اس سلسلے میں لیبارٹری کی چیکنگ کا طریقہ کار مستند ہے اور یوں بازار میں دستیاب ماسک بہت اچھے نتائج کے حامل ہوتے ہیں۔

آیئے بازار میں دستیاب چند ایک ماسک کا جائزہ لیں اور آپ کی جلد کے مطابق ان کا انتخاب کریں ویسے تو بازار میں دستیاب ماسک بہت اچھے ہوتے ہیں۔ تاہم چند "خانہ ساز" فارمولے بھی قابل ذکر ہیں تاکہ آپ کو اپنے طور پر کچھ کرنے کا موقع بھی ملے۔

اسٹرابیری ماسک

نرم اور چمک دار جلد کے لیے یہ بہت مفید ثابت ہوتے ہیں، ان کی تیاری کا فارمولا یہ ہے کہ مٹھی بھر تازہ پکی ہوئی اسٹرابیریز لیں، ایک کپ میں انہیں ڈال کر اچھی طرح گاڑھا کرلیں پھر اسے چہرے اور گردن پر مل کر



سوکھنے دیں بعد میں اسے نیم گرم پانی کی مدد سے صاف کرلیں، اس سے جلد میں تازگی اور چستی پیدا ہوگی۔ یہ ماسک بازار میں تیار صورت میں بھی دستیاب ہیں۔

ککڑی کا ماسک

ککڑی میں سلفر اور سلی کان کی مقدار زیادہ ہوتی ہے۔ خاص طور پر شام کے وقت جلد میں پیدا ہوجانے والی تھکن اور پژمردگی کو دور کرنے کے سلسلے میں یہ بہت مفید ہے اس کا فارمولا یہ ہے کہ ککڑی کے چند ٹکڑے لے کر دو چمچے پاؤڈر ملک اور ایک انڈے کے ساتھ اسے پھینٹیں۔ اسے چہرے اور گردن پر اچھی طرح ملیں، سوکھنے پر اسے نیم گرم پانی سے دھولیں، بعد میں چہرے اور گردن پر ٹھنڈا پانی ڈالیں اور سوکھنے دیں۔

(باقی آئندہ ماہ)



غزل

کام دنیا کے یونہی ہم تو کیے جائیں گے
کہاں کسی پل مگر ہم تجھ کو بھلائیں گے
یاد رکھیں کے سدا تجھ سے ہی نبھائیں گے
ہم تو جاناں تجھ کو فقط تجھ کو ہی چاہیں گے
دل دکھے گا روح کرلائے گی جب ہماری
غمِ دل کس کو مگر جا کے ہم سنائیں گے
کہیں پناہ نہیں ملتی، تیری چاہ نہیں ملتی
بھلا کیسے خود کو ہم دکھ سے تیرے بچائیں گے
تیری یادیں، چاہتیں، تحریریں، تصویریں
کیا کیا نہ ہم دلِ پریشان کو دکھلائیں گے
ایک بار بچھڑ جائے جو وہ ملتا ہے پھر کہاں
بن تیرے زندگی مگر ہم کیسے جی پائیں گے؟

طیبہ شیریں، کوری خدابخش

بس اک بار کہہ دونا!

بس اِک بار کہہ دونا
اے میرے دوست!
چپ کیوں ہو......؟
کچھ تو بولو......
اداسیوں کی ردا میں لپٹا ہوا چاند
جگمگاتے ستارے
اور رات کا پھیلا آنچل
تم سے ایک ہی سوال کر رہے ہیں
تم اتنے اداس کیوں ہو؟
جانِ جاناں!
اب توانا کے خول سے
باہر نکل آؤ
بس اک بار کہہ دونا

تمہیں مجھ سے "محبت" ہے

مسز نگہت غفار۔کراچی

ماں

سوئی نہیں ہوں مجھے سُلا دو "ماں"
آجاؤ! مجھے لوری سنا دو "ماں"
اشک میری آنکھوں میں جم سے گئے ہیں
کر کے جبر دل پر مجھے رلا دو "ماں"
دیکھ کتنی بے ترتیب ہوگئی ہے زندگی میری
بکھرے ہیں میرے بال بنا دو "ماں"
اک کرب سے آشنا رہتی ہوں ہر گھڑی
اس درد کا احساس دلا دو "ماں"
بہت ڈر لگتا ہے مجھے دنیا سے
اپنے آنچل میں مجھ کو چھپا لو "ماں"
جل رہی ہوں میں اک بے نام سی تپش سے
چوم کے میرا ماتھا بجھا دو "ماں"

شازیہ چوہدری۔شیخوپورہ

غزل

نہیں ہے جس کا جواب آج
محبت ہے وہ سوال آج
جس نے بکھیرے رنگ و بو
پیار ہے وہ خواب آج
زندہ تو ہے ہر کوئی لیکن
زندگی کی تلاش ہے آج
آنکھوں کے گہرے سمندر میں
خوشیوں کی آس ہے آج
ہنستا تو ہر کوئی ہے
ہنسی میں بھی پیاس ہے آج

سحرش رانا

غزل

میرے شعروں میں رنگ بھر دو تم
دل کی آنکھوں سے ہاں بھی کر دو تم
میری سوچیں کشادہ ہو جائیں
پسِ احساس بحر و بر دو تم
دشتِ فرقت میں ابر چھا جائے
مجھ کو جو پیار کی نظر دو تم
میں تمہارے لیے سنور جاؤں
مجھ کو چاہت کا ایسا گھر دو تم
مجھ میں کچھ اس ادا سے بس جاؤ
صورتِ انجمن ہی کر دو تم
اُڑ کے پہنچوں تمہارے دل تک میں
اپنی الفت کا کوئی پر دو تم
رہ نہ پاؤں تمہارے بن خانم
مجھ کو ہی اپنے نام کر دو تم

فریدہ خانم۔لاہور

اسے کہنا
رات سے پہلے شام کے بعد
آتی ہے ہر روز مجھے تیری یاد
اچھے لمحے جو بیت گئے
جو ہاتھوں سے ریت کی مانند پھسل گئے
جب سوچوں تو آتی ہے بس تیری یاد
رات سے پہلے شام کے بعد
جدھر دیکھوں تو ہی ہے روبرو
ویران ہوں آنکھیں یا ہو پلکوں کی بھیگی باڑھ
اسے کہنا
رات سے پہلے شام کے بعد
چاہوں بھی تو بھلا نہ پاؤں
وہ باتیں، ملاقاتیں، وہ چاہت کی برساتیں
تُو بچھڑ گیا جب سے بس یادیں ہیں میرے ساتھ
اسے کہنا
رات سے پہلے شام کے بعد

مدیحہ نورین مدوح۔پرنالی

موت بھی ضروری ہے

موت بھی ضروری ہے!
حاکم شہر بتا!
وقت کے شکنجوں نے
خواہشوں کے پھولوں کو
نوچ نوچ توڑا ہے
کیا یہ ظلم تھوڑا ہے؟
درد کے جزیروں نے
آرزو کے جیون کو
مقبروں میں ڈالا ہے
ظلمتوں کے دامن میں
درد کا بسیرا ہے
شبنمی سی پلکیں ہیں
قرب ہے نہ دوری ہے
زندگی ادھوری ہے
اب یقین آیا کہ
موت بھی ضروری ہے!

ذکیہ تبسم۔جھنگ

تقدیر

ہر قلم سے میری تحریر ہے
ہر چہرے میں تیری تصویر ہے
جانے کیوں مجھے ضد سی ہے مقدر سے
کہ تُو ہی
بس تُو ہی میری تقدیر ہے

رمشہ ناز میمن، حیدرآباد



میمونہ تاج

biazdill@aanchal.com.pk

فریدہ فری......لاہور

یا مسیحائی اسے بھول گئی ہے محسن
یا پھر ایسا ہے کہ میرا زخم ہی گہرا ہوگا

کنیز فاطمہ......فیصل آباد

کوئی دھوکا نہیں ایسا جو نہ کھایا نہ ہم نے
زندگی بھر ہی تیرا ساتھ نبھایا ہم نے
کبھی محنت کا صلہ اپنی نہ پایا ہم نے
چھاؤں اوروں کو ملی پیڑ لگایا ہم نے

شبانہ امین راجپوت......کوٹ رادھا کیشن

بے فائدہ ہے زیست میں احباب کا ہجوم
ہو پیکرِ خلوص تو کافی ہے ایک شخص

صفیہ الطاف......بستی گھاڑو

وہی محفوظ رکھے گا میرے گھر کو بلاؤں سے
جو بارش میں شجر سے گھونسلے گرنے نہیں دیتا

پاکیزہ سحر......تلہ گنگ سکھر

زندگی میں آرزو کی طرح، سانسوں میں خوش بو کی طرح
وہ میرے انگ انگ میں بسا ہے گویا روح کی طرح

یاسمین عندلیب......شور کوٹ کینٹ

تُو بچھڑا تو احساس ہوا تیرے سنگ تھی ہر خوشی
میری پہچان کے جاناں سارے تجھ سے حوالے تھے

نائیلہ اشفاق......کوٹ غلام محمد

مجھ سے نفرت کی عجب راہ نکالی اس نے
ہنستا بستا دل کر دیا خالی اس نے
میرے گھر کی روایت سے وہ خوب واقف تھا
جدائی مانگ لی بن کر سوالی اس نے

عائفہ خالد......منڈی بہاؤالدین

تم بہت سال رہ لیے اپنے
اب میرے، صرف میرے ہو کے رہو

سعدیہ اجمل......گوجرانوالہ

کوئی وعدہ نہیں پھر بھی انتظار تھا
دور ہونے پر بھی اپنے پیار پر اعتبار تھا
نہ جانے کیوں بے رخی کی اس نے ہم سے
کیا ہم سے بھی زیادہ کوئی اس کا طلب گار تھا

سیدہ حیا نقوی......تلہ گنگ

جس شخص کو آغوشِ محبت میں لیا ہے
اس شخص نے ہر موڑ پہ دھوکا ہی دیا ہے
میں وقت کی چوکھٹ پہ کھڑا دیکھ رہا ہوں
انسان کے کردار سے انسان خفا ہے

ظل ہما......فیصل آباد

کیا خبر اس کے تعاقب میں ہوں کتنی سوچیں
اپنا انداز تو اوروں سے جدا رکھنا تھا
چاندنی بند کواڑوں میں کہاں اترے گی
اِک دریچہ تو بھرے گھر میں کھلا رکھنا تھا

رخسانہ قاسم...... کراچی

تم سے کب ہم نے ملاقات کا وعدہ چاہا
دور رہ کر تجھے کچھ اور زیادہ چاہا
یاد آئی ہے تیری اور بھی شدّت سے ہمیں
بھول جانے کا تجھے جب بھی ارادہ چاہا

ثمینہ مغل......ایبٹ آباد

مزا برسات کا چاہو تو ان آنکھوں میں آ بیٹھو
وہ برسوں میں کبھی برسیں، یہ برسوں سے برستی ہیں

سمیرا بانو ندیم......اسلام آباد

بہت خوش نصیب کل کی رات گزری
کچھ تنہا پر کچھ خاص گزری

غزل

نہیں در کھولنا دل کا مجھے ہر ایک آہٹ پر
ہوا اٹکھیلیاں کرنے لگی ہے گھر کی چوکھٹ پر
تیری پلکوں کی ڈالی پر ستارے جب چمکتے ہیں
کوئی دل بیٹھ جاتا ہے پھر ان کی جھلملاہٹ پر
کبھی منزل سے پہلے حوصلہ گر ہار جائے تو
کہ رستے مسکراتے ہیں مسافر کی تھکاوٹ پر
یہاں جب سانس لینے کو ہوا خالص نہیں ملتی
تعجب کس لیے کرنا محبت میں ملاوٹ پر
وہ جس نے خاک کے پتلے کو پھر سے خاک کر ڈالا
اسی کا نام لکھا ہے ہمارے دل کے لاکٹ پر
گلابی ہونٹ ایسے ہیں کہ جیسے پنکھڑی گل کی
میں دل کو ہار بیٹھا ہوں تمہاری مسکراہٹ پر
یہ شامِ زیست ڈھلنے تک رہیں گی منتظر آنکھیں
صبا پیغام لائی ہے کہ وہ آئے گی پنگھٹ پر
عجب سی تیرگی پھیلی ہوئی ہے چار سُو ارشد
دکھائی کچھ نہیں دیتا مگر ہیں کان آہٹ پر

ارشد محمود ارشد۔ سرگودھا

محبت

جس طرح
ہر دل میں محبت ہوتی ہے
ہر سانس محبت ہوتی ہے
ہر دھڑکن محبت کہتی ہے
اسی طرح
میرا دل، میری سانس، میری دھڑکن، میرے سپنے
بس تم سے محبت کرتے ہیں
پھر آکے تم
میرے دل کی دھڑکن بن جاؤ
میری سانس محبت کر جاؤ

میرے جیون کو
اپنے نام کی خوش بو سے مہکا جاؤ
میں تم سے محبت کرتی ہوں
تم میری محبت بن جاؤ
بس میری محبت بن جاؤ!

انعم خان۔ ہری پور ہزارہ

وہ لمحے

وہ دن وہ راتیں
وہ ہماری الجھی سی باتیں
ان ہی باتوں میں ایسی بات کہہ دینا
جس کا کوئی معنی نہ ہو
بڑی بڑی باتیں
چٹکیوں میں اڑا دینا
خود رونا، خود ہی ہنسنا
کہاں گئے وہ دن
کہاں گئیں وہ راتیں
وہ ہماری ساری بے معنی سی باتیں
کسی کو نہ بتانا نہ کسی سے پوچھنا
شاید وہ ہی لمحے
ہاں وہی لمحے کامیاب تھے

کنیز فاطمہ، فیصل آباد

بہت مایوس لمحوں میں
اک امید کا جگنو
کتنی مشکل سے چمکا تھا
جو تم نے روند ڈالا ہے
بتاؤ اب ہمارے پاس
جینے کے لیے ہمدم!
کیا کوئی حوالہ ہے؟

سباس گل۔ رحیم یار خان

نہ نیند آئی نہ خواب کوئی
بس تیرے خیالوں کے ساتھ گزری
اسماء عطاریہ...... لیاقت آباد، کراچی

ان کی آنکھوں میں بھی ہلکی سی نمی رہتی ہے
بات کرتے ہیں جو اوروں کو ہنسانے کے لیے
صنم ناز...... گوجرانوالہ

تیرے فراق میں دل کی اداس گلیوں میں
عجب حشر سا برپا دکھائی دیتا ہے
کتاب کھول کر دیکھوں تو آنکھ روتی ہے
ورق ورق تیرا چہرہ دکھائی دیتا ہے
مقدس رباب...... چکوال

ابھرتے ڈوبتے سورج سے توڑ لوں رشتہ
میں شام اوڑھ کے سو جاؤں اور سحر نہ کروں
اب اس سے بڑھ کر بھلا کیا ہو احتیاطِ وفا
میں تیرے شہر سے گزروں، تجھے خبر نہ کروں
یاسمین کنول...... پسرور

وہ جو بوڑھا گلی میں رہتا ہے
حال پوچھو تو بس دعا دے گا
سائرہ لنگڑیال...... سیال موڑ

زندگی تو کب کی ہوگئی خاموش
دل تو بس عادتاً دھڑکتا ہے
راشدہ شریف چوہدری...... اوکاڑہ

سانسوں کا ٹوٹ جانا تو عام سی بات ہے محسن
جہاں اپنے یاد کرنا چھوڑ دیں موت اس کو کہتے ہیں
مسز نگہت غفار...... کراچی

حدِ ادراک سے آگے تھی تیری قرب کی شام
ڈھونڈتے تجھ کو کہاں چاند ستارے جاتے
تجھ سے منسوب ہوئے ہیں تو یہ حسرت ہی رہی
ہم کبھی اپنے حوالے سے پکارے جاتے
شگفتہ خان...... بھلوال

کتاب سے دلیل دوں یا خود کو سامنے رکھ دوں
وہ مجھ سے پوچھ بیٹھا ہے محبت کس کو کہتے ہیں
سلمٰی ملک...... قادر پور راں

پیار ہو جائے تو اظہار نہ کرنا
خود کو کسی کے لیے بے قرار نہ کرنا
قدم قدم دھوکہ ملے گا سلمٰی
کبھی کسی اجنبی کا اعتبار نہ کرنا
اقراء اسماء...... جنگو جہلم

تم مجھے خاک بھی سمجھو تو کوئی بات نہیں
خاک اڑتی ہے تو آنکھوں میں سما جاتی ہے
دیا علی...... میرپور آزاد کشمیر

تجھے اکیلے پڑھوں کوئی ہم سبق نہ رہے
میں چاہتا ہوں کہ تجھ پہ کسی کا حق نہ رہے
سارہ وڑائچ...... اوکاڑہ

اک دن میں نے اس سے پوچھا تیرا منشا کیا ہے
اس نے ریت پہ میرا نام لکھا اور مٹا دیا
خواجہ عرفانہ محبوب...... جتوئی

روز ڈھلتا ہوا سورج یہ مجھ سے کہتا ہے فراز
آج اس کو بے وفا ہوئے اک اور دن گزر گیا
سحرش رانا...... منڈی بھٹیاں

کسی نے کہا ہے کسی سے نہ کہنا
لگے چوٹ دل پہ تو خاموش رہنا
کہو گے کسی سے ہنسے گا زمانہ
مگر اس ادا سے کہ رو دے زمانہ
انعم خان...... کھلابٹ کالونی

اس دل کے چند اثاثوں میں اک موسم ہے برساتوں کا
اک صحرا ہجر کی راتوں کا اک جنگل وصل کے خوابوں کا
اس چودھویں رات کے سائے میں جب آخری بار ملے تھے ہم
پاگل دل کب بھولتا ہے وہ باغ سفید گلابوں کا



جویریہ طاہر
yaadgar@aanchal.com.pk

القرآن

ان لوگوں کے راستے پر جن پر تُو نے اپنا (فضل اور) انعام کیا (جو لوگ قولِ شریعت کے ساتھ چلے سلوکِ حقہ، میں رہے۔ جمالِ نعمتِ باطن سے فیض یاب ہوئے، محویت میں آ گئے یعنی یکسو ہو کر خدا کا نام لے کر خدا کے حکم پر چلتے رہے)۔ جن پر نہ تیرا غصہ ہوا اور نہ وہ گمراہ ہوئے۔ (مغضوب سے عاصی اور ضالین سے بدعقیدہ ناواقف لوگ مراد ہیں)۔
(البقرۃ ۶ تا ۷)

حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ "تین باتیں نجات دینے والی ہیں اور تین باتیں ہلاکت میں ڈالنے والی ہیں۔ نجات دینے والی تین باتیں یہ ہیں: ا۔ کھلے اور چھپے اللہ کا تقویٰ اختیار کرنا، ۲۔ خوشی اور ناخوشی (ہر صورت) میں حق بات کہنا، ۳۔ ناداری ہو یا خوش حالی (ہر حالت میں) اعتدال اور میانہ روی کی راہ پر چلنا۔ ہلاکت میں ڈالنے والی تین باتیں یہ ہیں: ۱۔ ایسی خواہش جس کا انسان تابع اور غلام بن کر رہ جائے، ۲۔ ایسی حرص جسے مقتدا اور پیشوا مان لیا جائے، ۳۔ خود پسندی، فرمایا یہ بیماری ان تینوں میں زیادہ خطرناک ہے۔"
(بیہقی)

انمول موتی

جب دوست مانگے تو کل کا سوال ہی نہیں ہوتا۔
سچی بات کہنے سے پہلے اگر اسے بار بار تولا جائے تو اس کا وزن گھٹ جاتا ہے۔
خاموشی اعلیٰ ترین تقریر ہے۔
ایک لمبی زبان عمر کو چھوٹا کر دیتی ہے۔
پسو مارنے کے لیے قالین نہ جلاؤ۔
جس کا پیٹ بھرا ہو وہ کچھ نہیں سیکھتا۔
شدید خواہشات لا حاصل ہوتی ہیں اور یہ ان لوگوں کا مقدر بنتی ہیں جنہوں نے کبھی ان کی حسرت بھی نہ کی ہو۔
تنہائی میں کوئی بھی شخص کبھی گھٹن کا شکار نہیں ہوتا کیونکہ اس وقت اپنی پسند کے کبھی لوگوں کا ہجوم ہوتا ہے۔
عشق وہ مقام ہے جہاں "کچھ پانے" کے بجائے "سب کچھ لٹانے" کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔
بعض رشتے ایسے ہوتے ہیں جنہیں نبھاتے ہوئے پل صراط سے گزرنے کا گمان ہوتا ہے۔
کچھ رشتے ایسے ہوتے ہیں جنہیں جوڑے رکھنا توڑ دینے سے زیادہ اذیت ناک ہوتا ہے۔
کچھ لوگ ان گھروں کی طرح ہوتے ہیں جن میں رہنے کو دل کرتا ہے۔
انا شاہ زاد...... گجرات

عظیم رہنما

قائد ملت نواب لیاقت علی خان آل انڈیا مسلم لیگ کا حصہ بنے تو انہوں نے اپنی تمام جائیداد اور دولت مسلم لیگ کو دے دی۔ شہادت کے بعد جب ان کا بینک اکاؤنٹ دیکھا گیا تو اس میں صرف بیس روپے تھے۔
سمیرا مشتاق ملک...... اسلام آباد

ماں کی عظمت

☆ جو جنت کا طالب ہے، اسے چاہیے کہ وہ ماں کی خدمت کرے۔ (شیخ سعدی)
☆ اس کائنات میں صرف ماں وہ ہستی ہے، جس کی دعا بچوں کے حق میں جلد قبول ہوتی ہے۔ (حکیم

افلاطون)

☆ جس کی ماں مر جائے وہ اس کائنات کا مفلس ترین شخص ہے۔ (گوئٹے)

☆ ماں کی محبت کبھی بھی دکھاوے کے لیے نہیں ہوتی۔ (نپولین)

☆ کتنا بدقسمت ہے وہ شخص جسے ماں کے ہوتے ہوئے بھی اس کی محبت حاصل نہ ہو۔ (کارلائل)

☆ ماں سے زیادہ ہمدرد ہستی اس دنیا میں کوئی ہے ہی نہیں۔ (خلیل جبران)

☆ ماں کے بغیر گھر قبرستان کی طرح ہے۔ (اورنگ زیب)

گلنار زمان گل...... مان

یادیں

"یادیں" جو تین الفاظ کا مجموعہ ہے۔ کیا ہوتی ہیں یادیں کہ ساری عمر انسان کا پیچھا نہیں چھوڑتیں جب یادوں کے دریچے کھلتے ہیں تو کھلتے ہی چلے جاتے ہیں۔ یادیں تلخ بھی ہوتی ہیں اور شیریں بھی۔ دنیا میں کوئی انسان ایسا نہیں جس کے پاس یہ خزانہ نا ہو۔ آنسوؤں کا یاد سے گہرا تعلق ہے جب دل روتا ہے تو آنکھ بھر آتی ہے لیکن بعض اوقات کچھ لوگ اپنے چہروں پر ایسی خوب صورتی سے مسکراہٹ سجا کر رکھتے ہیں کہ دوسروں کو احساس تک نہیں ہوتا کہ اس کے اندر کتنا طوفان چھپا ہے۔ یادوں کو دوست بھی کہا جاتا ہے کہ یہ انسان کو زندگی کے کسی بھی لمحے تنہا نہیں ہونے دیتیں۔ کچھ لوگ یادوں کے سہارے زندہ رہتے ہیں یادیں تو نعمت ہیں رب کی جو انسان کو عطا کی گئی ہے۔

رانی اسلام...... گوجرانوالہ

دنیا صرف لڑکیوں کے لیے ہے

لڑکی زور سے ہنسے تو خوب صورتی۔
لڑکا زور سے ہنسے تو ڈنگر۔
اگر لڑکی میٹھا بولے تو پیاری لگے۔
لڑکا میٹھا بولے تو فراڈیا۔
لڑکی شاپنگ کرے تو رواج۔
لڑکا شاپنگ کرے حرام دے پیسے جو ہونے۔
لڑکی خاموش رہے تو غمگین۔
لڑکا خاموش رہے تو تنوں کی موت پیہ گئی ہے۔
لڑکیاں مل کے چلیں تو گروپ۔
لڑکے مل کر چلیں تو بے غیرتاں دا ٹولا۔

درخشاں بی...... چونالہ

اچھی بات

نیکی کر کے اسے بھول جایا کرو۔
جیسے گناہ کے وقت اپنے رب کو بھول جاتے ہو!!

طیبہ طاہرہ، سعیدہ طاہرہ...... صدر گجرات

کشف

ہونٹ بے بات ہنسے
زُلف بے وجہ کھلی
خواب دکھلا کے مجھے
کس سمت چلی
خوش بُو لہرائی
میرے کان میں سرگوشی کی
اپنی شرمیلی ہنسی میں نے ہنسی
اور پھر جان گئی
میری آنکھوں میں
تیرے نام کا تارہ چمکا

تسنیم چوہدری...... آکسفورڈ، یوکے

میری زندگی بچی ہے دو آنچلوں سے اے دوست!
اک یہ میرا آنچل، اک تُو میرا "آنچل"
تجھے لوں تو ڈانٹ پڑتی ہے نہ لوں تو ڈانٹ
اب کیا کرے کاجل کچھ تُو ہی بتا "آنچل"

سمیرا کاجل صدیقی...... جنڈانوالہ بھکر

اعتماد

چھتری بارش کو نہیں روک سکتی مگر اس کی وجہ سے ہم بارش میں بھیگے بغیر کھڑے ہونے کے قابل

ہوتے ہیں۔ اعتماد ہمیں کامیابی نہیں دلاتا مگر ہمیں وہ قوت دیتا ہے جس کے ذریعے ہم مشکلات کا سامنا کر سکتے ہیں۔

انتخاب: دعا زاہد حسین ہاشمی...... فیصل آباد

مزاحیات

ایک موٹی عورت کے گھر چور گھس گیا۔ چور چوری کر کے بھاگ رہا تھا کہ برتن گرنے کی آواز سے موٹی عورت جاگ گئی اور چور کے اوپر بیٹھ گئی۔ میاں سے کہنے لگی۔

"جاؤ پولیس کو بلاؤ۔"

شوہر: "مجھے جوتے نہیں مل رہے۔"

چور کراہتے ہوئے۔ "ارے میری چپل پہن کر جلدی جا! میرا دم گھٹ رہا ہے۔"

عشا ائل...... جہلم

اچھی بات

ہمارے دلوں میں اتنی تھوڑی جگہ کیوں ہے کہ ہم تمام رشتوں سے ایک جیسی محبت نہیں کرتے۔

(فرحت اشتیاق)

جو کسی کی چھوٹی سی غلطی معاف نہیں کر سکتا وہ کیسے یہ یقین کرلے کہ خدا اس کے بڑے بڑے گناہ معاف کر دے گا۔

(عمیرہ احمد)

جن سے محبت کی جاتی ہے ان کے لیے دل میں ایک قبرستان بھی بنا دیا جاتا ہے، جس میں اپنے محبوب کی ساری خامیاں دفن کر دی جاتی ہیں اور ان پر کتبے بھی نہیں لگائے جاتے۔

(نمرہ احمد)

جو کسی کا "سرف" ہوتا ہے وہ کسی کا "سب" کچھ ہوتا ہے۔

(رفعت سراج)

کبھی بڑوں کو بھی چھوٹوں کے آگے جھک جانا چاہیے، اس سے ان کی عزت میں فرق نہیں آتا بلکہ چھوٹوں کو بھی جھکنا آجاتا ہے۔

(عمیرہ احمد)

کبھی کبھی تقدیر ہمیں مٹی کے پیالے میں امرت پیش کرتی ہے مگر ہم مٹی کے پیالے کو حقارت سے دیکھتے ہوئے ٹھکرا دیتے ہیں۔

(راحت جبیں)

ہر زمین ایڑیاں رگڑنے کے لیے نہیں کیونکہ ہر زمین کے نیچے آب زم زم نہیں ہوتا۔

زمین انسان کا مسکن ہے جو اسے جھک کر نہیں چھوتا وہ ٹوٹ کر زمین بوس ہو جاتا ہے۔

(زہرہ ممتاز)

اگر پہلے سفر کی صعوبتوں اور دکھوں کی وجہ سے پاؤں آبلہ پا اور وجود تھکاوٹ سے چُور ہو تو کبھی دوسرے سفر کا ارادہ فوراً نہیں کرنا چاہیے۔ منزل تک رسائی مشکل ہو جاتی ہے۔

(شگفتہ بھٹی)

نظم

ہم وہ پھول ہیں
جو روز نہیں کھلتے
وہ ہونٹ ہیں جو
کبھی نہیں سلتے
ہم سے بچھڑو گے
تو احساس ہوگا تمہیں
ہم وہ دوست ہیں
جو روز نہیں ملتے

نوشین عرفان...... نیوراجو پنڈی باغاں

آنچل

آ۔ آرام وسکون مہیا کرتا ہے۔
ن۔ نفرتوں کو دلوں سے مٹا دیتا ہے۔
چ۔ چاہتیں بکھراتا ہے ہر سو۔
ل۔ لادو مجھے میرا آنچل۔

مہرین آصف بٹ...... سہنہ

آنسو

چار حرف پر مشتمل یہ لفظ یہ نمکین پانی کے چند قطرے جن کو ہم لوگ ''آنسو'' کہتے ہیں۔ اپنے اندر غم اور خوشی دونوں سمیٹے ہوئے ہیں۔ غم کے موقع پر آنسو نکلنا ایک عام سی بات ہے کیونکہ آنسو ہی غم کا اظہار ہے اور یہ آنسو ہی غم میں انسان کا ساتھ دیتے ہیں مگر بہت زیادہ خوشی ملنے پر بھی آنسو نکل پڑتے ہیں۔ وہ آنسو خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ آنسو بھی پھولوں کی مانند ہیں جو غم اور خوشی دونوں میں ہی انسان کا ساتھ دیتے ہیں۔ یہ مختلف انداز میں آنکھوں سے بہتے ہیں۔ کسی کے بچھڑنے پر کسی کی جدائی پر یا کسی کے اچانک مل جانے پر یہ آنسو موتیوں کی طرح ہماری آنکھوں سے بہنے لگتے ہیں اور ان دو دھاروں میں ہماری زندگی بہتی چلی جاتی ہے۔

طیبہ نذیر...... گجرات

مزاحیات

مشہور سائنسدان آئن اسٹائن ایک دفعہ بس میں سفر کررہے تھے وہ کچھ ضروری کاغذات بس میں پڑھنا چاہتے تھے۔ کاغذات نکالے تو انہیں یاد آیا کہ عینک تو گھر پر ہی بھول آئے ہیں' اس لیے انہوں نے اپنے پاس بیٹھے ہوئے مسافر سے درخواست کی کہ ازراہ کرم یہ کاغذ پڑھ دیں۔

اس پر مسافر نے جل کر کہا۔ ''معاف کیجیے' میں بھی آپ کی طرح جاہل ہوں۔''

شبانہ امین راجپوت...... کوٹ رادھا کشن

گناہ گار

گناہ کو پھیلانے کا ذریعہ کبھی مت بنو کیونکہ ہوسکتا ہے تم تو توبہ کرلو پر جس کو تم نے گناہ پر لگایا' وہ تمہاری آخرت کی تباہی کا سبب بن جائے۔

مریم جبین...... ٹکال

امید

امید پر ہی دنیا قائم ہے۔ یہ جملہ ہم نے بہت دفعہ سنا ہوگا۔ ناامیدی گناہ ہے۔ امید اور بھروسہ یہ دو لفظ ہیں جن کے سہارے ہم لوگ زندگی گزارتے ہیں۔ امید ایک ایسا دیا ہے جو اس وقت تک جلتا رہتا ہے جب تک انسان کے دل میں امید کی شمع جلتی ہے۔ جب یہ شمع بجھ جاتی ہے تو امید کا دیا بھی انسان کی زندگی میں اندھیرا کردیتا ہے۔ امید کا اختتام کبھی نہیں ہوتا۔ جب تک انسان چاہے اسے زندہ رکھ سکتا ہے۔ انسان کو کوئی بھی کام کرتے ہوئے امید کی رسی کو نہیں چھوڑنا چاہیے۔ خود پر بھروسہ رکھ کر امید کا دامن پکڑے رہنا چاہیے۔ ناامیدی جب حد سے زیادہ بڑھتی ہے تب جان دینے کی نوبت آتی ہے۔ یہ تو امید ہی ہے جو جان جانے نہیں دیتی۔ ورنہ کیا پتا دنیا میں قیامت ہی قیامت ہوتی۔

نمرہ انور...... گوجرانوالہ

ایک اچھی بات

سب سے جلدی راضی ہونے والی ہستی اللہ کی ذات ہے۔ ہماری ندامت کا ایک آنسو اسے ہمارا بہت قریبی دوست بنا سکتا ہے اور جس کا سب سے قریبی اللہ ہو تو اس کا کوئی کام کیسے رک سکتا ہے......؟

فرزانہ اکرام...... سرگودھا



> **انتباہ**
>
> ماہنامہ آنچل میں شائع کیے جانے والے فرمان الٰہی اور احادیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم ادارہ مستند حوالوں کے ساتھ خود شائع کرتا ہے۔ لہٰذا قارئین کرام سے گزارش ہے کہ وہ کوئی بھی فرمان الٰہی و احادیث ادارے ارسال کرنے سے گریز کریں۔
>
> ادارہ



شہلا عامر

aayna@aanchal.com.pk

نادیہ عباس...... موسیٰ خیل۔ پیارے انکل اور آنچل اسٹاف کو میری طرف سے پُرخلوص اور محبتوں بھرا سلام قبول ہو۔ یہ میرا آنچل میں پہلا خلوص نامہ ہے۔ مجھے آنچل بہت پسند ہے اور اس کا سلسلہ وار ناول ''یہ چاہتیں یہ شدتیں'' بہت پسند تھا۔ پیپرز کی وجہ سے اس کی آخری تین اقساط نہیں پڑھ سکی۔ باقی سب ناول بھی بہت اچھے ہیں اور اگلی قسط کا انتظار رہتا ہے۔ امید ہے آپ مجھے مایوس نہیں کریں گے اور میری تحریروں کو اپنے آنچل کے قیمتی صفحات میں جگہ دیں گے۔ اب ہر ماہ کچھ نہ کچھ ارسال کرتی رہوں گی۔ یہ شرط یہ کہ آپ میری تحریریں شامل اشاعت کرکے میری حوصلہ افزائی کریں۔ مجھے شدت سے اگلے شمارے کا انتظار ہے جس میں میری تحریریں شائع ہوں گی۔ اب اجازت چاہتی ہوں۔ سانسوں نے وفا کی تو پھر ملیں گے۔ اللہ حافظ۔

مسز ارم جاوید احمد...... کراچی۔ سلام دوستو! سب کیسے ہو؟ بہت عرصے بعد خط لکھ رہی ہوں۔ سمیرا تم نے ناول کا اختتام اتنا اچھا کیا ہے کہ مجھے قلم اٹھانا ہی پڑا۔ راحت وفا نے بھی بہت اچھا اختتام کیا' پڑھ کر مزہ آ گیا۔ عشنا جی! آپ کا ناول بھی بہترین جارہا ہے۔ نازیہ جی پلیز امامہ کو ٹھیک کردیں۔ بہت بے وقوفی کررہی ہے وہ۔ وہ شجاع کے ساتھ ہی بچے گی پلیز! افسانے سب ہی بہترین رہے۔ عالیہ حرا کی ''روشنی اور راستہ'' اچھی لگی۔ تحسین انجم انصاری کا مکمل ناول بھی بہترین رہا۔ سروے کا سلسلہ بہت اچھا لگا۔ اچھا اجازت فی امان اللہ۔

علیہا رانا' عسیلہ رانا' جمیتہ شاہ...... تلمبہ۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ اس دفعہ آنچل ہمیں 21 تاریخ کو ملا۔ ناول کا آغاز ''پتھروں کی پلکوں پر'' سے کیا۔ امامہ پہ بہت ہی زیادہ غصہ آیا' دل نے کہا چماٹ مار کر شکل گم کردوں۔ شجاع کے ساتھ ناانصافی ہوئی۔ ایان کی بہت خوشی ہوئی۔ عباد پہ بہت زیادہ غصہ آیا کہ اس نے صاعقہ کو دھوکا دیا اور ہادیہ کو پرپوز کردیا۔ پلیز عباد کو صاعقہ سے دور نہ کریں۔ ورنہ...... اس کے بعد ہم نے چھلانگ لگائی ''اور کچھ خواب'' پہ پہنچ گئے۔ انا بیتا نے دامیان کے ساتھ اچھا نہیں کیا اور پلیز پلیز پارسا کے ماضی والا سسپنس ختم کردیں اور عدن سے ملادیں اور ناول سو سو تھے۔ اقراء صغیر احمد کے ''بھیگی پلکوں پر'' پہلی قسط اچھی تھی۔ امید ہے باقی بھی اچھی ہوں گی۔ پاکیزہ سحر کی غزل ''وہ کہتا تھا'' بڑی پسند آئی۔

نبیلہ انجم' عقیلہ شمائیل...... فیصل آباد۔ السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ ومغفرتہ۔ شہلا آپی اور آنچل اسٹاف کیسے ہیں آپ؟ قارئین کرام میں بھولی تو نہیں لوگوں کو کیسی ہیں آپ سب؟ جی امید ہے سب خیریت سے ہوں گی۔ ہم آپ سب کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعا گو ہیں۔ ایک تو میں مصروف تھی دوسرا میں آنچل اسٹاف سے ناراض تھی کیونکہ مجھے لگا تھا میں کبھی بھی ان کے دلوں میں جگہ نہیں بنا سکتی۔ اس لیے اب لکھنا چھوڑ رہی تھی لیکن اس دفعہ امید کی کرن نظر آ گئی کہ واقعی آنچل اسٹاف کم ظرف نہیں۔ اس دفعہ آنچل 24 مئی کو ہی خلاف معمول مل گیا اور ایک ہی رات میں سارا چٹ کر ڈالا۔ آنچل ہاتھ میں لیتے ہی سب سے پہلے ''سرگوشیاں' حمد و نعت'' سے دل اور روح کو سیراب کیا۔ پھر شاہدہ جمیل اور زوبی رانا سے ملاقات ہوئی۔ بھئی شاہدہ آپ کا تعارف بڑا اچھا تھا۔ ہمیشہ ہی انسان کو خوش اخلاق اور ہنس مکھ ہونا چاہیے۔ زوبی رانا جی بہت خوشی ہوئی آپ سے مل کر۔ عربی پڑھ رہی ہیں اور نعت خواں ہیں۔ آپ کا تعارف تو میرے دل کو بھا گیا۔ دل چاہتا ہے کہ اڑ کر آپ کے پاس آجاؤں مگر ڈر لگتا ہے کہ کہیں آپ پہچاننے سے انکار نہ کردیں۔ (بھلا میری کیا عزت رہ جائے گی) جی بالکل اجازت ہے آپ کو دوستوں کے حلقے میں آنے کی۔ پیاری آپی سمیرا جی آپ نے ''یہ چاہتیں یہ شدتیں'' کا بہت پیارا اختتام کیا میری دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو جلدی سے اچھا کردے۔ آپی اللہ کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے۔ تحسین انجم انصاری! آپ نے تو کمال کردیا۔

انسان کو کبھی بھی اپنے حسن پر ناز نہیں کرنا چاہیے۔ بے وقوف ہیں وہ لوگ جو اپنے حسن پر ناز کرتے ہیں۔ فاروق کا کردار بہت اچھا تھا۔ نرم دل نرم مزاج عالیہ کی ''روشنی اور راستہ'' بھی اچھی تھی۔ اچھا ہوا امراد اور ابینا اسی سزا کے قابل تھے۔ ''اور کچھ خواب'' شکر ہے اس دفعہ اتنا تیا تھوڑا سا لائن پر آئی۔ ''پتھروں کی پلکوں پر'' امامہ کس قدر سر پھری لڑکی ہے دل تو کرتا ہے میرے سامنے ہو تو اس کے منہ پر دو تھپڑ لگا دوں۔ باقی سب کہانیاں معمول کے مطابق اچھی تھیں۔ اس دفعہ ''بیاض دل اور آپ کی پسند'' میں آنا چاہتی ہوں دیں گی جگہ۔ ''یادگار لمحے'' بہت اچھے تھے۔ باقی رسالہ ابھی پڑھنے والا ہے اس لیے اس کے بارے میں کوئی رائے نہیں دے سکتی۔ میرے لیے اور میری دوست کے لیے دعا کرنا پلیز اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے امتحان میں کامیاب کردے اور اللہ تعالیٰ باقی سب کو بھی دنیا اور آخرت کے امتحانوں میں آسانیاں فرمائے آمین۔ کراچی شہر اور ہمارے پیارے ملک پاکستان' کشمیر' فلسطین کو فتح عطا فرمائے۔ اب اجازت چاہوں گی خلوص دل سے دعاؤں اور نیک تمناؤں کے ساتھ او کے اللہ حافظ۔

تانیہ تنزیل...... حافظ آباد۔ السلام علیکم! ثمانلہ آپی! کیسی ہیں آپ اور آنچل کا پورا اسٹاف۔ آج میں پورے ایک سال کے بعد لکھ رہی ہوں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ میں نے آنچل سے رابطہ ہی ختم کر دیا ہے۔ ہر مہینہ کا آنچل تو میں پڑھتی رہی لیکن لکھنے کی ہمت اس لیے نہیں کی کہ انسان کبھی کبھی معاملات زندگی میں مصروف ہوتا ہی چلا جاتا ہے۔ اس دوران بہت سے ناول اپنے اختتام کو پہنچے جن میں ''زندگی دھوپ تم گھنا سایہ'' ''وشت آرزو'' ''یہ چاہتیں یہ شدتیں'' سر فہرست ہیں۔ سب رائٹرز نے بہت اچھا اختتام کیا ہے اور اس کے علاوہ کچھ تبدیلیاں بھی رونما ہوئیں آنچل میں جو کہ بہت ہی اچھا ہوا ہے۔ ''آنچل کے ہمراہ'' کا سلسلہ تو بہت ہی اچھا ہے۔ سلسلے وار ناول ''پتھروں کی پلکوں پر'' پلیز انوشہ کے ساتھ کوئی زیادتی نہیں ہونی چاہیے اب اور امامہ کو کب عقل آئے گی آخر۔ اس کے علاوہ سب ہی سلسلے پہلے کی طرح زبردست جا رہے ہیں۔ خدا کرے آنچل یونہی ہمیشہ ترقی کرتا رہے آمین۔ ہم سب کو مل کر اپنے ملک کی سلامتی کے لیے بھی دعا کرنی چاہیے تاکہ ہمارا ملک دشمنوں کے چنگل سے نکل سکے۔ خدا ہمارے ملک کو ہمیشہ قائم رکھے آمین آنچل اور آنچل کے پورے اسٹاف کو سلام اور پڑھنے والوں کو بھی خدا حافظ۔

صدیحہ اشفاق...... گجرات۔ السلام علیکم! آنچل اسٹاف اینڈ قارئین کیسے ہیں آپ امید کرتی ہوں کہ سب خیریت سے ہوں گے آمین۔ اس ماہ کا آنچل پہلی مرتبہ 22 تاریخ کو ملا تو دل خوش ہوگیا۔ ''حمد و نعت'' کی روشنی سے اپنے دل و دماغ کو منور کیا پھر آگے بڑھے ''ہمارا آنچل'' میں شاہدہ جمیل اور زوبی رانا سے ملاقات کی جو کہ بہت اچھی تھی۔ مزا آیا۔ مجھے آنچل کا یہ سلسلہ بہت پسند ہے۔ آگے بڑھے تو اسکیچ تصویر دیکھی تو بہت اچھا لگا کب کی خواہش تھی جو پوری ہوگئی۔ پلیز اب ماڈل کی پکچر مت لگائیے گا۔ اپنی پسندیدہ رائٹر کے ناول کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ ''بھیگی پلکوں پر'' نام تو اچھا لگا اور دعا ہے کہ یہ ناول بھی بہت اچھا ہو اور اللہ اقراء جی کو مزید کامیابیوں سے نوازے آمین۔ ابھی پڑھا نہیں ہے دو چار اقساط پڑھ کر پھر تبصرہ کروں گی۔ پھر اپنے نہایت پسندیدہ ناول ''اور کچھ خواب'' پڑھا عشنا جی زبردست ہر بار قسط پڑھ کر مزا آجاتا ہے۔ بہت عرصے بعد ایسی رومانٹک کہانی پڑھ رہے ہیں۔ آپ اسی طرح لکھتی رہیے گا۔ اور پلیز دامیان اور انابیتا کی ناراضگی ختم کروادیں۔ یہ دونوں میرے پسندیدہ ہیں۔ ''نور شفق'' ہری پور ہزارہ والی بات کی خبردار جو کسی کی بات پر کان دھرے۔ ''پتھروں کی پلکوں پر'' نازیہ جی بہت اچھا لکھ رہی ہیں آپ۔ مگر اس دفعہ صفحات کم تھے ابھی پڑھنا شروع کیا تھا اور ختم بھی ہوگیا پلیز ہم پر رحم کریں اور تھوڑا زیادہ لکھا کریں۔ اتنے دن جتنی مشکل سے گزرے ہیں وہ آپ ہم سے پوچھیے اور پلیز نازیہ سانول شاہ کو اچھا کر کے مارنا نہیں ہے بلکہ اس کی اور انزلہ کی شادی کروائیے گا اور امامہ کو تھوڑی سی عقل دیں گھر چھوڑ کر جا رہی ہے۔ اچھا نہیں کر رہی بہت پچھتائے گی۔ اس ماہ کا سروے ''آنچل کے ہمراہ'' بہت اچھا تھا مزہ آیا۔ سوال بہت اچھے تھے۔ پلیز ایسے سلسلے جاری رکھیے گا۔ باقی شمارہ ابھی نہیں پڑھا آئندہ ماہ تک کے لیے خدا حافظ اگر زندگی نے ساتھ دیا تو پھر ملیں گے اس دعا کے ساتھ کہ آنچل بہت بہت ترقی کرے۔ اور خدا میرے ملک پاکستان کو اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین۔

شمائلہ رباب...... راولپنڈی۔ السلام علیکم! تمام آنچل اسٹاف اور پڑھنے والوں کو سلام قبول ہو۔ ماہ جون 2011ء کا

آنچل 24 تاریخ کو ملا۔ سب سے پہلے حمد و نعت پڑھی اور دل کو راحت ہوئی۔ اس کے بعد سلسلہ وار ناول ''اور کچھ خواب'' عشنا کوثر سردار کا بہت اچھا تھا۔ باقی بہنوں نے بھی بہت خوب لکھا۔ آنچل کے تمام سلسلے ہمیشہ کی طرح خوب صورت تھے۔ آنچل میں میری تحریر شامل کرنے کا شکریہ۔ اللہ حافظ۔

طیبہ طاہرہ...... صبور۔ اہل آنچل کو محبتوں بھرا اسلام جون کا شمارہ 23 مئی کو ملا۔ حمد و نعت پڑھ آئینہ میں اپنا عکس دیکھنے کی کوشش کی لیکن ہمارا تو نام و نشان بھی نہیں۔ چلیں پھر بھی سہی...... ! شاہدہ جمیل اور زوبی رانا سے ملاقات کی۔ اچھا لگا ''بیاض دل'' میں سب اچھے اشعار تھے۔ مگر سیدہ حیا نقوی کا شعر دل پر لگا۔ کام کی باتیں ڈائری میں نوٹ کیں۔ باقی آنچل زیر مطالعہ ہے۔ تمام بہنوں سے گزارش ہے کہ میرے لیے دعا کریں۔ زندگی رہی تو اگلے ماہ لمبے سے تبصرے کے ساتھ حاضری دوں گی کیونکہ پیپرز کی وجہ سے کچھ مصروف ہوں۔ خدا حافظ۔

مہوش ملک...... گنگا پور۔ السلام علیکم! کیا حال ہے سب ٹھیک ٹھاک ہیں نا؟ اللہ کے کرم سے میں بھی بالکل فٹ فاٹ ہوں۔ لیس جی! اتنی شدید گرمی اور اوپر سے یہ نگوڑی لوڈ شیڈنگ' مگر بھلا ہو اس ٹھنڈے نرم مزاج آنچل کا کہ دماغ کو تسکین اور دل کو آرام پہنچانے کا کوئی تو دلچسپ ذریعہ ہے ہمارے پاس۔ سچی بتاؤں' ٹائٹل گرل ایک آنکھ نہیں بھائی مجھے۔ بہت غور سے دیکھنے کے بعد بھی نہ پتا چل سکا کہ ٹائٹل کی ناپسندیدگی کی وجہ آخر ہے کیا؟ سب سے پہلے ''سرگوشیاں'' پڑھیں۔ مشتاق انکل یہ بات صدفی صد سچ ہے کہ اس وقت جو ملکی حالات ہیں' ہر بندہ خوف و ہراس میں مبتلا سہمی سہمی زندگی گزار رہا ہے۔ عوام تو کٹھ پتلیوں کی طرح بے رحم حکمرانوں کی انگلیوں پہ ناچ رہے ہیں۔ بس ایسے مشکل وقت میں اپنے رب سے یہی دعا ہے کہ ہمارے وطن کو اللہ رب العزت اپنے حفظ و امان میں رکھے آمین۔ ''ہمارا آنچل'' میں زوبی رانا کو دیکھ کر دل بلیوں اچھل پڑا۔ یار تم تو ویسے ہی بڑی پیاری اور اچھی لڑکی ہو۔ اب یہ ساری خوبیاں دیکھ کر میرا مطلب ہے پڑھ کر' میں تو اور پرستار ہوگئی ہوں تمہاری۔ اپنی قاری بہنوں کو زوبی کے حوالے سے بتاتی چلوں' ماشاء اللہ اس نے تفسیر پڑھی ہے اور پڑھا بھی رہی ہے۔ میری دعا ہے کہ تم خوش رہو ہمیشہ آمین۔ ''آنچل کے ہمراہ'' میں سوالات جتنے کمال کے جوابات اس سے بھی بڑھ کر' میرے علاوہ سارے نئے چہرے تھے۔ سب نے دلچسپ جواب دیے۔ اب سیدھا لینڈ کرتے ہیں اقراء صغیر جی کے نئے ناول ''بھیگی پلکوں پر'' میری شدید خواہش ہے کہ یہ ناول اس قدر زبردست ہو کہ ''دشت آرزو'' جو میرے دماغ میں کائی کی طرح جم کے رہ گیا ہے اس کے اثر کو زائل کرنے میں کامیاب ہو۔ (اللہ کرے زور قلم اور عطا ہو) آمین۔ سب سے دلچسپ سلسلہ ''آئینہ'' دیکھنا ہے۔ ہر بار منفرد اور حسین چہرے کچھ خوشی سے اور کچھ غصے سے سرخ ہوتے چہرے۔ سب کی گپ شپ' تنقید' تعریف ان سب ہی سے تو رونق ہے۔ واہ جی ہماری عشنا کوثر جی بھی آئینہ میں تشریف لائی ہیں۔ عشنا جی! ہمارا نہیں شکریہ تو آپ کا بنتا ہے۔ جو اتنا اچھا ناول لکھا ہمارے لیے۔ آپ کے ناول کی یہی تو خاص بات تھی کہ ہر کردار کی اپنی جگہ اور اہمیت تھی۔ بہرحال مجھے تو بہت پسند آیا۔ (اللہ کرے آپ جو بھی لکھیں وہ اَمر ہو جائے) آمین۔ نوشی نے بڑے دلچسپ انداز میں تبصرہ پلس تجزیہ کیا۔ (اسے کہتے ہیں تبصرہ) اقراء' سار یہ' شمائلہ' طاہرہ یاسمین اور ماہم اور نرجس رانی کے خط بھی زبردست تھے۔ خاص طور پر نرجس کی پنجابی۔ ''یادگار لمحے'' میں ثمن بلوچ' طیبہ نذیر اور تسنیم چوہدری نے اچھا لکھا۔ ''بیاض دل'' میں سلمیٰ فہیم گل' نوشین اقبال نوشی' اریبہ شاہ' ظل ہما اور انا احب کے اشعار کمال کے تھے۔ ''ڈش مقابلے'' میں ساری ڈشز مقابلے پر تھیں۔ یار میں ٹھہری کھانے کی شوقین مجھے تو ہر اچھی اور لذیذ ڈش پسند ہے۔ مگر وہ جو بنانے میں آسان ہو جیسے رانی اسلام کا لذیذ باربی کیو۔ ویسے اگر نام دیکھوں تو نجم انجم کا نارنگی گوشت اور ذرا ہٹ کے دیکھا جائے' میرا مطلب ہے منفرد ڈش دیکھوں تو گاجر کا رائتہ ''دعا'' کا۔ ''کام کی باتیں' ہم سے پوچھیے' آپ کی شخصیت' بیوٹی گائیڈ'' اور باقی سارے سلسلے زبردست تھے۔ یقین کریں آدھی رات کا وقت ہے اور میں ان کاغذوں میں سر دیے لکھ رہی ہوں۔ خدا کے لیے طویل تبصرے کو وجہ بنا کر اس خط کو ردی کی ٹوکری کی زینت نہ بنا دیجیے گا۔ میری محنت کا کچھ تو پھل دیجیے گا۔ اللہ حافظ۔

شگفتہ خان...... بھلوال۔ امید ہے آپ سب بخیریت ہوں گے' سمجھ میں نہیں آتا کہ کس کے نام لکھوں کہ میں تو اپنا

کے علاوہ کسی کو جانتی ہی نہیں ہوں۔ اس ماہ کا آنچل 25 کو ہی مل گیا اور جلدی سے کھولا مگر اپنا نام کہیں بھی نہیں ملا ایسا کیوں......؟ انکل کیا آپ یہ احساس دلانا چاہ رہے ہیں کہ میری اپیا نہیں ہیں تو اب میں نہ لکھا کروں؟ اگر ایسا ہے تو مجھے بتا دیں تاکہ میں نہ لکھوں اور تبصرہ میں نہیں لکھ پاؤں گی اپیا کے بعد لفظوں کو ایک لڑی میں پرونا ممکن نہیں رہا سوائے اس کے لیے معذرت باقی سلسلوں میں ضرور شامل ہونا چاہوں گی اگر آپ شامل کرنا پسند کریں تو۔ آنچل ابھی تک نہیں پڑھا سوائے قسط وار کہانیوں کے نازیہ جی ساعقہ پر اتنا ظلم مت کریں پلیز۔ اور شاہ زر اور انوشہ کو ملا دو یار اور عشنا جی کیا کہوں آپ سے ابھی تک کہانی واضح نہیں ہو رہی۔ دلچسپی بھی کم ہوتی جا رہی ہے۔ معذرت کے ساتھ اجازت دیں۔ باقی رسالہ پڑھا نہیں ہے جو رائے دوں۔ سب کی خدمت میں درجہ بدرجہ سلام۔ اللہ حافظ۔

ہما ایوب شیخ...... عارف والا۔ ڈیئر قارئین آنچل اسٹاف! السلام علیکم! سب سے خیریت کی امید کرتی ہوں۔ آنچل ہاتھ میں ہے اور تبصرہ چاہتا ہے ٹائٹل اچھا تھا۔ ”حمد و نعت“ اور ”شیطان کی حقیقت“ پڑھا۔ شاہدہ جمیل اور زوبی رانا سے مل کر اچھا لگا۔ ”آنچل کے ہمراہ“ جوابات پڑھ کے خوب مزا آیا۔ تحسین انجم انصاری کی منہ پھٹ مگر مشرقی ”چاندنی“ اچھی لگی۔ اقراء صغیر احمد کی آمد نے دل کو خوب سکون دیا۔ عالیہ حرا سے مل کر بھی اچھا لگا۔ فاخرہ گل نے ایک اچھے موضوع پر قلم اٹھایا البتہ عائشہ خان کی سمجھ نہیں آئی مگر آئندہ کے لیے ہم امید کرتے ہیں کہ ناول مکمل کر سامنے آئے گا۔ مجموعی طور پر جولائی 2011 کا آنچل بہت اچھا رہا۔ ”یادگار لمحے“ بیاض آپ کی پسند آپ کی صحت کام کی باتیں شاہینہ چندا مہتاب عفت سحر طاہر، سمیرا شریف طور جناب ہم آپ کو بہت یاد کر رہے ہیں۔ دوبارہ سے کسی اچھے سے سلسلے وار ناول یا کم از کم ناولٹ کے ذریعے ہی ہمیں اپنی موجودگی کا احساس دلا دیں۔ اس کے ساتھ ہی اجازت دیں۔ اللہ حافظ۔

تصویر العین...... اوکاڑہ۔ السلام علیکم! سب سے پہلے تو شہلا آپی اور آنچل کے تمام اسٹاف قارئین اور رائٹرز کو آنے والے رمضان اور یوم آزادی بہت بہت مبارک ہو۔ کیونکہ اس ماہ میرے پیپرز ہوں گے تو شاید اگست کے شمارے میں میرا نام شامل نہ ہو۔ آنچل کا ٹائٹل اوکاڑہ کے موسم کے حوالے سے پسند آیا کیونکہ رات ہی شدید طوفان کے ساتھ بارش ہوئی ہے اور آج آنچل ہمارے ہاتھ میں ہے۔ فہرست میں اقراء آپی کا نام پڑھ کر تو اتنی دلی خوشی ہوئی کہ بیان سے باہر ہے اور پھر سب سے پہلے انہیں ہی پڑھا نہیں پوری امید ہے کہ ہمیشہ کی طرح ان کا یہ ناول بھی بہت زبردست ہوگا۔ اس دفعہ عشنا کوثر سردار نے کہانی کو بڑھایا نہیں ابھی کہانی وہیں پر ہے پلیز عشنا تھوڑا زیادہ لکھنے کی کوشش کیا کریں۔ نازیہ کنول نازی مجھے امامہ کی سمجھ نہیں آتی کیا وہ محبت میں اتنی اندھی ہو رہی ہے اسے اچھائی یا برائی کے درمیان فرق نہیں پتا چلتا یہ تو سراسر بے وقوفی ہے۔ ”چاندنی“ تحسین انجم انصاری کی اچھی کہانی تھی۔ واقعی کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ خدا کی بنائی ہوئی کسی بھی چیز میں نقص نکالے کیونکہ ہر انسان الگ شخصیت اور مزاج لے کر دنیا میں آتا ہے۔ ”روشنی اور راستہ“ عالیہ حرا کی رشتوں میں موجود حسد اور عداوتوں کو ظاہر کر رہی تھی۔ برائی جلدی پھیلتی ہے اور اچھائی آہستہ آہستہ بڑھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روشنی کی ننھی لکیر بھی اندھیرے کو چیر دیتی ہے۔ یہی سب ہوا ہے۔ ”گھر ہونے تک“ عائشہ خان کے ناول کی باقی قسط کا انتظار رہے گا۔ ”بیاض دل“ میں ظلِ ہما، سلمیٰ فہیم سجاول کے ساتھ ہوا ہے۔ گل فرزانہ اکرام اور ریاض بی بی بلوچ کے اشعار پسند آئے۔ ”یادگار لمحے“ کا صفحہ تو ہمیشہ ہی اچھا ہوتا ہے لیکن مجھے ”اقبال تیرا دیس“ غزل پسند آئی۔ ”آئینہ“ میں عشنا کوثر سردار آپ کی موجودگی بہت پسند آئی خصوصاً آپ کی وہ بات کہ سبق آموز کہانیوں کے اور بہت سے رسالے ہیں۔ واقعی اتنے سخت حالات میں جب آئے دن بم دھماکوں، ڈرون حملوں اور شہادتوں کی خبریں آ رہی ہیں عوام کو کچھ تفریح کی ضرورت ہے لیکن آپ نے جو آسیہ مرزا، عفت سحر طاہر کو آرام کا مشورہ دیا ہے میں اس سے متفق نہیں ہوں آپ خود سوچیں کہ یہ آرام کتنا طویل ہو گیا ہے آسیہ مرزا کا آخری ناول میرے خیال میں ”کچھ میٹھوں مرن دا شوق وی سی“ تھا اور انہوں نے اب تک کوئی اور ناول نہیں لکھا، کیا یہ قارئین کے ساتھ زیادتی نہیں کہ وہ ایک اچھی لکھاری کی نئی کاوش سے اب تک محروم ہیں اور عفت سحر طاہر کو بھی تقریباً ایک سال ہو چکا ہے انہیں بھی اب دوبارہ میدان میں آنا چاہیے۔ ویسے عشنا اس سے ایک بات ضرور پتا چلی کہ آپ خود بھی آنچل کا مطالعہ اتنے ہی ذوق و شوق سے کرتی ہیں جتنے شوق سے ہم کرتے ہیں اور اپنے

چاہنے والوں کے سوالوں کے جواب بھی ضرور دیتی ہیں اور سب سے اچھا مجھے آنچل کا نیا پن ”آنچل کے ہمراہ“ بے انتہا پسند آیا۔ کچھ تو ایسا ہوا کہ جس کے ذریعے اپنی پسندیدہ رائٹرز کو اپنے جذبات پہنچ سکیں گے اللہ حافظ۔

مصباح کنول...... بہاولپور۔ پیاری پیاری آپی اور آنچل اسٹاف السلام علیکم! کلیوں سی مہکتی پھولوں سی تازہ چڑیوں سی خوب صورت چہکتی آپی شہلا! کیسی ہیں آپ اور کیسے ہیں باقی سب؟ آپی مجھے تو سمجھ نہیں آ رہی کہ اس پیارے آنچل کی تعریف کس سے اور کہاں سے شروع کروں۔ ”سرگوشیاں“ سے لے کر ”تندرستی نعمت“ تک بہت ہی زبردست ہے۔ آنچل صاحب سے بہت دفعہ کہا ہے کہ اگر ایک مہینے میں دو دفعہ آ جایا کریں تو کیا ہی بات ہے اور اب آپ سے گزارش ہے کہ پلیز کیا ایسا نہیں ہو سکتا کہ آنچل ڈائجسٹ کے مہینے میں دو شمارے شائع ہو جائیں ایک کو تو ہم ایک ہی دن میں پڑھ لیتے ہیں اور پھر وہی بار بار پورا مہینہ چلتا ہے۔ آپی کسی بھی ادارے میں میں پہلی دفعہ خط لکھ رہی ہوں پلیز مجھے مایوس مت کیجیے گا۔ میرا خط شامل کیجیے گا کیونکہ اس سے پہلے میری بہن نے خط لکھا تھا اور اب میں لکھ رہی ہوں شامل ضرور کیجیے گا۔ آنچل پڑھنے کا مزہ ہی کچھ اور ہے۔ سلسلے وار ناول بہت زبردست رہے ”اور کچھ خواب“ کی تو بات ہی نہ پوچھیں۔ عشنا جی نے بہت زبردست لکھا۔ ”جان جاں تو جو کہے“ کی آخری قسط کا اختتام بہت اچھا ہوا۔ ”پتھروں کی پلکوں پر“ کی قسط نے بہت مزہ دیا۔ لیکن آپی اب انوشہ کو بھی کوئی خوشی دکھا دیں شاہ زر بے چارہ اُف کیا کہنے...... خیر ناول زبردست ہے۔ باقی سب سلسلے بھی بہت اچھے جا رہے ہیں۔ بہرحال آنچل ایک مکمل پرچہ ہے کیونکہ جو سبق ہم لڑکیاں کہانیوں سے سیکھ سکتی ہیں وہ اپنی زندگی میں مثبت طریقے سے لائیں تو بہت اچھا ہے کیونکہ ایک ذمہ دار عورت ہو یا لڑکی کے لیے ضروری ہے کہ سمجھداری سے کام لے اور یہ سمجھداری ہم آنچل سے سیکھ سکتے ہیں۔

سائرہ لنگڑیال...... سیال موڑ۔ السلام علیکم! کیسی ہو ریڈرز اور رائٹرز؟ اس دفعہ آنچل 25 کو مل گیا تھا خوش قسمتی سے ورنہ مجھے بہت دیر سے ملتا ہے۔ نازیہ کنول نازی کا بھی ناول اچھا جا رہا ہے عشنا کوثر سردار کا سلسلہ وار ناول مجھے اتنا زیادہ پسند نہیں (معذرت۔ پاکیزہ سحر نام پڑھ کر جھٹکا لگا (وجہ نہیں بتاؤں گی جھٹکے کی)۔ باقی سب ناولز بھی اچھے تھے۔ آپ کی شخصیت میں اے ایس صدیقی کی باتیں بہت غور سے پڑھیں۔ نظمیں سب پسند آئی۔ ”بیاض دل“ کے اشعار پسند آئے۔ پتا نہیں کس کے شعر پر میرا نام اور میرے شہر کا نام لکھا ہوا تھا کیونکہ وہ میرا شعر نہیں تھا میں سائرہ لنگڑیال کے نام سے لکھتی ہوں۔ اچھا دوستوں اجازت چاہتی ہوں سب کو سلام اور دعائیں۔

حفصہ بتول...... بہاولپور۔ السلام علیکم! ڈیئر شہلا آپی! پیاری باجیو آنٹیوں اور پیاری پیاری فرینڈز کیسے ہیں آپ سب لوگ؟ امید ہے اللہ کے فضل و کرم سے ٹھیک ٹھاک ہوں گے۔ سب قارئین کی طرح آنچل میرا بھی پسندیدہ ڈائجسٹ ہے۔ اس کی تعریف کے لیے الفاظ کم پڑ رہے ہیں اگر ایک طرح سے سمجھا جائے تو ان میں بعض تحاریر جو نئی نسل کے لیے مشعل راہ ہوتی ہیں یہ سوچا بھی نہیں جا سکتا کہ آنچل کو پڑھنے والی کوئی بھی لڑکی بھٹک سکتی ہے۔ رائٹرز بہت زبردست طریقے سے زندگی کی تمام تلخیاں عیاں کر دیتی ہیں کہ آنکھیں کھل جاتی ہیں۔ اس کے باوجود کوئی لڑکی بھٹکے تو حیرت ہے۔ خیر اب آتی ہوں تبصرے کی جانب تو سمیرا شریف طور آپی کو اتنا زبردست ناول لکھنے کے لیے بے حد مبارک باد۔ آپی پلیز آئندہ بھی ایسی ہی تحریر لائیے گا ہم منتظر رہیں گے۔ آپ کی صحت اور مشکلات کے لیے دعا گو ہوں۔ نازیہ آپی کا ناول بھی بہترین جا رہا ہے۔ خصوصاً جیل کے حالات پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ یہ شاہ زر صاحب کو کیا ہوا ہے نہ بریرہ کو چھوڑنے کو تیار ہوتا ہے اور نہ ہی انوشہ سے دستبرداری منظور ہے۔ آپی سانول شاہ کو اچھا کر دیجیے گا پلیز اور امامہ کو کچھ تو عقل دیں کوئی کردار کا اتنا بھی کمزور ہو سکتا ہے کہ اپنی نسوانیت کا ہی پاس نہ رہے۔ ارسلان کو کڑی سے کڑی سزا ملنی چاہیے اور شجاع بے چارے کا کیا قصور ہے؟ عشنا آپی کا ناول ”اور کچھ خواب“ واہ آپی کیا بات ہے آپ کی۔ آپی اب انابیا اور معارج کا ولیمہ کر ہی ڈالیے اور یلماز اور پارسا یقیناً وہی ہیں جن کے بارے میں یونیورسٹی میں چہ مگوئیاں ہوتی ہیں۔ آپی ایک بات تو بتائیے یہ دامیان شاہ سوری ایکسل اور انابیا یہ کیا کیمپس میں فقط کافی، کولڈ ڈرنک یا برگر ٹھونسنے آتے ہیں پڑھائی ان کی کب ہوتی ہے (برا لگا ہو تو پلیز مائنڈ مت کیجیے گا)۔ اقراء آپی کو ویلکم کہتے ہیں۔ امید ہے ناول اچھا ہوگا زندگی سے بھرپور۔ پلیز پلیز پیاری پیاری آپیوں دکھی اور روتے دھوتے ناول نہ لکھا کریں۔ پاکستان کے

مسائل کی وجہ سے پہلے ہی ہم پریشان ہوتے ہیں۔ دکھی ناول پڑھ کر دل مزید بوجھل ہو جاتے ہیں۔ آخر میں قریشی انکل سے گزارش کرنا چاہوں گی کہ شوبز اور دیگر شخصیات کے انٹرویوز تو آتے رہتے ہیں۔ قارئین کے لیے بھی کوئی نہ کوئی سلسلہ موجود ہوتا ہے۔ آپ سے گزارش ہے کہ پلیز کوئی ایسا سلسلہ شروع کریں جو کہ ہماری مصنفین کے بارے میں ہو۔ ان کے خاندانی پس منظر تعلیم ان کی پہلی تحریر کے شائع ہونے یا رد ہو جانے کا دلچسپ سا واقعہ اور قارئین کے لیے اچھی سی نصیحت ہو۔ یہ تعارف اگر ہر ماہ ہو تو بہت اچھا رہے گا' جس طرح ''ہمارا آنچل'' میں تعارف ہوتے ہیں' اس طرح کے مصنفین کے لیے بھی شروع کریں۔ میں اور تمام قارئین اپنی پسندیدہ رائٹرز کے بارے میں جاننے کے خواہش مند ہیں۔ یہ رائٹرز وہ بھی ہو سکتی ہیں جو لکھنا چھوڑ چکی ہیں۔ امید ہے کہ آپ میرے پہلے خط میں موجود پہلی گزارش کا جواب ضرور دیں گے' والسلام۔

راشدہ شریف چوہدری...... اوکاڑہ۔ معزز قارئین اور آنچل اسٹاف' السلام علیکم! امید کرتی ہوں آپ سب خیریت سے ہوں گے۔ سب سے پہلے فرحت آپی کے بارے میں جان کر بہت دکھ ہوا۔ بے شک وہ آنچل کے لیے ایک شفیق ماں تھیں۔ خدا ان کو جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے' آمین۔ اب آتے ہیں تبصرے کی جانب تو اس ماہ کا آنچل 26 کو مل ہی گیا۔ سب سے پہلی نظر سرورق پر ڈالی۔ ٹائٹل اچھا لگا' پھر ایک نظر فہرست پر ڈالی اور اپنا تعارف نہ دیکھ کر دکھ بھی ہوا مگر کہتے ہیں نا ''جو ہوتا ہے اچھے کے لیے ہی ہوتا ہے۔'' اور دوڑ لگائی اپنے پسندیدہ ترین ناول ''اور کچھ خواب'' کی طرف' عشنا آپی سب سے پہلے تو یہ کہ آپ کمال کا لکھتی ہیں آپ کے ناول کے تمام کرداروں کے نام مجھے بے حد پسند ہیں اور میرے پسندیدہ کردار انائیا ملک اور معارج تعلق ہیں لیکن آپی ایک گزارش ہے کہ پلیز ناول کی رفتار ذرا تیز کریں' پلیز راحت وفا اور سمیرا شریف طور کے ناولز کا اختتام بہت زبردست رہا' جیسا سوچا تھا بالکل ویسا ہی۔ آپ دونوں سے ایک گزارش ہے کہ آپ دونوں کہیں غائب مت ہو جانا بلکہ یونہی آنچل میں حاضری دیتے رہیے اور سمیرا آپی آپ کی صحت کا جان کر دکھ ہوا اور خدا سے آپ کی صحت کے لیے دعا گو ہوں' مکمل ناول بس ٹھیک تھا۔ ناولٹ اور افسانے دونوں ہی بہت اچھے تھے۔ اب آتے ہیں اپنی جان سے پیاری آپی نازی آپی کے ناول کی طرف تو آپی ناول بے حد اچھا جا رہا ہے۔ اس بار کی قسط بہت بڑھیا تھی پر آپ سے ایک شکایت ہے کہ آپ ناول کی قسط بہت چھوٹی لکھتی ہیں۔ پلیز آپی ذرا قسط کو لمبا کر دیں آپی مجھے آپ سے ملنے کا بے حد شوق ہے۔ اللہ آپ کو لمبی زندگی اور صحت عطا فرمائے' آمین۔ مستقل سلسلے سب ہی بہت اچھے تھے۔ یہ میرا آنچل میں پہلا خط ہے' پلیز ضرور شائع کیجیے گا۔ تمام رائٹرز اور قاری بہنوں کو خدا حافظ۔ خدا ہمیں اور ہمارے وطن کو اپنے حفظ و امان میں رکھے' آمین۔ فی امان اللہ۔

انا شاہ زاد...... گجرات۔ السلام علیکم! کیسے جناب کیسے ہیں آپ سب لوگ امید اور دعا ہے بخیر ہوں۔ 6 تاریخ کو آنچل میاں جانی نے لا کر دیا۔ جی ہاں اب میں انا احب سے انا شاہ زاد ہو گئی ہوں۔ 4 مارچ کو میری شادی ہو چکی ہے۔ ٹائٹل کچھ خاص نہیں لگا۔ سب سے پہلے قسط وار ناولز پڑھے۔ جو سب کے سب سوپر ہیں' باقی ابھی نہیں پڑھا۔ دعاؤں کی طلب گار۔

ابیہا...... بہاول پور۔ ڈیئر شہلا عامر۔ پیاری پیاری آپی! محبت بھرا اسلام قبول کریں۔ آپی! کسی بھی ادارے میں یہ میرا پہلا خط ہے۔ اس سے پہلے سوچتی ہی رہی کہ لکھوں یا نہیں معلوم نہیں شائع ہو یا نہ ہو۔ مجھے آنچل پڑھتے ہوئے تقریباً تین چار سال ہو گئے۔ لیکن لکھنے کی ہمت اب ہوئی ہے۔ ''آنچل'' سارے کا سارا زبردست ہوتا ہے سب سے پہلے یہ کہ ہمارا ''آنچل'' سب سے بہترین اور اعلیٰ معیار کا حامل ہے اسی لیے تو کہتی ہوں ''کوئی آنچل جیسا ہے تو سامنے آئے۔'' آنچل میں تمام بہنیں بہت اچھا لکھتی ہیں۔ سمیرا جی نے ''یہ چاہتیں یہ شدتیں'' میں تو حد ہی کر دی۔ اتنا اچھا لکھا کہ تعریف بیان ہی نہیں۔ اس کے لیے مبارک باد۔ اب پلیز ایسا ہی ایک منفرد اور اچھا ناول اور بھی لکھیں۔ اس کا اختتام بھی نہایت زبردست ہوا۔ بہت مزہ آیا۔ اسی ناول نے مجھے لکھنے پر اکسایا اس کے بعد ''اور کچھ خواب'' بھی اچھا جا رہا ہے۔ معارج تعلق اور انائیا کا کردار اچھا ہے لیکن اب انائیا کو ہتھیار پھینک دینے چاہئیں۔ خیر یہ تو لکھنے والا ہی بہتر جانتا ہے آپی! میں بھی آنچل میں لکھنا چاہتی ہوں اگر اجازت ہو تو خوش آمدید دعا گو ہوں کہ اللہ پاک ہمارے آنچل کو دن دگنی رات چوگنی ترقی نصیب کرے آمین۔ آپی! میں نے بہت ڈرتے ڈرتے یہ خط لکھا ہے کہ آیا یہ شرف قبولیت پاتا ہے یا نہیں۔ پلیز پلیز میرا خط ضرور شائع کیجیے گا آخر میں پھر دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ

لکھنے اور پڑھنے والی تمام بہنوں کو صحت اور بہتر لکھنے کی توفیق عطا فرمائے اور ہمارے پاکستان کو ہمیشہ شاد و آباد رکھے آمین۔

غوث...... لیہ۔ آنچل کے تمام اسٹاف کو میری طرف سے سلام۔ اللہ آپ سب کو خوش رکھے۔ میں ایک عرصے سے آنچل کا مطالعہ کر رہا ہوں۔ مجھے کہانیاں پڑھ کر بہت مزہ آتا ہے۔ میری دعا ہے کہ آنچل کے رائٹرز یونہی اپنے قلموں کو رواں رکھیں۔ آج کل کے معاشرے میں پائی جانے والی پریشانیوں کو حل کرنے میں اپنے قلم کے ذریعے مدد کریں۔ آج کل کے حالات کو مدِ نظر رکھ کر ہمارے معاشرے کی نوجوان نسل کو درست سمت کی طرف گامزن رکھیں۔ اللہ آپ سب کا حامی و ناصر ہو آمین۔

سارہ زمان...... ناران۔ یہ میری تیسری میل ہے آنچل کے بیاض میں بنت نور سپارنس۔ میں اب نہیں کروں گی اگر آپ نے میری میل شامل نہ کی۔ آنچل اس دفعہ کا سو سو تھا۔ کچھ نیا نہیں۔ اب آپ نے اس کا معیار اور نیچے کر دیا ہے۔ پلیز اس میں تجربہ کار مصنفین کی کہانیاں شامل کریں کیونکہ آنچل ایک معیاری ڈائجسٹ ہے۔ دوسرا یہ کہ قیمت میں اضافہ ایک اور مسئلہ ہے۔ لیکن ہم خرید سکتے ہیں اگر اس کا معیار برقرار رکھیں۔ امید ہے آپ نے میرے تلخ الفاظ کا برا نہیں مانا ہوگا۔ کیونکہ میں آنچل کو سب سے اوپر دیکھنا چاہتی ہوں۔ اللہ حافظ۔

مبینہ رشید...... لاہور۔ اللہ آپ کو اور آنچل کو خوب ترقی دے۔ میں آنچل کو بہت پسند کرتی ہوں اور کب سے آپ کو میل کرنا چاہ رہی تھی لیکن نیٹ نہیں تھا اب نیٹ لگ گیا ہے تو بہت دل کیا آپ کو میل کرنے کا۔ اس کے تمام سلسلے بہت اچھے ہیں۔ دعا ہے کہ آپ ہمیشہ خوش رہیں آمین۔

ثناء خان...... ایبٹ آباد۔ سلام ٹو آل۔ آنچل کے بارے میں میں بس اتنا کافی ہے کہ اس کے بغیر عورت نامکمل ہے۔ اس کا ہر ورق میری جان ہے۔ مجھے اس سے وابستہ ہر چیز عزیز ہے۔ خدا اسے ہمیشہ اتنا ہی عزیز بنائے رکھے آمین۔

ساجدہ خادم...... بہاول پور۔ سب کی خدمت میں پیار بھرا اسلام۔ امید کرتے ہیں کہ سب پڑھنے والے بھی ٹھیک ہوں گے۔ اس بار کا آنچل 2 تاریخ کو لیا اور اسی دن پڑھ لیا۔ ارے حیران نہ ہوں ہم ایسے ہی جلد باز ہیں۔ جب ایک بار آنچل ہاتھ میں آئے تو پڑھ کر ہی چین آتا ہے۔ اب آتے ہیں تبصرے کی جانب تازیہ کنول نازی کا ناول نیا موڑ لایا ہے یہ کیا امامہ کی عقل گھاس کھانے گئی ہے؟ شاید اسے ٹھوکر کھا کر ہی سمجھ آئے گی اور یہ عباد صاحب صائمہ کے ساتھ کیا کرنے والے ہیں۔ یقین تو ہمیں بھی نہیں آیا پڑھ کر' خیر اب آتے ہیں اور کچھ خواب کی طرف پلیز اس کو تیز کریں تھوڑا۔ مجھے یہ اسٹوری پسند ہے کیونکہ اس کو پڑھ کر ٹینشن ختم ہو جاتی ہے تھوڑی دیر کے لیے۔ لیکن پھر بھی میں یہی کہوں گی کہ اس کو تھوڑا تیز کریں۔ معارج اور انائیا ایک دوسرے کے ساتھ اب کھیل کھیلنا بند کریں۔ باقی اقرأ جی نیا ناول لے کر آئی ہیں۔ آغاز تو اچھا ہے آگے دیکھیے۔ اقرأ جی کا ناول باہوں کے سنگ سنگ میں نے نیٹ پر پڑھا اور ہم تو ان کی تحریر کے دیوانے ہو گئے مجھے یہ ناول بہت پسند آیا۔ مکمل ناول بھی اچھا تھا۔ کافی اچھا پیغام دیا رائٹر نے کہ ہر چمکتی چیز سونا نہیں ہوتی۔ اپنی دعاؤں میں یاد رکھیے گا اگر زندگی نے اجازت دی تو پھر ملاقات ہوگی آپ سب سے اللہ حافظ۔

اقرأ شہزادی...... اسپین۔ آپ کی شاعری بہت زبردست ہے میں کافی عرصے سے آنچل پڑھ رہی ہوں اور یہاں بھی نیٹ سے پڑھتی ہوں۔ بہت زبردست ہے۔

آخر وہ خطوط جو شائع ہونے سے رہ گئے۔

پروین افضل شاہین' بہاولنگر۔ گلناز مان' گل مان۔ عمرانہ شاہین' ڈھوک راہم۔ طیبہ طاہرہ' صبور۔ مون تایانی' چیچہ وطنی۔ سونیا اللہ رکھا' کوٹ غلام محمد۔ اسماء' خان پور۔ روبینہ جعفر خان' کھلابٹ ٹاؤن شپ۔ صدف سلیمان' شور کوٹ۔ ثناء یعقوب احمد' شرقپور شریف۔ مسز سعدیہ نعیم' خانیوال۔ ظلِ ہما' فیصل آباد۔ رابعہ اکرم' فیصل آباد۔ ساجدہ زیدی' ڈیروالا چیمہ۔ صبا جاوید' بہاولپور۔ آصفہ گل' گوجر خان۔



دوست کا پیغام آئے

ہما احمد

dkp@aanchal.com.pk

مشتاق بھیا کے نام

کبھی کبھی کہیں سوچتی تھی کہ موت اپنی حقیقت ضرور منوالیتی ہے چاہے کوئی اسے قبول کرے یا نہ کرے۔ فرحت آنی جو میری خواہشوں میں ہمیشہ رہی ہیں لیکن کبھی ہمت ہی نہ ہوئی کہ ان سے اپنے جذبوں کا اظہار کرلی اور یہ بھی سوچا نہ تھا کہ اس صورت میں کہوں گی کچھ ان کے بارے میں وہ جو دھڑکنوں میں بستی تھی اب صدا بھی دو تو اپنے ہی ہونٹ اجنبی لگتے ہیں۔

دل ہے درد سے آشنا اسے نا آشنا نہ جان
اگر درد حد سے بڑھ جائے تو سجدوں میں ملتا ہے قرار

یہ سچ ہے کہ کوئی کسی جانے والے کی جگہ نہیں لے سکتا خاص طور پر وہ جو دل میں بستے ہوں ان کو کوئی کیسے بھلائے مشتاق بھیا یقین ہی نہیں آتا اتنی محبتیں بکھیرنے والی ہستی یوں خاموشی سے آنکھیں میچ سکتی ہے میں تو سوچ رہی تھی کہ میں اپنے درد فرحت آنی سے کہوں گی تو وہ مہربان لفظوں کا مرہم میرے نام لکھ دیں گی پر میں تو خالی ہاتھ ہی رہ گئی میرے پاس یا میرے نام تو ان کا کوئی جگنو بھی نہیں جسے میں سامنے رکھ کر اپنے آنسوؤں کو روک سکوں۔ اپنے بابا کی وفات کے بعد قلم سے رشتہ جڑا بھی تو کیسے۔ سپاس گل جی! آپ کے پاس تو ان کی یادوں کے کئی موتی ہوں گے ان کی یادوں کا ایک موتی مجھے بھی دے دو شاید اس طرح مجھے قرار آ جائے ہے نا پاگل پن! میں نے قرآن پاک شروع کیا ہے فرحت آنی کے ایصالِ ثواب کے لیے شاید اس طرح دل کو کچھ قرار آ جائے آخر میں ایک گزارش ہے کہ آپ میرے دکھ درد بانٹنے والے بھائی بنیں گے۔ آنچل فرحت آنی اور آپ میری دعاؤں میں ہمیشہ شامل رہو گے۔ آپ کی اپنی!

(دھڑکن بلوچ)

دل و جان سے عزیز قارئین کے نام

ڈیئر قارئین! السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ۔ امید ہے آپ سب اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے خیریت و عافیت سے ہوں گی۔ ایک طویل عرصے کے بعد آپ سے مخاطب ہوں۔ گردشِ دوراں نے مجھے زیادہ لکھنے کا موقع نہیں دیا لیکن لگا ہے بگا ہے جب بھی لکھا آپ نے کھلے دل سے پزیرائی کی جس کے لیے دل کی گہرائیوں سے آپ کی ممنون ہوں کیونکہ آپ کی اسی پزیرائی نے مجھے لکھنے کی ترغیب اور توانائی دی۔ میرا خیال تھا کہ میں اتنے لمبے وقفوں کے بعد لکھتی ہوں کہ قارئین مجھے بھول بھال جاتے ہوں گے لیکن آپ سے پانچ سال قبل جب میری پہلی کتاب "دیارِ عشق" شائع ہوئی تو صرف ایک ہفتے میں اس کی دو سو کاپیوں کی فروخت نے مجھے بتایا کہ میرے قارئین مجھے بھولے نہیں اور یقین کیجیے اس کے بعد میں بھی آپ کو کبھی نہیں بھولی۔ آپ کی خوشیاں مجھے خوش اور آپ کے دکھ مجھے دکھی کر دیتے ہیں۔ آپ کو شاید اس بات پر یقین نہ آئے لیکن یہ حقیقت ہے کہ جب بھی آپ لوگ اپنی کسی بیماری یا پریشانی کا ذکر کرتی ہیں میں نام لے کر آپ کے لیے دعا کرتی ہوں۔ ایک نہایت اہم بات جو میں آنچل کے توسط سے آپ سے کہنا چاہتی ہوں وہ یہ ہے کہ پلیز خود کو مایوسی سے بچائیں۔ مایوسی گناہ ہے ایک ایسا گناہ جو انسان کو کفر تک پہنچا دیتا ہے۔ انسان کو اللہ تبارک و تعالیٰ نے اشرف المخلوقات بنایا ہے۔ اس میں اپنی روح پھونکی ہے پھر بھلا انسان ناکام کیسے ہوسکتا ہے۔ ضرورت صرف اس بات کی ہے کہ وہ خود کو مایوسی سے بچائے رکھے۔ جدائی، نارسائی، بیماری، خوابوں کا ٹوٹ جانا یا امیدوں کا پورا نہ ہونا زندگی کے وہ حقائق ہیں جن کا سامنا ہر انسان کو زندگی کے کسی نہ کسی دور میں ضرور کرنا پڑتا ہے۔ حالات خواہ کیسے بھی ہوں زندگی کا سفر جاری رہتا ہے۔ لیکن منزل صرف ان لوگوں کا مقدر بنتی ہے جو ہمت اور حوصلے کے

ساتھ حالات کو اپنے حق میں کر لینے کا عزم کر لیتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ جیسے آگ سونے کو کندن بنا دیتی ہے ایسے ہی تکلیف، بیماری، دکھ اور غم بھی انسان کو کندن بنا دیتے ہیں۔ اسے کامیابی و کامرانی کی اس منزل پر پہنچا دیتے ہیں جس پر عام حالات میں وہ شاید کبھی نہ پہنچ پاتا۔ اللہ کے ساتھ اس کا وہ تعلق استوار کر دیتے ہیں جو ویسے شاید کبھی قائم نہ ہو پاتا بلکہ مجھے تو کبھی کبھی یوں محسوس ہوتا ہے جیسے دکھ اور غم زندگی میں آتے ہی ہمیں اللہ کے قریب کرنے کے لیے ہیں اور جو چیز اللہ کے قریب کر دے وہ بری کیسے ہوسکتی ہے۔ بری تو وہ چیز ہوتی ہے جو انسان کو اللہ سے بھی دور کر دے اور اس کے بندوں سے بھی۔ دنیا سے بھی بے زار کر دے اور زندگی میں بھی اور مایوسی ایسا ہی کرتی ہے۔ کیا خیال ہے ڈیئر قارئین! آپ مجھ سے اتفاق کرتے ہیں۔ یقیناً کرتے ہیں۔ تو آئیے یہ عہد کریں کہ زندگی میں خواہ کیسے بھی حالات کا سامنا کرنا پڑے کبھی مایوس نہیں ہوں گے اور نہ دوسروں کو ہونے دیں گے۔ مایوسی کفر ہے اس لیے مومن کبھی مایوس نہیں ہوتا۔ آپ سب کی صحت، سلامتی اور خوشیوں کے لیے دعا گو۔

عائشہ خان.....لاہور

پیارے عامر بھائی اور کیوٹ سی حمیرا بھابی کے نام شادی کی مبارک باد

السلام علیکم! کیسے ہیں آپ دونوں؟ امید ہے کہ آپ ٹھیک ہوں گے۔ ہم نے سوچا کہ آپ کو آنچل کے ذریعے شادی کی مبارک باد دیں۔ آپ کو ہماری طرف سے شادی بہت بہت مبارک ہو۔ کیسا لگا آپ کو ہمارا یہ سرپرائز۔ اچھا تھا نا......! ہم اللہ تعالیٰ سے آپ دونوں کی خوشیوں، زندگی کی پُرمسرت مسکراہٹوں اور نیک خواہشات کی تکمیل کے لیے دل کی گہرائیوں سے دعا کرتے ہیں۔ اللہ آپ دونوں کو ہمیشہ خوش و خرم رکھے (آمین)۔ بہت سی دعاؤں کے ساتھ آپ کی سندریں، جٹ فیملی۔

ریحانہ، عظمیٰ، گڑیا، نسیم، ثمرہ.....فیصل آباد

کچھ خاص اپنوں کے نام

"عطرو، سکندر، چندا مثال اینڈ نازیہ کنول نازی"

السلام علیکم! عطرو، چندا، نازی کیسی ہو تم سب؟ مجھے امید ہے تم سب بالکل ٹھیک ٹھاک اور فٹ فاٹ ہوں گی۔ ارے (مابدولت) کی دعائیں جو تم لوگوں کے ساتھ ہیں۔ طوبیٰ اینڈ چندا تم دونوں سے تو میں سخت ناراض ہوں لیکن پھر بھی دل کے ہاتھوں مجبور ہو کے پیغام لکھ رہی ہوں، تم دونوں کہاں غائب ہو؟ نہ "آئینہ" میں نظر آتی ہو اور نہ "دوست کا پیغام آئے" میں میں نے تم دونوں کو ڈھونڈنے کے لیے آنچل کا ایک ایک کونا چھان مارا مگر تم دونوں نظر نہیں آئیں پلیز رحم کھایا کرو مجھ پر اور زیادہ سے زیادہ انٹری دیا کرو۔ تم دونوں کے بغیر آنچل اور میں بہت اداس ہو جاتے ہیں۔ تم دونوں کو ایک بہت بڑی خوش خبری سنانی ہے۔ ارے ٹھہرو! (سانس تو لینے دو) خبر ہے ہی اتنی بڑی! 30 اپریل کو "میری جند جان صدقے" نازیہ کنول نازی سے بات ہوئی تھی کیا خوب صورت لب و لہجہ تھا میں تو اتنی خوب صورت آواز کے سحر میں کھو گئی تھی اور اتنی خوش ہوئی کہ (یاراں) خوشی سے میرے آنسو نکل آئے اور اس وقت میرے احساسات کیا تھے میں بتا نہیں سکتی، آئی لو یو نازی! تم بہت فرینڈلی ہو یار! تمہیں کیا پتا کہ تم سے بات کر کے میری کتنی بڑی خواہش پوری ہوئی ہے۔ (طوبیٰ، چندا) اب تم دونوں شرم کرو اور جلدی سے مبارک دینے آ جاؤ مجھے مٹھائی کے ساتھ۔ اللہ تم تینوں کو اتنی خوشیاں دے کہ ان کو سمیٹتے سمیٹتے تم لوگوں کے دامن تنگ ہو جائیں اور اللہ تم تینوں کو ہمیشہ ہنستا مسکراتا رکھے اور بدنظروں کی بُری نظر سے بچائے (آمین)۔

نرجس رانی.....ساہیوال

عشناء کوثر سردار کے نام

السلام علیکم ورحمتہ اللہ وبرکاتہ! عشنا باجی آپ پر جواب فرض ہے۔ دے دیجیے گا۔ لفظوں کو تلاش کرنا کتنا مشکل امر ہے۔ آپ یہ کام بخوبی کر رہی ہیں "اور کچھ خواب" اتنے زبردست کردار تخلیق کیے جنہیں آنکھیں پڑھ کر

دل کو سونپتی ہیں لیکن دماغ ابھی تک مفلوج ہے۔ ''معارج تغلق'' میری زندگی کا سب سے انوکھا لیکن مزے دار کردار ہے۔ لیکن اس قدر الجھا ہوا کہ سلجھا نہ پاؤں۔ میرا دماغ آپ پر اش اش کر اٹھا۔ ہر ماہ ایک نیا انداز نئی قسط ''اور کچھ خواب'' انا یا ملک کا معصوم انداز معارج تغلق کا سخت گیر انداز۔ انابیا بیگ کی انا۔ دامیان شاہ سوری کا دو طرفہ جھکاؤ۔ للی میک کا شان دار کردار۔ پارسا یامار کمال کی منکوحہ ہے یا منگیتر؟ جلد ہی پتا چل جائے گا۔ آپ میری ٹاپ رائٹر میں سے نمبر ون پر رہیں۔ معارف تغلق کی وجہ سے ہمیشہ نمبر ون پر رہے گی۔ مجھے آپ کی تعریف کرکے قرض چکانا تھا کیا آپ مجھ سے دوستی کریں گی؟ ہاں تو میرا نمبر مدیرہ سے لے لیجیے۔ ویسے اگر میری بے وقوفانہ باتوں پر توجہ نہیں کریں گی تو بھی میرے لیے ایک دعا ضرور کریے گا کہ میں درس نظامی مکمل کرکے دنیاو جہان میں معتبر ٹھہروں اور قلم کی نوک سے کردار ایجاد کرکے رائٹر بن جاؤں۔

شہناز راجپوت......گوجرانوالہ

سویٹ فرینڈ ''ملی'' کے نام

السلام علیکم! کیسی ہو پیاری دوست؟ تمہاری بہت خواہش تھی کہ میں تمہیں آنچل کے توسط سے مخاطب کروں اور یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میری جان سے پیاری ملی کوئی فرمائش کرے اور میں ٹال دوں؟ آج میں آنچل کے ذریعے ساری دنیا کے سامنے اعلان کرتی ہوں کہ میں دنیا میں سب سے زیادہ پیار اپنی ملی سے کرتی ہوں اور سنو سویٹ ہارٹ! تمہارے لیے میری جان بھی حاضر ہے۔ جب سے تم میری زندگی میں آئی ہو تو میں ایک ہی بات سوچتی ہوں کہ میں نے ایسی کون سی نیکی کی ہوگی جس کا اللہ تعالیٰ نے مجھے اتنا پیارا ثمر دیا ہے۔ ''آئی لو یو سو سو مچ! اپنا ڈھیر سارا خیال رکھا کرو میرے لیے میری خاطر۔ اللہ تمہیں ہمیشہ اپنی پناہ میں رکھے آمین۔

سلمیٰ مسعود شیخ......ملتان

شاہ زاد کے نام

ڈیئر چارلس! حیران ہو رہے ہو۔ ہاں ہاں یہ میں ہوں ''انا شاہ زاد'' منہ بند کرو کاکروچ تمہاری پینٹ میں ہے۔ ادھر آؤ ذرا ارے آؤ تو۔ دیکھو تمہاری شرٹ کا بٹن ٹوٹا ہوا ہے۔ میں نہیں لگا رہی جاؤ ماہ وش سے لگواؤ اور کھانا آنٹی سعدیہ سے کھاؤ اور باتیں اپنے دوستوں سے کرو اور سونا چھت پہ جاکے او کے۔ تمہاری میڈونا! اور ممّا' پاپا' دعا' اسامہ' رجاء' ثمینی' ارسل' اسود۔ آئی مس یو آئی لو یو سو مچ۔ اللہ کرے تم سب ہمیشہ خوش رہو آمین۔

انا شاہ زاد......گجرات

پیاری نوشی کے نام

السلام علیکم! کیسی ہو آپ؟ امید ہے کہ آپ بہت ٹھیک اور خوش ہوں گی اور دعا ہے کہ یونہی آپ ہنستی مسکراتی رہو آمین۔ آپ کو بہت بہت سالگرہ مبارک ہو۔ سوچا تھا کہ آپ کی سالگرہ پہ اچانک آپ کو زبردست سرپرائز دوں گی آپ کے پاس آکے لیکن جو سوچو وہ کب ہوتا ہے۔ ہوتا تو وہ ہے جو کبھی آپ کے گمان میں بھی نہ ہو۔ خیر آپ کو آپ کا جنم دن بہت مبارک ہو ہو سکے تو معاف کردینا پلیز ہمیشہ خوش رہنا آپ۔

تانی چوہدری......آکسفورڈ یو کے

ہم سب کی پری اور اماں کی شہزادی کے نام

ہماری پیاری پھولوں سی بہن نوشی اقبال نوشی 27 جولائی کو تمہاری سالگرہ ہے۔ بہت بہت مبارک ہو سب گھر والوں کی طرف سے۔ اللہ کرے تم ہمیشہ خوش رہو کوئی غم تمہاری زندگی میں نہ آئے۔ خوشیاں اور کامیابیاں تمہارے قدم چومیں' آمین۔ میری عنبرین اور اماں جی کی دعائیں ہمیشہ تمہارے ساتھ ہیں۔ تم تھوڑی دیر کے لیے بھی گھر نہ ہو تو گھر میں کوئی خوشی کوئی رونق نہیں رہتی (بقول اماں جی کے) ہمارے گھر کی ساری رونق میری شہزادی بہنی نوشی کے وجود سے ہے اور واقعی ایسا ہی ہے۔ نوشی! ہماری محبتیں اور دعائیں ہر لمحہ تمہارے لیے سایہ فگن ہیں۔ خوش رہو اور ہاں تمہاری گاؤں والی تمام دوستوں کی طرف سے بھی تمہیں مبارک باد دے دوں

کیونکہ انہوں نے کہا تھا کہ آنچل میں ہماری طرف سے بھی نوشی کو مبارک باد دینا۔ سو تمہیں کنزا' رضوانہ' نوشی' نفیسہ' صبا اور مصباح کی طرف سے بھی سالگرہ مبارک اور ڈھیروں دعائیں۔

نورین اقبال اور عنبرین اقبال......گاؤں بدر مرجان

مائی سویٹ فرینڈ ثمرہ کے نام

السلام علیکم! کیسی ہو ثمرہ؟ امید ہے تم ٹھیک ہی ہوگی' کیا ہوا۔ ہوگئی نہ سرپرائز کہ میں نے آنچل کے ذریعے تمہارا حال پوچھا؟ چلو اب تو مسکرادو۔ ثمرہ! تم میری بہت اچھی اور پیاری دوست ہو۔ میری اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ تمہیں اپنی تمام رحمتیں برکتیں عطا کرے۔ تمام جہانوں کی خوشیاں عطا فرمائے' تمہیں زندگی میں کوئی پریشانی اور دکھ نہ ملے۔ تم ہردم ہنستی مسکراتی رہو اور اللہ تمہاری ہر دلی مراد پوری کرے آمین۔

مہر النساء......بھوپا

ثمی آکسفورڈ کے نام

السلام علیکم! کیسی ہو؟ خوش رہو۔ تم کو یاد ہوگا کہ تم نے کچھ عرصہ پہلے ایک سوال پوچھا تھا۔ ویسے تو (صائمہ قریشی......آکسفورڈ) نے اس کا خاصا مفصل جواب دیا تھا مگر مجھے لگا کہ مجھے بھی کچھ کہنا چاہیے پہلے تو معذرت کہ اتنے عرصے بعد جواب دے رہی ہوں' اصل میں کچھ تو گھریلو مصروفیت اور کچھ میری ازلی سستی کے باعث اتنی دیر ہوگئی۔ تم نے پوچھا لڑکے عشق میں پاگل کیوں نہیں ہوئے صرف لڑکیاں ہی کیوں پاگل ہوئی ہیں۔ تو ثمی ڈیئر! قصہ کچھ یوں ہے کہ عموماً ہمارے رائٹرز عورت کی صنف کو بہت مظلوم بنا کر پیش کرتے ہیں' ٹھیک ہے کہ لڑکیاں جنونی ہوتی ہیں مگر یہ بھی سچ ہے کہ لڑکے بھی محبت میں اتنی ہی شدت رکھتے ہیں جتنی لڑکیاں۔ کیونکہ یہ شدت کسی صنف کے مزاج میں نہیں یہ شدت تو محبت کے اپنے وجود کی ہوتی ہے۔ محبت جتنی شدت رکھتی ہے یہ اتنی ہی جنونی بھی ہوتی ہے۔ لڑکیاں فطرتاً نازک ہوتی ہیں یہ اس شدت کو اپنے اندر سمو نہیں سکتیں مگر لڑکے اس شدت کے آگے ہتھیار نہیں ڈالتے اور جب لڑکیاں اپنے کومل وجود میں اس شدت کو سمونے کی کوشش کرتی ہیں تو نتیجتاً وہ اختیار کھو دیتی ہیں اور جہاں تک تعلق ہے مرد کے انتظار کرنے کا تو ڈیئر یہ ہمارے رائٹرز کی کوتاہی ہے خاص طور پر خواتین رائٹر کی (معذرت کے ساتھ) کہ وہ مرد کی محبت میں شدت کو سامنے نہیں لاتیں اور اگر کبھی ایسا کر بھی دیں تو اتنی انا پرستی اور جنونیت کے ساتھ کہ لڑکی ظالم ہوکر بھی مظلوم لگنے لگے۔ انتظار تو مرد بھی کرتے ہیں۔ ہاں یہ الگ بات ہے کہ وہ ضبط کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔ اب اجازت دو' تمہاری رائے کا انتظار رہے گا' اللہ تمہارا حامی و ناصر ہو۔ والسلام۔

نور شفق......ہری پور

ڈیئر رخسانہ اقبال کے نام

سلام وفا! آپ کا خط نظروں سے گزرا' پڑھ کر بہت دکھ ہوا۔ مجھے نہیں پتا آپ کن حالات و واقعات کی وجہ سے زندگی جیسی نعمت سے بے زار ہوگئی ہیں لیکن میں پھر بھی آپ سے اتنا کہوں گی کہ انسان کو ہر دکھ کا حوصلے سے مقابلہ کرنا چاہیے۔ مایوس نہیں ہونا چاہیے۔ وقت اچھا بھی گزر جاتا ہے اور برا بھی۔ بس ہمیں تھوڑا صبر سے کام لینا چاہیے۔ ہم سب آنچل ممبرز ایک فیملی کی مانند ہیں' ہم سب ایک دوسرے کے دوست ہی ہیں اگر کوئی اور بہن بھی دوستی کرنا چاہتی ہے تو دل کے دروازے کھلے ہیں۔ میری اچھی بہن! پریشان نہ ہو' زندگی میں اچھا برا ہوتا رہتا ہے لیکن ہمیں ہمت سے کام لینا چاہیے، خدا حافظ۔

شبانہ امین راجپوت......کوٹ رادھا کشن

عنبرین نواز اور بہت ہی اپنوں کے نام

سویٹ امبر (امبر کہہ سکتی ہوں نا؟) کیسی ہو؟ جواب دیر سے دیا پرابلم وہی ''ردی کی ٹوکری'' (اگر اب بھی بچ گیا تو......؟) دوستی کی آفر ٹھکرانا کفران نعمت ہے یار اور میں ایسی غلطی نہیں کیا کرتی۔ مجھے خوشی ہوگی۔ (دیکھو! ٹوتھ پیسٹ کا اشتہار بنی تمہارا دوستی کے لیے بڑھا

ہاتھ تھام رہی ہوں) اور ویسے بھی پُرخلوص لوگوں کی تو مجھے ہمیشہ تلاش رہتی ہے۔ ٹھیک کہہ رہی ہوں نا موٹی! مارچ میں میری ایک عزیز ترین ہستی کی برتھ ڈے تھی وش نہ کرسکی (ناراضگی معاف' دیکھیں آپ کے کان پکڑتی ہوں) مرضیہ زین' مشعل باجی' اسامہ' دھو باجی اور "بلی" تم سب کو بہت یاد کرتی ہوں۔ خدیجہ طاہر (نیشنل میڈیکل کالج گجرات) لگتا ہے پڑھائی میں "رومان" کو بالکل بھول گئی ہو (ہے نا؟)۔ تمہیں پتا ہے میں پیارے سے بھانجے "یوشع" کی آنی بن گئی ہوں' میرا میسج پڑھو تو فوراً کنٹیکٹ کرنا (یہ میرا حکم ہے)۔ اسامہ کے بچے میری تصویریں ابھی تک نہیں پہنچیں' اقصیٰ ذرا اس لمبو کے کان کھینچنا۔ بہت سی دعاؤں کے ساتھ آپ کی اپنی۔

رومان ملک...... جھنگ صدر

آئینہ بزم کے تمام قارئین کے نام

السلام علیکم! میں اپنی دوست ثمینہ کو دعا اور سلام کہنا چاہوں گی۔ مجھے یقین ہے کہ تم آنچل پڑھ رہی ہوگی اور سناؤ کیا کررہی ہو؟ ایم اے کا امتحان دے دیا ہے یا فی الحال یونہی وقت گزار رہی ہو؟ اور مہوش تم کیسی ہو؟ اب کہاں ہو؟ پڑھو تو رابطہ ضرور کرنا۔ عطروبہ سکندر تم کیسی ہو؟ اور بے حد شکریہ تمہارا کہ تم نے میرا نام لیا۔ اللہ تعالیٰ آپ سب کو کامیاب و کامران کرے۔ دعاؤں میں ضرور یاد رکھیے گا' نیک خواہشات کے ساتھ اجازت دیں' والسلام۔

سلمیٰ اکبر شیرازی...... اوچ شریف

آنچل اسٹاف اور قارئین کے نام

السلام علیکم! آنچل اسٹاف اور پیاری پیاری قارئین! آپ سب کیسی ہیں؟ یقیناً بہار کی طرح تروتازہ اور خوش و خرم ہوں گی۔ اللہ آپ سب کو یوں ہی ہنستا مسکراتا رکھے آمین۔ میں نے بہت دنوں کے بعد آنچل سے رابطہ کیا ہے۔ فرحت آنی کی وفات نے ایسا ملول کیا اور دل اتنا دکھی ہوا کہ دوبارہ آنچل میں شرکت کی ہمت ہی نہ ہوسکی۔ اس لیے میں آپ سب سے تعزیت بھی نہ کرسکی۔ اس کے لیے معذرت۔ اب میں نے سوچا کہ چلو آپ سب سے تعزیت کرہی لوں کہ فرحت آنی کے جانے سے ہمارا جو نقصان ہوا ہے وہ شاید ہی پورا ہو۔ اللہ تعالیٰ فرحت آنی کو جنت الفردوس میں بلند مقام عطا فرمائے' آمین۔

مقدس رباب...... چکوال

ایک پیاری سی دوست کے نام

آپ سب کو میری طرف سے محبتوں بھرا سلام! انا احب! کیسی ہو؟ انا میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں' کیا آپ مجھے دوست بنائیں گی؟ سباس گل اور انعم خان آپ بھی مجھے دوست بنالیں۔ امید کرتی ہوں آپ تینوں میری دوستی کا پیغام قبول کریں گی۔ میری دوست اُجالا! مجھ سے سات آٹھ سال پہلے بچھڑ گئی۔ اُجالا اگر آپ آنچل پڑھتی ہیں تو مجھ سے آنچل کے ذریعے رابطہ کرنا' دعاؤں میں یاد رکھنا۔ فقط آپ سب کی دعاؤں کی منتظر۔ اللہ ہم سب کو خوش رکھے اور نیک کام کرنے کی توفیق عطا فرمائے' خدائے پامان۔

انا انجم...... سلطان کالونی

میری پیاری سائرہ لنگڑیال اور سلمیٰ اسلام کے نام

السلام علیکم! کیسی ہو آپ؟ میری تو اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ آپ کو سدا صحت یاب اور خوش رکھے آمین۔ آپ نے تو میری دوستی قبول کرنے میں اتنی دیر کردی تھی کہ مجھے لگنے لگا تھا کہ شاید میں آپ کی دوستی کے لائق ہی نہیں ہوں لیکن دیر سے سہی آپ کا جواب پڑھ کر مجھے کتنی خوشی ملی ہے میں شاید اس خط میں بیان نہ کرسکوں۔ میری آنچل میں فرسٹ فرینڈ سائرہ آپ ہو اور سلمیٰ اسلام ہے۔ میری کوشش رہے گی کہ میں ایک مخلص دوست بن کر رہوں اور ہماری دوستی کا رشتہ اور مضبوط سے مضبوط تر ہوتا جائے آمین۔ میں اور بھی بہت کچھ لکھنا چاہتی ہوں پر مجھے ڈر ہے کہ میرا خط شائع کرنے کی بجائے ڈسٹ بن کے منہ میں ہوگا' سو ابھی کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔ آپ اپنا بہت بہت زیادہ خیال رکھنا' میرے خط کا جواب ضرور دینا' انتظار رہے گا مجھے۔ اجازت چاہتی ہوں' خدا حافظ۔

طاہرہ غزل...... جتوئی

سمیرا شریف طور کے نام

السلام علیکم! کیا حال ہے آپ کا؟ امید ہے ٹھیک ہوگی' ویسے آپ کا تعارف پڑھا بہت اچھا لگا۔ آپ بہت اچھا لکھتی ہیں سمیرا جی! میں آپ سے دوستی کرنا چاہتی ہوں۔ مجھے معلوم ہے آپ کی بہت دوستیں ہوں گی اور شاید آپ کے پاس ٹائم بھی نہ ہو مجھ سے دوستی کرنے کا۔ سمیرا جی! میرا آپ سے دوستی کرنے کا ارادہ اب نہیں بنا بلکہ جب آپ کی کہانی "محبت رنگ دھنک اوڑھ" کر چل رہی تھی میں اس وقت سے سوچ رہی تھی ہر دفعہ اس وجہ سے دوستی نہیں کرتی' شاید آپ دل توڑ دیں اور انکار کردیں لیکن اس دفعہ سوچا اپنے دل کی بات کہہ دوں' پلیز مجھے ناامید مت کیجیے گا۔ میں اتنی زیادہ بُری نہیں ہوں' آپ کی دوستی پر پوری اُتروں گی۔ آخر میں سمیرا جی! صرف اتنا کہوں گی میرا دل زرش سے بھی زیادہ حساس اور نازک ہے۔ سمیرا جی! میں آپ کو ہر وقت یاد کرتی ہوں' ہر صبح ہونے کے بعد میں سوچتی ہوں کہ آج میری آپ سے بات ہوگی۔

کشف زہرہ...... میانوالی تحصیل پپلاں

آنچل پڑھنے والوں کے نام

السلام علیکم! کیا حال ہے آنچل پڑھنے والیوں کا؟ ٹھیک ہے۔ عطروبہ سکندر' طاہرہ ملک' ظل ہما' سائرہ لنگڑیال' ہما احمد' اقصیٰ ماہ نور' امائمہ شاہ' باسمرہ' نازیہ کنول نازی' چندا مثال' حور ارم' نازش خان' رومان ملک' زکیہ سمیعہ ہراج' رابعہ عمر حیات ہراج اور آمنہ سدرہ' اقراء طیبہ' عائشہ ہراج آپ لوگ سدا خوش رہو' کھلکھلاتی رہو اور الی جبہ شانزے آپ کہاں غائب ہو؟ احمد حسن میرے گول مٹول سے بھائی! کیسے ہو؟ پردیس میں رہتے ہو' ہماری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں۔

(الفت زہرہ)

آنچل کے نام

السلام علیکم! زندگی کچھ اس ڈھب سے گزر رہی ہے کہ سر کھجانے کی بھی فرصت نہیں ملتی۔ وہی سدرہ سحر عمران جس کے مراسلات ہر ماہ آنچل کی زینت بنتے تھے۔ گردش دوراں میں کچھ اس طرح سے کھوگئی کہ اب رسائل پڑھنا بھی خواب وخیال ہوا۔ تب کہا جاتا کہ ہو ہی نہیں سکتا کہ کبھی میگزین پڑھنے کی اگن ختم بھی ہوسکتی ہے اور اب ہنسی آتی ہے اپنی ہی باتوں پہ۔ کتنا کچھ بدل گیا ان چند برسوں میں۔ فرحت آراء کیا گئیں آنچل ہی ادھورا لگتا ہے۔ کچھ روز قبل ثوبیہ ہما کا میسج آیا کہ کیا "حور ارم تمہاری دوست ہے" اور ہم سوچ میں غلطاں۔ کون حور ارم؟ جواب آیا کہ اس کا میسج آیا ہے آنچل میں تمہارے نام۔ سوچا' اچھا دیکھیں گے۔ اور پھر وقت کا گرداب۔ آج نیٹ پہ سرفنگ کرتے ہوئے آنچل کا خیال آیا تو ویب سائیٹ اوپن کی اور مئی کے شمارے میں "ہمارا آنچل" میں حور ارم شاہ کا تعارف پڑھا۔ اچھا لگا۔ ہم آپ کے نام سے انجان ہیں ارم۔ تاہم آپ کی خواہش پہ بذریعہ آنچل رابطہ کررہے ہیں۔ آپ "فیس بک یوزر" ہیں تو ہمیں جوائن کرسکتی ہیں sahr3606 پہ ہمیں میل کرسکتی ہیں۔ خوش رہیں۔

سدرہ سحر عمران...... کراچی

دوستوں کے نام

ڈیئر آل! السلام علیکم کیسے ہیں آپ سب؟ ملائکہ چوہدری اور سدرہ ناز مجھے آپ کی دوستی قبول ہے۔ باقی سب دوست 346 بار سوچ کر 745 بار پھر سوچنا 28 بار پھر سوچنا اور 41 بار فائنل کر دینا۔ میرے پاس ہوں گے۔ بشریٰ نوید باجوہ سے جو ربط رکھنا چاہے وہ یہی سوچنے والا طریقہ استعمال کرے۔ حما آپی آپ پلیز میسج شائع کردیں خدا حافظ۔

سائرہ لنگڑیال...... سرگودھا



آپ کی پسند

زہرہ جبیں
akp@aanchal.com.pk

(زاہدہ ملک کی پسند..... دیپالپور سے)

محبت ہم سفر میری

کٹھن ہے زندگی
سفر دشوار ہے کتنا
کبھی پاؤں نہیں ملتے
کبھی رستہ نہیں ملتا

ہمارا ساتھ دے پائے
کوئی ایسا نہیں ملتا
فقط ایسے گزاروں تو
یہ روز و شب نہیں کٹتے
یہ کٹتے تھے کبھی پہلے
مگر ہاں اب نہیں کٹتے
مجھے پھر بھی میرے مالک
کوئی شکوہ نہیں تجھ سے
میں جاں پر کھیل سکتا ہوں
میں ہر دکھ جھیل سکتا ہوں
اگر تو آج ہی کر دے
محبت ہم سفر میری

(ساجدہ زیدی کی پسند..... وریو والہ سے)

دل دھڑکنے کا سبب یاد آیا
وہ تیری یاد تھی اب یاد آیا
آج مشکل تھا سنبھلنا اے دوست!
تو مصیبت میں عجب یاد آیا
دن گزارا تھا بڑی مشکل سے
پھر... تیرا وعدۂ شب یاد آیا
تیرا بھولا ہوا پیمانِ وفا
مر جائیں گے اگر اب یاد آیا
حالِ دل ہم بھی سناتے لیکن
جب وہ رخصت ہوا تب یاد آیا
بیٹھ کر سایۂ گل میں ناصر
ہم بہت روئے وہ جب یاد آیا

(دعا نور کی پسند..... لالہ موسیٰ سے)

بارشوں کے موسم میں
وقت کے اندھیروں میں
میں نے اس سے پوچھا تھا
چھوڑ تو نہ جاؤ گے
ہاتھ تھام کر اس نے
کان میں یہ بولا تھا
کیسے چھوڑ سکتا ہوں
تم تو جان ہو میری
اور آج ایسے ہی
وقت کی تمازت میں
وحشتوں کے موسم میں
میں نے اس سے پوچھا ہے
چھوڑ کر ہی جانا تھا
آس کیوں دلائی تھی
پیاس کیوں جگائی تھی
میرے ان سوالوں پر
چلتے چلتے وہ بولا
موسموں کی عادت ہے
وقت پر بدل جانا

(سلمٰی ملک کی پسند..... قادر پوراں سے)

کب تلک اپنی تپش میں آپ جلنا ہے تجھے
دوپہر کی دھوپ تو آخر کو ڈھلنا ہے تجھے
سانس چبھتی کرچیوں کا بے نہایت راستہ
اور اس پر زندگی بھر تیز چلنا ہے تجھے

رنگ مہندی کے ہوں یا تتلی کے اوروں کے نصیب
ہاتھ کی پھیکی لکیروں سے بہلنا ہے تجھے
خیر و شر میں فیصلے کا وقت ہے ترکش سنبھال
اپنے لشکر سے مثالِ حُر نکلنا ہے تجھے
ریشمی رشتوں سے محسن اتنا بے پروا نہ ہو
لغزشوں کی بھیڑ میں آخر سنبھلنا ہے تجھے

(شگفتہ خان کی پسند..... بھلوال سے)

نظم

سنو!
مجھے اتنا تو بتلا دو
کہ میرا جُرم ہی کیا تھا
جو تم نے مجھ کو بھلا ڈالا
وجہ کچھ تو ہوئی ہوگی
جو دل سے ہر نقش مٹا ڈالا
مگر میں کیا کروں اپنا
کہ میرے دل میں تمہاری چاہت کا
ہر اک نقش گہرا ہے
آج بھی ہر اک لمحہ زندہ ہے
بتاؤ! کیا کروں ایسا کہ
تم کو بھول جاؤں میں
اور تمہاری طرح میں بھی
اپنے دل کو پتھر کر ڈالوں
مگر مجھے اتنا تو بتلا دو
کہ میرا جرم ہی کیا تھا
سوائے تم کو "چاہنے" کے

(انعم چوہدری کی پسند..... جتوئی سے)

کوئی کیسے بکھرتا ہے
اگر یہ جاننا چاہو کوئی کیسے بکھرتا ہے
چمن میں جا کے خزاں میں
کبھی پتوں کو دیکھو تم
یا پھر اک آئینہ لے لو
اسے پتھر پہ دے مارو
اگر مشکل ہو تم کو تو
کسی خوب صورت پھول کو لینا
اسے ہوا کے دوش پہ رکھنا
تو پھر تم جان جاؤ گے
کوئی کیسے بکھرتا ہے
اگر یہ بھی نہ ہو تم سے
تو میرے پاس آ جانا
میرا دیدار کر لینا
خبر یہ ہو ہی جائے گی
کوئی کیسے بکھرتا ہے

(ہما ایوب شیخ کی پسند..... عارف والہ سے)

کہیں تم اپنی قسمت کا لکھا تبدیل کر لیتے
تو شاید ہم بھی اپنا راستہ تبدیل کر لیتے
اگر واقعی ہم کم حوصلہ ہوتے محبت میں
مرض بڑھنے سے پہلے ہی دوا تبدیل کر لیتے
تمہارے ساتھ چلنے پہ جو دل راضی نہیں ہوتا
بہت پہلے ہی ہم اپنا فیصلہ تبدیل کر لیتے
تمہیں ان موسموں کی کیا خبر ملتی اگر ہم بھی
گھٹن کے خوف سے آب و ہوا تبدیل کر لیتے
تمہاری طرح جینے کا ہنر آتا تو پھر ہم بھی
مکان اپنا وہی رکھتے پتا تبدیل کر لیتے
جدائی بھی نہ ہوتی، زندگی بھی سہل ہو جاتی
جو ہم اک دوسرے سے مسئلہ تبدیل کر لیتے
ہمیشہ کی طرح اس بار بھی ہم بول اُٹھے ورنہ
گواہی دینے والے واقعہ تبدیل کر لیتے





شمائلہ کاشف

پروین افضل شاہین...... بہاولنگر

س: میری سالگرہ کے موقع پر میرے میاں جانی پرنس افضل شاہین ہمیشہ بیمار کیوں ہوجاتے ہیں؟

ج: ظاہر ہے۔ خرچے کے خوف سے......

س: میں جب بھی سالگرہ کی بات کرتی ہوں تو وہ چھت کو گھورنے لگتے ہیں' آخر یہ کیا ماجرا ہے؟

ج: سوچتے ہوں گے' چھت کی مرمت کروائیں یا تمہاری سالگرہ منائیں!

س: میرے سر میں درد ہورہا ہے' کیا کروں؟

ج: اپنا سر دیوار میں دے مارو۔ سر کا درد دیوار میں منتقل ہوجائے گا۔

زائمہ خٹک...... میانوالی

س: آپی کیا زندگی بے وفا ہے یا انسان؟

ج: زندگی بے وفا نہیں۔ زندگی کی میعاد مقدر ہے۔

س: آپی شعر کا جواب شعر سے دیں۔

وہ محبتوں کے سودے بھی عجیب کرتا ہے
بس مسکراتا ہے اور خرید لیتا ہے

ج: ہر ایک کے لیے نہ کھلا رکھ اسے قتیل
یہ دل ہے ایک گھر' اسے بازار مت بنا

صدف سلیمان...... شورکوٹ شہر

س: ہم جن پر سب سے زیادہ بھروسہ کرتے ہیں' وہی لوگ دکھ کا سبب کیوں بنتے ہیں؟

ج: دکھ انسان نہیں' انسان سے وابستہ توقعات دیا کرتی ہیں۔

س: خوشی کی عمر چھوٹی اور غم کی عمر لمبی کیوں ہوتی ہے؟

ج: کسی دانش ور نے کہا ہے کہ خوشی دو بڑے غموں کے درمیان آنے والے وقفے کا نام ہے۔

س: کہتے ہیں کہ دل کی ہزار آنکھیں ہوتی ہیں تو پھر اپنے محبوب کے عیب نظر کیوں نہیں آتے؟

ج: محبت اندھی ہوتی ہے۔

سمیرا ندیم...... اسلام آباد

س: شمائل آپی! گرمی کا کیا حال ہے؟

ج: تم کسی اور سیارے کی مخلوق ہو کیا؟

س: آپی اگر کوئی مسلسل ہمیں قصور وار سمجھے اور صفائی بھی نہ سنے تو ہمارا کیا ردعمل ہونا چاہیے؟

ج: خاموشی اختیار کریں۔ سچائی خود بخود اپنے آپ کو منوا لیتی ہے۔

س: ہم دارِ فانی سے کوچ کرنے والوں کا غم تو بہت کرتے ہیں مگر جو ہمارے ساتھ رہتے ہیں ان کا خیال کیوں نہیں کرتے؟

ج: یہ بھی ایک اٹل حقیقت ہے کہ انسان کی اصل قدر اس کے بچھڑ جانے کے بعد ہی ہوا کرتی ہے۔

عشا اٹل...... جہلم

س: آپی! وہ کیا چیز ہے جو دیکھنے میں حقیقت ہے مگر درحقیقت وہ حقیقت نہیں؟

ج: فلم

س: ایک میں بھی تنہا تھے سو میں بھی اکیلے ہیں اس کی پہلی سطر بھلا کیا ہے؟

ج: آئینے کے سو ٹکڑے ہم نے کرکے دیکھے ہیں۔

س: آپی! آپ بہت حاضر دماغ ہیں' آخر اس کا راز کیا ہے؟

ج: بادام کا حلوہ۔

عمرانہ شاہین...... ڈھوک راہم

س: بھئی مجھے تو ہر وقت انتظار ہوتا ہے بھلا کس کا؟

ج: آنچل کا۔

س: میری تنہائی کا ساتھی' میرا غم خوار' کبھی ہنساتا ہے' کبھی حوصلہ دیتا ہے۔ سبق آموز باتیں بتاتا ہے' بھلا کون؟

ج: آنچل!

طیبہ شیریں...... کوری خدابخش

س: آپ میری کیا لگتی ہیں؟

ج: جو آپ میری لگتی ہیں' یعنی بہن!

س: اگر صبح کا بھولا شام کو گھر آجائے تو......؟

ج: ظاہری بات ہے کہ اسے بھولا نہیں کہتے۔

س: اسے دیکھا تو خیال آیا......؟

ج: زندگی دھوپ "وہ" گھنا سایہ۔

اریبہ کائنات...... جتوئی

س: اپیا! جن لوگوں کی ہمیں قدر ہوتی ہے وہ ہم سے کیوں بچھڑ جاتے ہیں؟

ج: بچھڑنا زندگی کی کڑی حقیقتوں میں سے ایک ہے۔ اس سے سمجھوتا کرنا چاہیے۔

س: ان کے بغیر ہمارا دل اداس ہے بتائیں کن کے بغیر......؟

ج: شدید گرمی میں جنریٹر کے بغیر۔

زاہدہ ملک...... دیپالپور

س: مائلہ آپی! اگر پوری دنیا چند لمحوں کے لیے ساکن ہوجائے تو وہ کون سی چیز ہوگی جو آپ دنیا سے ختم کردینا چاہتی ہیں؟

ج: مہنگائی' رشوت' بدعنوانی' بے روزگاری۔

س: شمائل آپی! مجھے دنیا اندھیر لگتی ہے جب؟

ج: بجلی چلی جاتی ہے' ہے نا!

س: شمائلہ آپی! "دل دھڑکنے کا سبب یاد آیا" بھلا کیا؟

ج: جب رزلٹ کے لیے اخبار دیکھا اور اپنا رول نمبر کہیں نہ ملا......

یاسمین کنول...... پسرور

س: بجٹ کیا نوید لائے گا؟

ج: مزید مہنگائی کی نوید آثار تو یہی بتاتے ہیں۔

س: جون' جولائی' اگست شدید گرمی' حبس اور بارش کے حوالے سے کیوں یاد کیے جاتے ہیں؟

ج: ہم تو شدید گرمی میں ساون کو یاد کرتے ہیں۔

س: محبت اور نفرت میں توازن کیوں ضروری ہے؟

ج: توازن تو ہر جذبے اور ہر رشتے میں ضروری ہے۔

س: صبح کا آغاز کیسے کیا جائے؟

ج: اللہ کے پاک اور بابرکت نام سے۔

س: بچوں کو چھٹیوں میں غریب لوگ کہاں لے جائیں؟

ج: بچوں کے ابا کے سسرال۔

طیبہ نذیر...... شادیوال گجرات

س: آپی آپ کا اسٹار کیا ہے' ضرور بتایئے گا؟

ج: سارے ستارے اپنے سے لگتے ہیں۔

س: آپی میری 23 جولائی کو سالگرہ ہے' جلدی سے وش کریں نا!؟

ج: پہلے تم ہمیں وش کرو کیونکہ ہماری سالگرہ بھی جولائی میں ہے۔

س: آپی مجھے میٹھی چیزیں بہت پسند ہیں' کیا آپ کو بھی؟

ج: ہمیں تم سب کے کھٹے میٹھے سوالات زیادہ پسند ہیں۔

مریم منور گل...... سمندری

س: اپیا! جب ہمارے اعتماد کی کرچیاں ہمارے اپنے بکھیر دیں تو ان کے ساتھ کیسا سلوک کرنا چاہیے؟

ج: کم از کم آپ ان کا اعتماد ضرور بحال رکھیں۔

س: زندگی کو گزارنے کا کوئی خاص گر؟

ج: زندگی کو مخلوق خدا کی خدمت کے لیے وقف کردو۔

زنیرا طاہر زونی...... بہاولنگر

س: پہلی دفعہ شرکت کررہی ہوں، بہت دور سے مجھے بھی اپنے آنچل میں چھپا لیجیے؟

ج: آنچل آپ کا اپنا ہے۔ آپ کو اجازت دینے کی ضرورت نہیں؟

س: آپی اگر میں عینک اُتار دوں تو کیسی لگوں گی؟

ج: آئینہ دیکھو اور ہمیں بھی بتاؤ کہ کیسی لگتی ہو؟

س: اپیا! گرمیوں کی سب سے اچھی بات کیا ہے؟

ج: گرمیوں کی شامیں بہت خوب صورت ہوتی ہیں۔

س: سخت گرمیوں اور امتحانات میں سے چھوٹی مشکل کون سی ہے؟

ج: جس کی تیاری نہ ہو وہی بڑی مشکل ہے۔

س: انسان کو پرکھنے کا پیمانہ کیا ہے؟

ج: آپ کا حسن نظر۔

فریش ایور...... عیسیٰ خیل

س: سلام آپی آپ کو پتا ہے میں نے اپنا نک فریش ایور کیوں رکھا؟

ج: وعلیکم السلام نہیں۔

س: آپی ٹرک بھیج رہی ہوں ملتے ہی فوراً اس میں بیٹھ کر عیسیٰ خیل آجانا۔ آپ سے ملنے کو دل کررہا ہے؟

ج: راستے بند ہیں نہیں آسکتے۔

س: جارہی ہوں ارے ہمیشہ کے لیے نہیں پھر آؤں گی؟

ج: شکر ہے گئیں۔

ہما احمد...... فیصل آباد

س: ہائے دیدی کیسی ہیں آپ؟

ج: اچھی ہیں۔

س: کیا آپ کو میرا دیدی کہنا برا لگا؟

ج: نہیں۔

س: پیاری دیدی ہم اندھا دھند مغرب کی تقلید کیوں کررہے ہیں کیا ہمارا اپنا کوئی مقصد نہیں ہے؟

ج: نہیں۔

س: دیدی آپ کے خیال میں محبت کیا ہے؟

ج: صرف محبت۔

س: دیدی مرد بے وفا ہوتا ہے یا عورت؟

ج: دونوں بے وفا نہیں ہوتے۔

س: اچھا دیدی اللہ حافظ ہمیں بھی اللہ حافظ کہیں؟

ج: اللہ حافظ۔

دیا علی...... میرپور آزاد کشمیر

س: سلام آپی کیسی ہیں آپ؟

ج: وعلیکم السلام! اللہ کا شکر خیریت سے ہیں۔

س: آپی خوشیاں اتنی جلدی روٹھ کیوں جاتی ہیں؟

ج: اچھی چیز تھوڑی ہوتی ہے۔

س: آپی میری مما جانی باوجود میری ہر کوشش کے اکثر مجھ سے ناراض رہتی ہیں بتایئے کیا کروں؟

ج: ان کا کہنا مانو۔

س: آپی کیا آپ مجھے کسی اچھی سی دعا کے ساتھ رخصت نہیں کریں گے؟

ج: اللہ آپ کو سلامت رکھے آمین۔

کام کی باتیں

حنا احمد

السلام علیکم ڈیئر قارئین!

"ہارٹ اٹیک" دل کا دورہ اس جدید اور پُرآسائش دور کی نہایت مہلک اور جان لیوا بیماری ہے اور بلا مبالغہ ہر تین میں سے دو لوگ اسی کے سبب لقمۂ اجل بن رہے ہیں۔ اس کے بہت سے اسباب ہیں جن میں بے روزگاری، حد سے زیادہ اسراف، دوسروں کی بے جا تنقید، احساس کمتری، احساس برتری، رسومات کی بھرمار، رشتوں کی حرمت کا برقرار نہ رہنا، اچانک خوشی اور اچانک کسی بڑے دکھ کی خبر ملنا وغیرہ شامل ہیں۔ در حقیقت اس بیماری کا سبب ہماری زندگیوں سے اعتدال، میانہ روی کا ختم ہوجانا ہے۔ ہم ہر معاملے میں یا تو افراط کا شکار ہیں یا تفریط کا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات کوئی خوشی کی خبر بھی انسان کی موت کا سبب بن جاتی ہے۔ لہٰذا اعتدال ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

"وہ شخص کبھی تنگ دست (پریشان) نہیں ہوگا جس نے اعتدال (میانہ روی) اختیار کی۔"

خیر بات ہورہی تھی دل کے دورے کی اگرچہ اس بیماری کو ختم نہیں کیا جاسکتا مگر میانہ روی کے سبب اس میں کمی کی جاسکتی ہے۔ اگر پھر بھی افاقہ نہ ہو اور دل کا دورہ پڑ جائے تو اس کے لیے درج ذیل ہدایات پر عمل کریں۔

1:۔ اگر دل کا دورہ پڑنا شروع ہوجائے یعنی آپ کے سینے میں درد شروع ہوجائے اور یہ درد آپ کے بازو میں اور اس کے ساتھ ہی جبڑے میں شروع ہوجائے تو فوراً سمجھ لیں کہ یہ دل کا دورہ ہے۔ تو فوراً لا الہ الا اللہ پڑھ کر گہرا سانس لیں۔ اس کے بعد زور سے کھانسیں جس طرح جما ہوا بلغم باہر نکالنے کے لیے کھانستے ہیں۔ (اس طرح کھانسنا جسم کے مدافعتی نظام کے لیے ضروری ہے)۔

2:۔ یہ عمل (گہرا سانس لینا اور زور سے کھانسنا) لگاتار کرتے رہیں۔

3:۔ اگر آپ کے پاس (Angacid) گولی ہو تو فوراً زبان کے نیچے رکھیے یا دو گولی اسپرین (Asprin) چبا کر کھائیں۔

4:۔ ہر کھانسنے سے پہلے گہرا سانس ضرور لیں یعنی ایک دفعہ کھانسیں اور ایک دفعہ گہرا سانس لیں یہ عمل لگاتار کریں تاکہ پورے جسم میں دوران خون صحیح طریقے سے برقرار رہے۔ اس سے دل کو حسب ضرورت آکسیجن ملتی ہے اور دل کی دھڑکن اور سانس کی بے قاعدگی دور ہوجاتی ہے۔ اس طرح آپ بے ہوشی سے قبل اسپتال پہنچنے میں کامیاب ہوسکتے ہیں۔ باذن اللہ تعالیٰ۔

مندرجہ بالا طریقوں سے دل کو قوت ملے گی اور یہ ورزش بھی ہے۔ لہٰذا انہیں عادت بنانے کی ضرورت ہے۔

بحوالہ طب نبوی

ہما ایوب شیخ...... عارف والا

اگر نیند نہ آئے تو

۱:۔ خشخاش کا تیل کنپٹی پر لگانے سے جلد نیند آجائے گی۔

۲:۔ سرخ ٹماٹر کاٹ کر اس پر چینی چھڑک کر کھایئے۔

۳:۔ سونے سے پہلے پیاز کا استعمال کریں۔

۴:۔ سونے سے پہلے فروٹ چاٹ کھانے سے نیند

آ جاتی ہے۔

۵:۔ چائے اور کافی کا استعمال کم کردیں۔

۶:۔ دودھ اور پھل کا استعمال زیادہ کریں۔

۷:۔ بعض اوقات سر میں خشکی ہونے کی وجہ سے بھی نیند نہیں آتی ایسے میں سر کی مالش کرنا نہایت مفید ہے۔

۸: سونے سے ایک ڈیڑھ گھنٹہ پہلے چہل قدمی کریں۔

طیبہ نذیر...... گجرات

سوڈا بائی کارب (کھانے والا سوڈا)

آگ سے جل جانے پر میٹھا کھانے والا سوڈا پانی میں ملا کر گاڑھا لیپ بنا کر لگا دیں فوراً آرام آ جائے گا۔

جوڑوں کے درد میں میٹھا سوڈا پانی میں ملا کر دیں۔

نزلہ زکام میں پانی میں سوڈا ملا کر پی لیں آرام آئے گا۔

کھٹی ڈکار تیزابیت' پیٹ میں درد ہو تو ایک چمچ میٹھا سوڈا پانی میں ملا کر پی لیں۔

شوگر کی زیادتی یا بے ہوشی میں ایک کپ دودھ میں ایک چمچ میٹھا سوڈا ملا کر تین بار صبح' دوپہر' شام پلائیں ایک ہی دن میں آرام آ جائے گا۔

گندے زخموں پر میٹھا سوڈا پانی میں ملا کر لیپ کریں۔

مسز ارم جاوید احمد...... کراچی

تربوز

تربوز موسم گرما کا ایک عوامی پھل ہے۔ صحت بخش پانی سے لبریز۔ تربوز کے بیج بھی قوت بخش ہوتے ہیں۔ تربوز کا جوس بدن کو مستعد بناتا ہے۔ گرمی کے اثرات سے محفوظ رکھتا ہے۔ پیاس کی شدت مٹاتا ہے۔ ہائی بلڈ پریشر کو نارمل کرتا ہے۔ پیشاب کا اخراج بڑھا کر گردوں کو آلائشوں اور فاسد مادوں سے پاک کرتا ہے۔ یرقان کا علاج ہے بڑھی ہوئی تلی کو ٹھیک کرتا ہے۔ ہاضمہ ٹھیک کر کے بھوک بڑھاتا ہے۔ بدن میں پانی کا توازن برقرار رکھتا ہے۔ جسم کو ٹھنڈا کر کے شدید دھوپ کے موسم میں منفی اثرات سے تحفظ دیتا ہے۔

400 ملی لیٹر کے قریب تربوز کا پانی پینا گرمی کی شدت کے خلاف موثر ڈھال بن جاتا ہے۔ موسم گرما کی شدت میں اگر تیز دھوپ کے دوران باہر نکلنا پڑے تو پہلے تربوز کا 400/500 ملی لیٹر جوس پی لیں۔ اگر کسی پر گرمی اور لو کا اثر ہو چکا ہو تو ایسے مریضوں کو بیجوں کا سفوف یا تازہ جوس کے ساتھ کالا نمک ملا کر دیں۔ پیشاب کا اخراج معمول پر آ جائے گا۔ جس میں نمک اور پانی کا توازن درست ہو جائے گا۔

تربوز کے ایک گلاس جوس میں تھوڑا سا کالا نمک اور کالی مرچ ملا کر صبح اور پھر دوپہر کے کھانے کے بعد پینا نظام ہضم کو تقویت دیتا ہے' صبح خالی پیٹ سب سے پہلے تربوز کا جوس ایک گلاس چینی ملا کر پینے سے بہت پرانے سر درد سے بھی نجات مل جاتی ہے' تربوز کا جوس دن میں 3 یا 4 دفعہ (ہر دفعہ 350-300 ملی لیٹر) پینے سے یرقان دور ہو جاتا ہے اس سے بڑھا ہوا جگر بھی درست ہو جاتا ہے' تربوز کے ٹکڑے کاٹ کر رکھ دینا خطرناک ہوتا۔ یہ کھلی جگہ پڑے رہیں تو آلودہ اور غیر صحت مند ہو جاتے ہیں۔ دھوپ' مٹی اور کھلی فضا اس میں جراثیم پیدا کر دیتی ہے۔ چنانچہ کچھ دیر کے کٹے ہوئے ٹکڑوں کو کبھی نہ کھائیں۔ ان سے ہیضہ کا شدید خطرہ ہوتا ہے۔ فریج میں رکھا ہوا یا کھلا پڑا ہوا تربوز کا جوس بھی صحت کے لیے انتہائی خطرناک ہے۔ تربوز کے استعمال میں خصوصی احتیاط برتنا چاہیے کیونکہ یہ ہیضہ کرتا ہے۔

مسز ارم جاوید احمد...... کراچی

تندرستی ہزار نعمت ہے

لبابہ احمد

بچوں میں بُری عادتیں

بعض بچوں میں کچھ عادتیں عجیب و غریب ہوتی ہیں۔ کچھ بچے شدید غصہ کرتے ہیں' کچھ غلط طرزِ عمل کا مظاہرہ کرتے ہیں مثلاً دوسرے بچوں کو مارنا یا ان کے بال کھینچنا وغیرہ۔ یہ عادتیں ان کی شخصیت کی خو نہیں ہوتیں بلکہ وہ عموماً ایسا اپنے والدین کی توجہ حاصل کرنے کے لیے کرتے ہیں۔ بعض بچے خاص مواقع پر ایسا طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں' جس سے تکلیف ہوتی ہے۔ وہ دوسرے بچوں کو لاتیں مارتے ہیں' انہیں کاٹ لیتے ہیں یا غیظ و غضب کا اظہار کرتے ہیں۔ والدین کو چاہیے کہ وہ بچوں کی خراب عادتوں کو ختم کرنے کی سعی کریں۔ کم و بیش تمام والدین کو ایسے لمحات کا تجربہ ہوگا جب ان کے تین یا چار سال کے بچے دوسروں کو کاٹ لیتے ہیں یا ان کے بال کھینچتے ہیں۔ ایسے مواقع پر والدین بہت پریشان ہو جاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ "ہماری سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم سے کہاں غلطی ہوئی ہے۔"

ایک خاتون کہتی ہیں کہ میری تین سالہ بچی میرے ایک دوست کے بیٹے کے ساتھ آرام سے کھیل رہی تھی' ہم لوگ بھی قریب ہی بیٹھے تھے کہ اچانک میری بیٹی نے اس بچے کے بازو میں کاٹ لیا۔ جب وہ رونے لگا تو میری بچی نے ہنسنا شروع کر دیا۔ میں اس سے بہت ناراض ہوئی' گھر آ کر اسے ڈانٹا مگر وہ یہ سمجھنے سے قاصر تھی کہ ہم اس بارے میں اتنے فکر مند کیوں ہیں' وہ اسکول میں جانے والی ہے مجھے خوف ہے کہیں وہ کلاس میں یا اسکول میں کسی بچے کو نہ کاٹ لے۔"

ہر بچے کی شخصیت مختلف ہوتی ہے اور ہر بچہ اپنے ماحول کے ساتھ مختلف ردِعمل کا اظہار کرتا ہے۔ کچھ بچے بولڈ ہوتے ہیں اور کچھ شرمیلے۔ مثلاً آپ کی بچی کنڈرگارڈن میں بے خوفی سے جاتی ہے مگر آپ کا بچہ جاتے ہوئے روتا ہے۔

بچے کا ہاتھوں سے مارنا اور کاٹنا ان (بچوں) کے جارحانہ جذبات کا اظہار ہے' ان حرکتوں کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اس کی (بچے) طرف توجہ دی جائے۔ والدین ہرگز یہ نہیں چاہتے کہ ان کا بچہ دوسرے بچے کو دھکا دے کر یا کاٹ کر اس کا کھلونا چھین لے۔ چھوٹے بچے جو کسی کو کاٹ لیتے ہیں' وہ یہ نہیں سمجھتے کہ اس بچے کو تکلیف ہوتی ہے۔ اسی وجہ سے انہیں دوسروں کے ردِعمل پر حیرت ہوتی ہے۔ بچہ اس عمل کو دو تین مرتبہ دُہرائے گا پھر اسے معلوم ہو جائے گا کہ اس بات سے اس کی ماں ناراض ہوتی ہے۔

بچوں کی مارنے' چھیننے اور دیگر خراب عادتوں پر والدین کا ردِعمل مختلف ہوتا ہے۔ کچھ والدین بچوں کے مارنے اور کاٹنے کو نظر انداز کر دیتے ہیں' ان کا خیال ہے کہ اس طرح کے طرزِ عمل کو نظر انداز کرنا ہی بہتر ہے لیکن اس بات پر توجہ دینی چاہیے' خاص طور پر اس صورت میں جب بچہ تین سال سے زیادہ عمر کا ہو اور وہ دوسرے بچوں کے بارے میں ہمدردانہ جذبات کا اظہار نہ کرتا ہو' وہ یہ بھی نہیں سمجھتا ہو کہ اس نے کوئی غلطی کی ہے۔

بچے کئی وجوہ سے ایسا غلط طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں لیکن سب سے بڑی وجہ بڑوں کی توجہ حاصل کرنا ہے۔ ایسا خاص طور پر ان خاندانوں میں ہوتا ہے جہاں ماں باپ دونوں ملازمت کرتے ہیں اور بچہ انہیں اپنے سونے سے پہلے تھوڑی دیر کے لیے دیکھتا ہے۔ ایک خاتون تسلیم کرتی ہیں کہ وہ ہمیشہ اپنی بیٹی سے کہتی ہیں کہ "میں مصروف ہوں تم یہاں سے جاؤ اور کھیلو۔" اس نے یہ تسلیم کیا کہ جب میں ٹیلی فون کرتی ہوں' وہ میرے قریب کھڑی ہو' مجھے تنگ کرنے میں ٹیلی فون پر صحیح طرح بات نہ کر سکوں تو وہ اسے (بیٹی) زور سے دھکا دے دیتی ہے۔ وہ مزید کہتی ہے کہ میں اپنی بیٹی پر سنجیدگی سے توجہ نہیں

دیتی تھی؛ اسی وجہ سے اس نے دوسرے بچوں کے کاٹنا شروع کر دیا؛ اس طرح اس نے (بچی) اپنی ماں کی توجہ حاصل کر لی؛ اب بچی کے کاٹنے کی عادت بھی ختم ہوگئی۔ وہ صرف یہ ہی چاہتی تھی کہ اسے پیار کیا جائے اور جب وہ اچھا کھیلے تو والدین اس کی تعریف کریں۔ اس طرح اس کا یہ جارحانہ طرزِ عمل بھی ختم ہو سکتا ہے۔

کبھی کبھی بچہ اپنے غصے اور مایوسی کے اظہار کے لیے بھی دوسرے بچے کو کاٹ لیتا ہے۔ جو بچہ بولنے اور زبان کے معاملے میں پیچھے رہ جاتا ہے؛ وہ اپنے ساتھیوں اور اساتذہ سے رابطہ کرنے میں مشکل محسوس کرتا ہے۔ اگر وہ کسی ایسی صورت حال سے دوچار ہو جائے؛ جس کا وہ اپنی زبان سے اظہار نہ کر سکے تو ہو سکتا ہے کہ وہ کاٹنے لگے۔

مختلف مواقع پر بچے اپنا طرزِ عمل تبدیل کر لیتے ہیں مثلاً پارک میں ایک بچہ اپنے والد کی موجودگی میں جھولا جھول رہا ہے لیکن جیسے ہی اس کی ماں وہاں آتی ہے تو وہ چاہتا ہے کہ اسے جھولا جھلائے۔ والدین کے مقابلے میں اساتذہ کے ساتھ بچوں کا طرزِ عمل مختلف ہوتا ہے۔ بعض بچے بھی دوسرے بچوں کے ساتھ بُرا سلوک کرتے ہیں؛ کبھی اپنے کھلونوں پر غصہ اُتارتے ہیں اور کبھی اپنے والدین کو تنگ کرتے ہیں۔

ایک بچے کے والد نے بتایا کہ جب وہ اپنے بچے کو اسکول لینے جاتے ہیں تو وہ (بچہ) انہیں دیکھتے ہی غلط حرکتیں کرنے لگتا ہے۔ اگر اس کے قریب کوئی بچہ کھڑا ہوتا ہے تو وہ اسے دھکا دے دیتا ہے؛ اپنا بیگ پھینک دیتا ہے یا بھاگنے کی کوشش کرتا ہے۔ میں اسے کھینچ کر گاڑی میں بٹھاتا ہوں۔ وہاں موجود دیگر لوگ شاید یہ سمجھتے ہوں گے کہ میں اسے اغواء کر کے لے جا رہا ہوں۔ بچے کی ناراضگی کا یہ اظہار کئی وجوہ کا نتیجہ ہو سکتا ہے اس کے والد نے بتایا کہ وہ بچے کو اسکول سے لے جا کر ایک آیا کے سپرد کر دیتے ہیں کیوں کہ ہم (میاں بیوی) دونوں ہی کام کرتے ہیں۔ اس لیے بچہ اپنے والد کی اسکول میں آمد کو آیا کے پاس چھوڑے جانے سے تعبیر کرتا ہے۔ بچہ دن بھر اسکول میں رہنے کے بعد تھک ہار کر جب گھر جاتا ہے تو اپنے بستر پر سونا چاہتا ہے لہٰذا اس بچے کا غلط طرزِ عمل اپنے والدین کی عدم موجودگی کی وجہ سے جذباتی ردِعمل کا اظہار ہے اور یہ اس کی عادت نہیں ہے۔ جو بچے ناراضی کا اظہار کرتے ہیں انہیں زیادہ محبت اور توجہ کی ضرورت ہوتی ہے۔

بچے کو کاٹنے سے کیسے روکیں

اگر بچہ ہاتھ سے مارتا ہے؛ لاتیں مارتا ہے یا کاٹتا ہے تو اسے سزا نہ دیں بلکہ اسے سمجھائیں کہ یہ غلط ہے؛ اس سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے۔

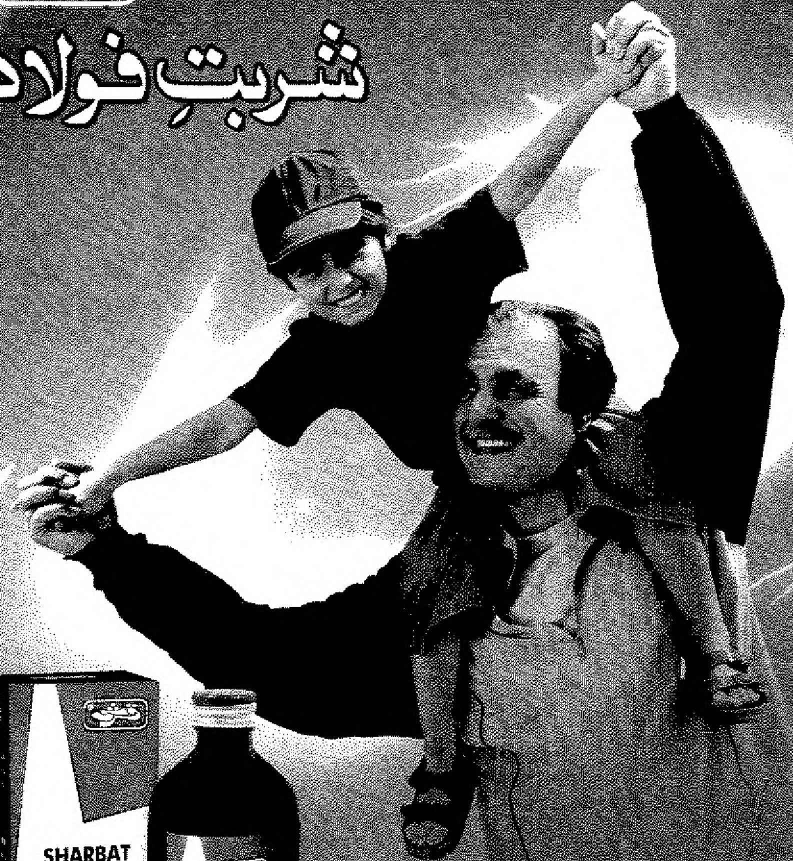
ایک بچہ کسی دوسرے بچے کو تنگ کرتا ہے تو کچھ دن اس پر کھیلنے کودنے کی پابندیاں عائد کر دیں۔ یہ (پابندیاں) بچوں کی زندگی میں نہایت اہم ہوتی ہیں۔ بچے کو معلوم ہوتا ہے اس سے کس طرح کے طرزِ عمل کی توقع کی جا رہی ہے۔

بچے محسوس کر لیتے ہیں کہ ان کے والدین دباؤ کا شکار ہیں۔ کبھی کبھی ان کا غصہ بچوں پر اُتر سکتا ہے۔ اگر آپ گھر میں چیختے چلاتے یا مار پیٹ کرتے ہیں تو بچوں کو یہ بتانا بے کار ہے کہ وہ ایسی حرکتیں نہ کریں؛ کیوں کہ وہ خود دیکھتے ہیں کہ امی ابو آپس میں جھگڑتے رہتے ہیں۔

ان عادات کے علاوہ بھی بچوں میں کچھ بُری عادتیں ہوتی ہیں جیسے انگوٹھا چوسنا؛ ناخن چبانا؛ انگلیاں چٹخانا۔ ایسی عادتوں سے والدین کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔

(جاری ہے)




قرشی
شربتِ فولاد
جسم میں لائے
آئرن کی طاقت
بچے ہوں یا بڑے، آج کی مصروف زندگی کبھی کبھی تھکا دیتی ہے۔ جس کی وجہ ہے آئرن کی کمی۔
قرشی کا شربت فولاد آئرن کی کمی کو پورا کرتا ہے تاکہ تھکن ہو آپ سے دور اور آپ کی کارکردگی
رہے برقرار۔
اب تھکن کیسا؟


SHARBAT
FAULAD
شربت
فولاد
225 ml